فہرست مضامین

حرفِ اَوّلیں

حضرت مولانا جمشید علی خان صاحب، جنہیں اَب ہم ''رحمہ اللہ تعالیٰ'' کی دُعاؤں سے یاد کرتے ہیں، اَپنی حیات میں بھی اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتوں کے مورد رہے اور دَارُ البقاء میں بھی اَپنے رَب کی خصوصی رحمتوں سے فیضیاب ہو رہے ہوں گے۔ وہ رحمت اِلٰہی کا صرف مورد ہی نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں کا سبب بھی تھے۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذَات اُنہی قدسی صفت نفوس میں سے تھی جن کی وَجہ سے کارِ جہاں اَپنے معمول کے مطابق رَوَاں دَوَاں ہے۔ بے شک............اُن کا فنافی اللہ، فنافی الدین اور فنافی التبلیغ وجودِ مسعود.......اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی رحمتوں کو کھینچنے کا ذَریعہ تھا۔ حضرت رحمہ اللہ کی رحلت سے نادِر صفات وخصوصیات کا ایسا دِل نشیں مرقع دُنیا رُخصت ہوا جس کا ثانی تلاش کرنا شاید ممکن نہ ہو سکے۔ حضرتؒ ان متعدد فقید المثال خوبیوں کا مجموعہ تھے، جن میں سے ہر ایک خوبی اَپنی ذَات میں ایک روشن کہکشاں کی حیثیت رَکھتی ہے۔ حضرتؒ تو اِن شاء اللہ اَپنے اعمالِ حسنہ کی بہترین جزا سے لطف اَندوز ہو رہے ہوں گے، لیکن اُن کی وَفات سے اُمت ایک بڑی خیر سے محروم ہوگئی ہے۔

اِس نقصان کی بقدرِ وسعت تلافی کے لیے حضرت مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ کی وَفات حسرتِ آیات کے بعد ''ماہنامہ دَارُ التقویٰ'' کے اہل شوریٰ نے یہ طے کیا تھا کہ حضرتؒ کے مآثر اور علمی اِفادَات کو جمع کر کے شائع کر دِیا جائے۔ سوانحِ اَکابر کا یہ سلسلہ بہت پہلے سے تشنہ لبوں کی سیرابی کا سبب بنتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ کے اَحوال وآثار سے بھی اُمت کو پورِی طرح اِستفادَہ نصیب فرمائے۔

سچ یہ ہے کہ حضرتؒ کے علمی اور عملی کمالات کو کما حقہ بیان کرنا اور اُن کی خدمات کی صحیح صحیح تصویر کشی کرنا ایک طرح سے ناممکن ہی ہے۔ اُن کے کمالات عظیم ہیں اور بیان کرنے وَالی زبانیں اور لکھنے وَالے قلم بے بضاعت۔ کیونکہ دیکھنے وَالے، حضرتؒ کے اُن ہی کمالات کو بیان کر سکتے ہیں جو اُن کے علم میں آئے۔ سننے وَالے، حضرت کے اُن ہی علوم کو حکایت کر سکتے ہیں جو حضرت نے بیان فرمائے۔ لیکن کتنے ہی بے مثال کمالات اور کیسے کیسے بے نظیر علوم و معارِف ایسے ہوں گے جو دیکھنے سننے وَالوں تک پہنچے ہی نہیں ہوں گے۔ خصوصاً جب کہ ایسے خدامست درویش جو اَپنے ہر عمل کو اللہ کے لیے خالص کرنے کے اہتمام میں لوگوں کی نظروں سے چھپائے چھپائے پھرتے ہیں، اَپنے ہر کمال کو بارگاہِ احدیت کی اَدنیٰ نیاز سمجھتے ہیں اور اُس کا چرچا کرنا تو دُور، اُس کا تذکرہ بھی آجائے تو بجائے تفاخر کے اِحساسِ ندامت میں ڈُوب جاتے ہیں۔ ایسے میں یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ کسی نے مولانا کو اَچھی طرح دیکھ لیا، اُن کی باتوں کو بحسن و خوبی سن لیا اور پھر اُن جواہرات کو بلا کم و کاست بیان کر دِیا۔ اُس کے بعد ہر دیکھنے سننے وَالے کے ظرف اور اُس کی اَپنی فہم و دَانش ایک اَلگ معاملہ ہے۔ علاوَہ ازِیں، حکایت و رِوَایت اور طباعت و کتابت کی قیود میں کچھ وَاقعات تو یقیناً آ سکتے ہیں، کچھ باتیں بھی آ سکتی ہیں، لیکن اُن وَاقعات اور اُن باتوں کے پس منظر میں جو جذبہ کارفرما ہے، اور جو اَصل جوہر ہے، اُس کے بارے میں تو صرف اَندازے اور قیاس آرائیاں ہی کی جا سکتی ہیں، اس کی حقیقت تک رَسائی خصوصاً ہم ایسے کم نظروں کے لیے ممکن نہیں۔ اس لیے یہ دعویٰ تو ممکن نہیں کہ حضرت مولاناؒ کی تمام خوبیاں اور خصوصیات بیان ہو چکی ہیں۔

لیکن اِس سب کے باوجود، جو کچھ میسر ہوا، یہ بھی بہت غنیمت ہے۔ حضرتؒ کی صفات و اَخلاق اور محاسن و محامد کی یہ رِوَایتیں بھی اَپنے اَندر وہ بجلیاں رَکھتی ہیں جو کائناتِ عمل کو منور کر دیں۔ ہر چند کہ یہ حضرت کے حسنِ بے مثال کی ناقص تصویر کشی ہے لیکن اس میں بھی وہ حرارَت ہے جو دُنیائے عمل میں اِنقلاب برپا کر دے۔ حضرتؒ کی ایک ایک اَدا، اُن کا ایک ایک عمل اور اُن کی زِندگی کا ایک ایک وَاقعہ اَپنے اَندر معنویت

اور مقصدیت کا ایک جہان رَکھتا ہے۔ بس دِیدۂ بینا شرط ہے۔

اِس نمبر کی تیارِی ایک طویل اور کسی حد تک دُشوار مرحلہ تھا۔ اَگر مخلص اَحباب کا تعاون اور حوصلہ اَفزائی شامل حال نہ ہوتی تو شاید اِس میں اور تاخیر ہو جاتی۔

اِس موقع پر یہ وَضاحت بھی مناسب ہے کہ اِس نمبر میں جہاں خاص ''ماہنامہ دَارُ التقویٰ'' کے لیے علماء و خواص کے تحریر فرمودَہ مضامین شامل ہیں وہیں دِیگر رَسائل و جرائد سے بھی بہت سے مضامین اِنتخاب کر کے شامل کیے گئے ہیں۔ جن حضرات نے شفقتوں سے نوازا اور کسی بھی درجے میں تعاون فرمایا، اُن کو اِس صدقہ جاریہ کی بہترین جزاء اللہ تعالیٰ ہی عطا فرمائیں گے۔ مضمون نگار حضرات کے علاوَہ اِس ضمن میں جناب مولانا سیّد محمد زین العابدین صاحب مدظلہم (کراچی) کا تذکرہ فرضِ عین کی حیثیت رَکھتا ہے۔ دَرحقیقت اُن کی جانب سے لوازمے کی فراہمی، مسلسل تشجیع اور اِستفسار سے ہی اِس کاوش کا سامنے آنا ممکن ہوا ہے۔ **فَجَزَاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَحْسَنَ الْجَزَاء۔**

خطاء خاصہ بشریت ہے، اِس نمبر میں بھی اَگر قارئین کے سامنے کوئی غلطی آئے تو اُس کی نشان دہی فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اِصلاح کی جاسکے۔ اس کے علاوَہ، اَگر کوئی بھی ساتھی یا بزرگ، حضرت رحمہ اللہ کے بارے میں کسی اور وَاقعے کو جانتے ہوں، یا حضرتؒ کے بارے میں اَپنے تأثرات ہنوز سنبھالے ہوئے ہوں تو ضرور ہمیں لکھ بھیجیں۔ ان تمام مضامین کو ماہنامہ کی آئندہ اِشاعتوں میں شامل کرنے کے علاوَہ خاص نمبر کے آئندہ ایڈیشن میں بھی شامل کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ تمام محبین، مخلصین اور معاونین کی مساعی کو قبول فرمائیں اور سب کو حضرت مولانا رحمہ اللہ کی پیروِی کی دولت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

والسلام

اویس احمد

مکتوباتِ اَکابر

مکتوبِ گرامی
محقق اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ تعالیٰ

باسمه تعالی و جل

اَز: محمدی شریف ضلع چنیوٹ

۱۹؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ (۱۲؍دِسمبر ۲۰۱۴)

محترم جناب مولانا محمد اویس صاحب سلم ربکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاجِ گرامی!

تسلیماتِ مسنونہ کے بعد معروض ہے کہ آپ کا جوابی ملفوف موصول ہوا۔

آپ نے تحریر کیا ہے کہ حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب نورَ اللہ مرقدہٗ کے سوانح اوروَاقعاتِ زِندگی تحریر کریں۔

اُس کے متعلق عرض ہے کہ حضرت موصوف بہت بڑے فائق عالم تھے۔ اُنہوں نے دِین کی باکمال اَز حد خدمت کی ہے۔

بندہ کو اُن کے حالات کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ فلہٰذا اِس مسئلہ میں معذرَت کی جاتی ہے۔ ملال نہ فرمائیں۔ بندہ عرصۂ مدید سے علیل اور صاحب فراش ہے۔ دُعاء سلامتی اِیمان سے یاد فرماتے رہیں۔

وَالسلام مع الاحترام

ناچیز محمد نافع عفا اللہ عنہ

بروز آدینہ

مکتوبِ گرامی
حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مکرمی ومحترمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وَفات اُمت کا بڑا عظیم نقصان ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُنہیں ساری زِندگی تعلیم وتبلیغ کی خدمت میں صرف کرنے کی توفیق عطا فرمائی اوراُن کی خدمات وآثار اِن شاءاللہ تادیر باقی رہیں گے۔آپ نے اُن کے حالات سے متعلق جوخاص نمبر شائع کرنے کا اِرادَہ کیا ہے، اِن شاءاللہ وہ بہت نافع ہوگا۔ لیکن بندے کا حال یہ ہے کہ اُن کی خدمات سے وَاقف ہونے کے باوجود بندے کو اُن سے نیاز حاصل کرنے کے مواقع بہت کم ملے۔اِس لیے اُن کے بارے میں کوئی مضمون لکھنے کے لیے اَپنے آپ کو نااہل پاتا ہوں۔اَلبتہ دِل سے دُعاء ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی اِس کاوِش کو نافع ومقبول بنائیں۔آمین۔والسلام

محمد تقی عثمانی

(بقلم شاکر صدیق جکھورا)

۶۔۳۔۳۶ھ

مکتوبِ گرامی
حضرت مولانا محمد مسعود اَزہر صاحب مدظلہم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ تعالیٰ اَپنے بعض بندوں کو ''نرالی شان'' عطا فرماتا ہے۔قرآن مجید میں اس کی تفصیل موجود ہے۔یہ ''نرالی شان'' تقویٰ کے ایک خاص مرتبہ تک پہنچنے وَالے ''اہل اِیمان'' کو عطاء فرمائی جاتی ہے۔تبلیغی جماعت کے پُر اَثر حُدی خواں ''حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب'' بھی ماشاءاللہ ایک اَلگ شان رَکھتے تھے۔بیان کا اَنداز اور زِندگی کا رَنگ بھی نرالا تھا۔وہ اہل دَعوت میں سے تھے۔اَپنے آپ کو دِینِ اِلٰہی کے لیے وَقف کر چکے تھے۔اللہ تعالیٰ کی اُن پر خاص عنایت تھی کہ اُن کا فیض قریباً سارے عالم میں پھیلا۔علماء کے لیے اُن کی زِندگی میں سبق ہے کہ دُنیا کی طرف سبقت نہ کریں۔دِین کی خاطر حتی الوسع قربانی دیں۔ ''ماہنامہ دَارُ التقویٰ'' حضرت مولاناؒ کی خدمات پر خصوصی شمارہ شائع کر رہا ہے۔اللہ تعالیٰ ''مبارک'' بنائے ''قبول'' فرمائے۔

محمد مسعود اَزہر

۱۶ صفر ۱۴۳۶ھ

مکتوبِ گرامی
حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہم

۱۷ رصفر ۱۴۳۶ھ

محترم ومکرم جناب حضرت مولانا محمد اویس صاحب زیدمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔۔۔۔مزاج شریف!

آپ کا مکتوبِ گرامی موصول ہوا۔رَسید اِرسالِ خدمت ہے۔آپ کے حکم کی تعمیل میں اِن شاءاللہ جو کچھ ممکن ہوا کروں گا۔آپ نے ایک عظیم کام کا بیڑا اُٹھایا ہے جو بہت ہی محنت

طلب اور مشقت طلب کام ہے۔ اللہ کریم قبول فرما کر آپ کے لیے آسانیاں پیدا فرمادیں اور آپ کو اَپنے مشن میں سرخرو و کامیاب اور کامران کریں۔ (آمین)

وَالسلام

عبدالقیوم حقانی

مکتوبِ گرامی

حضرت مولانا مفتی عبدالروٴف سکھروِی صاحب مدظلہم

۷۸۶

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

بندہ کا مولانا جمشید صاحب علیہ الرحمہ سے کوئی خاص تعلق اور رَابطہ نہ تھا۔ اِس لیے اُن کے بارے میں کچھ لکھنا متعذر رہے۔ والسلام

بندہ عبدالروٴف۔ (۲۹-۲-۳۶)

مکتوبِ گرامی

حضرت مولانا مفتی محمد طیب صاحب مدظلہم

مکرمی مولانا محمد اویس صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بندہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے غائبانہ عقیدت رَکھتا ہے۔ بندہ کو اُن سے شرف تلمذ حاصل نہیں اور نہ کسی اور طرح قریبی تعلق رہا ہے۔ اِس لیے بندہ اُن کے بارہ میں کچھ لکھنے کی بجائے قریبی حلقے کی لکھی ہوئی یادداشتوں سے اِستفادَہ کا شوق رَکھتا ہے۔ حق تعالیٰ آپ کے ہاتھوں خصوصی نمبر شان دَار اَنداز سے نکلوائیں۔ آمین۔

محمد طیب رَئیس جامعہ اِسلامیہ اِمدادیہ فیصل آباد

(حیات وخدمات)

حیاتِ حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

(مختصر سوانح)

ازافادات: حضرت مولانا عبیداللہ خورشید صاحب مدظلہم

(ابنِ حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحبؒ واستاذِ حدیث مدرسہ عربیہ رائے ونڈ)

نام ونسب:

نام: محمد جمشید علی خان بن عبداللہ خان بن عظیم خان بن بدّو خان بن نتھا خان۔

قوم: رَاجپوت

گوت: پنڈیر

علاقہ:

گاؤں بھیسانی، (بعض تذکروں اور کتابوں میں بھینسانی بھی لکھا ملتا ہے) اِسلام پور۔تھانہ بھون کے پاس وَاقع تھا۔تحصیل کیرانہ اورضلع مظفرنگر،صوبہ اُتر پردیش۔

اِبتدائی حالات:

پاسپورٹ شناختی کارڈ کے مطابق پیدائش ۱۹۳۰ء کی ہے۔ چند سال کا فرق عین ممکن ہے۔

جدی پشتی پیشہ زمیندارہ تھا۔

چار بھائی تھے، خود سب سے چھوٹے تھے۔ دو بہنیں تھیں وہ بھی بڑی تھیں۔ بھائی وَغیرہ سبھی دِین دَار اور مسائل سے وَاقف علماء کے صحبت یافتہ تھے۔ عالم نہیں تھے، ہاں

اُن کی اولادوں میں اُکثر علماء ہیں۔

اِبتدائی تعلیم:

حسن پور لوہاری میں پانچ (۵) جماعتیں پڑھیں۔اسکول کے بعد تقریباً گیارَہ/بارَہ سال کی عمر میں حفظ کیا۔

حفظ:

خانقاہِ اِمدادیہ اَشرفیہ تھانہ بھون کے مدرسہ میں حفظ کیا۔قارِی رحمت اللہ صاحب بہت مشہور قارِی وَہاں اُستاذ تھے، سبعہ قراآت کے ماہر تھے، اُن کے پاس حفظ کیا۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ بھی اُس وَقت حیات تھے، علامہ رَفیق صاحب بھی پڑھتے تھے۔

بچپن میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ہاں حاضری اور تربیت:

بچپن میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی مجلسیں نصیب رہیں۔مولاناؒ نے خود فرمایا:

''حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی مجلس میں بیٹھتا تھا، بات سمجھ نہیں آتی تھی۔لیکن جب بڑا ہوگیا تو پھر حضرتؒ کے اَلفاظ یاد آتے تھے اور بات سمجھ آتی تھی کہ اَچھا یہ مطلب تھا۔''

بچپن کی تربیت حکیم الامت حضرت مولانا اَشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے گھر میں ہی ہوئی۔ بچے کی حیثیت سے گھر آنا جانا تھا۔جب کچھ بڑے ہوئے تو حضرتؒ کے اہل نے فرمایا کہ: جمشید اَب تم بڑے ہوگئے ہواَب تم دَروَازے کے پیچھے سے بات کیا کرو۔گاؤں وَالوں اور گھر وَالوں کا اِصلاحی تعلق حضرت تھانویؒ سے ہی تھا۔مولانا کے وَالد ماجد اور وَالدہ دونوں حضرت تھانویؒ سے بیعت تھے۔ دِیگر علماء میں علامہ رَفیق صاحب رِشتہ دَاروں میں سے تھے۔کھیلوں میں گتکا پھری بچپن سے ہی سیکھی تھیں۔

دِینی مزاج اور عزیمت:

دِین دَارِی اور تقویٰ گھٹی میں پڑا تھا۔حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی صحبت کی برکت سے جب بھی کسی اَمر کا پتا چلتا تھا تو فوراً اُس کی تنفیذ کی۔ یہ نہیں کہ بعد میں ہوجائے گا۔ یہ خاص عزیمانہ شان تھی۔

اِبتدائی دِین دَارِی کا ایک خاص وَاقعہ یہ ہے کہ مولاناؒ کے وَالد کے پاس کچھ

زمینیں ٹھیکے وَغیرہ پر تھیں۔ اُس زمانے میں یہ انگریزی قانون تھا کہ اِتنے سال مزارع اَگر اسے کاشت کرے تو مالک کی ملکیت سے نکل کر وہ زمین مزارع کی ملکیت بن جاتی ہے۔ تو ایسی ہی زمین مولاناؒ کے وَالد ماجدؒ کے پاس تھی۔ موروثی ہندوؤں کی زمین تھی۔ کچھ پیسے گورنمنٹ نے لے لیے اور اُنہیں مالک بنا دِیا۔ یہ ڈیڑھ سو بیگھے رقبے کی زمین تھی جس کے تین مربعے ہوتے ہیں۔ جب معلوم ہوا کہ یہ زمین اِس طرح کی ہے اور شرعی ملکیت نہیں ہے تو آکر دَادَا سے کہا کہ یہ زمین وَاپس کرو۔ اور اُسی وَقت زمین وَاپس کروَائی۔ گھر وَالوں سے مولاناؒ نے کہا کہ یہ زمین وَاپس کرو وَرنہ میں نہ گھر کی روٹی کھاؤں نہ آؤں۔ جب بڑے بھائی اور وَالد صاحب وَغیرہ وَاپس کرنے گئے تو سب مذاق اُڑَانے لگے کہ دماغ ٹھیک ہے؟ اِتنی زمین وَاپس کر رہے ہو؟ کہا کہ: نہیں دماغ ٹھیک ہے، ہمارَا بھائی کہتا ہے۔ تو مولانا تو گھر سے نکل گئے تھے اور یہ مولانا کی خاصیت تھی کہ جب تک اللہ کا حکم نافذ نہیں ہوگا، اَپنا تعلق نہیں جوڑنا، بس گھر سے باہر۔ تو بھائی بھی ایسے سعادَت مند تھے کہ سب زمین وَاپس کر دِی، ہندوؤں کی تھی۔ تو اِس پر پورے علاقے میں شور مچ گیا کہ عبداللہ کے بیٹے نے ایسا کیا ہے۔ بھابھیوں کے پردے کا بھی یہی حال رہا۔

دَرسِ نظامی کی تعلیم:

شرح جامی تک کتابیں جلال آباد، مدرسہ مفتاح العلوم میں حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کے پاس پڑھیں۔ دِیگر اَساتذہ میں مفتی عابد حسین صاحب، چھوٹے مولانا صاحب۔ ایک اور مفتی صاحب بھی تھے۔ مولانا سلیم اللہ خان صاحب بھی وَہاں اُستاذ تھے۔ اُن سے بھی کچھ کتابیں پڑھیں۔ علامہ رفیق صاحب (بھیسانی والے) وَہاں کے بہت مشہور اَساتذہ میں سے تھے، جلالین کے بہت ماہر مدرّس تھے، شرح جامی سے آگے کی کتب اور فنون سارے دَارُالعلوم دِیوبند میں پڑھے۔

اَساتذہ میں حضرت مولانا حسین اَحمد مدنیؒ، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ، حضرت مولانا اِبراہیم بلیاوِیؒ، حضرت مولانا محمد اِعزاز علیؒ، حضرت مولانا فخر الدین

صاحبؒ وَغیرہ تھے۔ دورۂ حدیث شریف دِیوبند سے ہی تھا۔ دِیوبند سے جمعرات چھٹی میں گھر آتے تھے تیس کلومیٹر (بیس میل تقریباً) پیدل ہی آتے، ایک دِن رہ کر واپس چلے جاتے تھے۔ بخارِی حضرت مدنیؒ سے پڑھی۔ اِصلاحی تعلق حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ سے تھا جو اُستاذ بھی تھے۔ پانچ سال جلال آباد کے، فنون اور دِیگر کتب پانچ چھ سال دِیوبند میں پڑھیں۔ کل تعلیم کا وَقت اَندازاً دَس گیارہ سال رہا۔ فراغت سنہ اڑتالیس، انچاس کی ہوگی۔ دورہ کے وقت عمر اندازاً بائیس تئیس سال کی تھی۔

تدرِیس:

فراغت کے بعد فوراً ''مدرسہ سبیل الرشاد'' میں دو سال پڑھایا۔ وَہاں کوئی بھی مدرّس کامیاب نہیں ہوتا تھا، وَہاں کے ذِمّہ دَار سے لڑائی جھگڑا ہو جاتا اور علماء وَاپس چلے جاتے۔ اُنہوں نے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ سے کہا تو اُنہوں نے مولاناؒ کو بھیجا۔ سنہ پچاس اکاون میں وَہاں پڑھایا ہوگا۔ مولاناؒ کا وَہاں کے ذِمّہ دَار سے ایسا تعلق ہوا کہ بہت ہی فرماں بردَار ہو گیا۔ جمیل صاحب وَہاں کے مہتمم تھے۔ اَب تک بھی وہ لوگ مولانا رحمہ اللہ کو یاد کرتے ہیں۔

شادِی:

شادِی ہندوستان میں تقسیم سے پہلے ہی ہو گئی تھے۔ میرٹھ ہرہ کھوائی میں سسرال تھی۔ اور مولانا رحمہ اللہ کی وَالدہ بھی اسی گاؤں سے تھیں۔

بیعت وسلوک:

بیعت طالب علمی کے دَورَان ہی کر لی تھی۔ خلافت بھی حاصل تھی، لیکن زبانی ہی تھی، کتابوں میں نہیں ہے۔ تقوے وَالی زِندگی تھی، خط وکتابت اور رَابطہ تھا، ہر چیز پوچھ پوچھ کر چلتے تھے۔ سلوک کی منزلیں تو بہت جلدی طے کیں۔

پاکستان آمد:

پاکستان ۱۹۵۲ء میں آئے، پھر کئی سال بعد اہلیہ کو لے کر آئے، تقسیم کے بعد فوراً ہجرت نہیں فرمائی۔ دَراصل مولانا رحمہ اللہ کے وَالد اَپنی ایک بیٹی کے بیوہ ہو جانے پر

بھارت سے پاکستان آئے، رینالہ خورد اوکاڑہ سولہ چک میں اُن کی زمین میں کچھ خرد برد ہوئی اور تبادلے میں پوری نہیں مل رہی تھی۔ اُن کے معاملے کے حل کے لیے تشریف لائے کیونکہ وہ زمین کے مسئلے میں بہت ہوشیار تھے اور چوہدری قسم کے آدمی تھے، پورے علاقے میں اُن کی بات مانی جاتی تھی۔ تو اُن کے مسئلے کے حل کے لیے آئے، پھر وَہیں بیمار ہوگئے۔ تو ان کی خدمت کے لیے مولاناؒ ہندوستان سے پاکستان تشریف لائے

ٹنڈوالہ یار میں تدریس:

اوکاڑہ میں ہی مقیم تھے کہ اِس دَوران مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ سے مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ نے دَرخواست کی کہ میرے مدرسہ دَارُالعلوم اِسلامیہ ٹنڈو الہ یار سے تمام مشاہیر حضرت مولانا ظفر اَحمد عثمانیؒ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا بدرِ عالمؒ، مولانا عبدالرحمٰن کیمبل پوریؒ، مولانا عبدالحق اَکوڑہ خٹکؒ وغیرہ سب علماء رُخصت ہوگئے ہیں، اَب آپ تشریف لے آئیں۔ اُنہوں نے فرمایا کہ میری خانقاہ ہے، میں چھوڑ کر نہیں آسکتا۔ دو معتمد آدمیوں کو بھیجتا ہوں، ایک ان میں سے مولانا جمشید صاحبؒ تھے، دوسرے مولانا نصیر صاحبؒ۔ تو اُس وقت مولانا اوکاڑہ سے ٹنڈوالہ یار چلے گئے۔ ٹنڈوالہ یار میں ۱۹۵۳ء میں آئے۔ پھر وہاں ۱۹۶۴ء تک مسلسل پڑھایا۔

تبلیغی جماعت سے تعلق:

تبلیغ میں ۵۶، ۵۷ سے لگے تھے۔ رَائے ونڈ تھوڑا تھوڑا آنا شروع کر دِیا تھا۔ ۵۷ میں دَس دِن لگے تھے۔ اَلبتہ مسواک وَالا قصہ صحیح ہے کہ ایک میواتی کی نماز پڑھنے سے پہلے مسواک گم ہوگئی تو وہ رو رہا تھا، اُس سے کہا کہ نماز تو ہو جاتی ہے تو اُس نے کہا کہ مسواک کا ثواب کیسے ملے گا؟۔ اس سے دِل پر اَثر ہوا اور کام کی اَہمیت دِل میں پیدا ہوئی۔ ۱۹۶۶ء میں رَائے ونڈ آئے تھے۔ سات ماہ کا سفر پہلے ہو چکا تھا۔

۶۴ میں صومالیہ کا سفر ہوا، یہ مدینہ شریف سے پہلی جماعت گئی تھی صومالیہ۔ پھر ۱۹۶۵ء میں بھی وہیں پڑھایا۔ ۶۶ میں سات چلے لگے اور ۶۷، ۶۸ سے یہیں (رَائے ونڈ میں) پڑھانا شروع کیا۔

ٹنڈوالہ یار میں غیر ملکی تلامذہ:

ٹنڈوالہ یار میں بہت سے غیر ملکی طلبہ نے بھی پڑھا۔ جن میں نائیجیریا، یوگینڈا، برما، بنگلہ دیش وَغیرہ کے طلبہ شامل ہیں۔ مولانا احترام الحق اور مولانا عابد صاحب بھی شاگرد ہیں۔ مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ کے موجودہ اَساتذہ میں مولانا عبدالرحمٰن خان صاحب، مولانا عمر اَحمد صاحب، مولانا طارِق جمیل صاحب وَغیرہ سب شاگرد ہیں۔

حاجی محمد عبدالوہاب صاحب سے تعلق:

حاجی محمد عبدالوہاب صاحب سے صومالیہ جانے کے وَقت سے ہی تعلق ہے۔

جنات کی تشکیلات کی حقیقت:

جنات کی تشکیل کو کبھی نہیں فرمایا۔ اَلبتہ جنات جن کو تنگ کرتے تھے تو وہ آکر دَرخواست کرتے اور یہیں سے جنات کو ڈانٹ دیتے تھے تو مسئلہ حل ہو جاتا تھا۔

خوردونوش میں اِحتیاط:

شہد وَالا وَاقعہ بھی سچ ہے، یعنی مولانا طارِق جمیل صاحب شہد لے کر آئے تھے تو اُن سے نہیں لیا کہ وَراثت میں بہنوں کو حصہ نہیں دِیا گیا اِس لیے جائز نہیں۔ وَیسے بھی عام چیزیں نہیں کھاتے تھے، بہت تحقیق کرتے تھے۔ بازار سے لے کر آم نہیں کھاتے تھے کہ بور کی صورَت میں ہی بیچ دِیا جاتا ہے۔ اَگر کوئی ہدیہ لاتا تو پوچھتے کہ کیا تمہارے اَپنے باغ کے ہیں؟

بیت الخلاؤں کی صفائی:

خود اَپنے ہاتھ سے بیت الخلاؤں کی صفائی بھی کرتے تھے۔ اِس کا وَاقعہ یہ ہے کہ ایک عرب جاسم درویش صرف اِس لیے رَائے ونڈ آیا کہ دیکھوں کہ یہاں کیا کچھ ہوتا ہے (یعنی خرابیاں وَغیرہ)۔ تو دِن میں تو سارے وَقت اور سارے بیانات میں دَعوت اور توحید کی ہی ترغیب و تذکرہ دیکھا۔ رَات کو یہ سوچ کر چھپ کر بیٹھ رہا کہ دیکھوں،

اَب بدعتیں اور شرک کریں گے۔ اِتنے میں دیکھا کہ مولانا دو بجے آئے، ہاتھ پر کپڑا چڑھایا اور عربوں کے بیت الخلاء صاف کیے۔ اُس نے پوچھا کہ: مولانا! رَات کو آپ نے کیا کیا تھا؟ یہ آپ کیوں کرتے ہیں؟ اِس پر سمجھ گئے کہ اس نے دیکھ لیا ہے۔ جواب دِیا کہ دِن میں ہم اُوپر بیٹھتے ہیں اور لوگ ہمیں بڑا سمجھتے ہیں۔ تو اُس سے کچھ قلب میں مرض بھی پیدا ہوسکتا ہے۔ اُس کا علاج کرتا ہوں۔

عرب مہمانوں کا اِکرام:

اِکرام کا یہ عالم تھا کہ عربوں کے دَسترخوان پر کھانا کھاتے تھے اور ایک ڈیڑھ گھنٹہ دَسترخوان پر ہی گزارتے تھے۔ ناشتے کھانے میں تاکہ کسی نے رَابطہ کرنا ہو، کوئی مسئلہ پوچھنا ہو تو آسانی سے سوال کرسکے، ملاقات کرسکے۔

دَعوت دینے میں مزاج:

ہر مکتبِ فکر کے لوگوں کو دَعوت دیتے تھے۔ اِس پر بہت سے لوگوں (غیر مقلدین وَغیرہ) نے کہا کہ تمہاری نرمی نے ہماری سختی کو بھی متأثر کردِیا ہے۔

سنی کانفرنس کے موقع پر رَائے ونڈ وَالوں کا طرزِ عمل اور مولانا کی ذِمّہ دَاریاں:

۱۹۷۹ء میں سنی کانفرنس ہوئی، باقی سب رَاستے بند کردِیے گئے، ٹھوکر للیانی وَغیرہ ہر جگہ سے آنے وَالے لوگ مرکز کے سامنے سے گزرتے تھے اور فساد پھیلانے کے لیے مرکز میں بندے بھیجنے کے لیے تیار کیے تھے، یہاں حضرات نے ساتھیوں کو کہا کہ ہمارے مہمان آئیں گے اُن کا اِکرام کرنا چاہیے، اُن کے لیے بیت الخلاء صاف کروَائے، اِکرام کیا، ساتھیوں کو تولیہ اور صابن دے کر اُن کے اِکرام کے لیے کھڑا کیا۔ باقاعدہ اُن کے لیے چائے کی کینٹین لگائی، وہ لوگ یا رسول اللہ! کے نعرے لگا کر چیختے ہوئے اور اَپنے گلے پھاڑتے ہوئے جاتے تھے، لیکن تبلیغی اَحباب اُن سے مطلق متأثر نہیں ہوتے تھے اور اَپنے کام میں مشغول رہے، پتا ہی نہیں کہ کیا ہو رہا ہے، جو آئے اُن کا اِکرام کیا، نہلایا، چائے پلائی۔ جو کہتا کہ بیان کرنا ہے تو اُسے مولانا کے پاس لے آتے اور مولانا پھر اُسے سمجھاتے، تو بہت سے ایسے لوگ جو بہت غصے میں اور تعصب لے کر

آئے تھے، روتے ہوئے گئے اور اِعتراف کیا کہ ہمیں گم رَاہ کیا گیا تھا۔

ایک صاحب نے وَاقعہ سنایا کہ ساہیوال کے ایک بریلوی مولوی صاحب جو بہت سخت تھے، اُنہوں نے آکر نعرے بھی مارے، اُنہیں چائے پلائی اور پھر مولاناؒ کے پاس لے گئے۔ اُن کے ساتھ اُن کے ہم رَاہی بھی تھے اور ایک بڑا تاجر بھی تھا جو اُن کی مالی اِمداد کرنے وَالا تھا۔ تو اُنہوں نے مولانا سے اَپنے اِنتہائی سخت، بھدے اور گستاخانہ اَنداز میں گفتگو کرنی شروع کی۔ جواب میں مولانا نے بہت تحمّل اور ٹھنڈے مزاج کے ساتھ اُن سے بات کی اور اُنہیں سمجھایا۔ جتنا اُنہیں سمجھائیں وہ اُتنا ہی غصہ ہو۔ جب کافی دیر ہوگئی تو وہ تاجر اُٹھ کھڑا ہوا اور اَپنے مولوی سے کہا کہ بکواس بند کرو۔ تم پون گھنٹے سے اِن کے گھر میں آکر اِن سے باتیں کر رہے ہو اور بدتمیزی کر رہے ہو اور اِس شخص نے اَپنے گھر میں ہوتے ہوئے بھی ایک بار بھی تم سے غصے اور بدتمیزی سے بات نہیں کی۔ تو میں سمجھ گیا کہ تم غلط ہو اور یہ صحیح ہیں۔ اَب میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں۔ مولانا نے اِس پر بھی کہا کہ ہم پھوٹ نہیں ڈلواتے۔ مگر اُس نے کہا کہ میں سمجھ گیا ہوں۔

یہ سلسلہ دو تین روز تک چلتا رہا مسلسل اور سب کو اِسی طریقے سے نمٹایا۔ محترم حاجی محمد عبدالوہاب صاحب نے مولانا محمد جمشید علی خان صاحبؒ کو ہی یہ ذِمّہ دارِی سونپی تھی۔

اولاد:

۹/بچے اور بچیاں پیدا ہوئے جن میں سے ۵/لڑکے تھے اور ۴/بچیاں، بقید حیات ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں۔ باقی سب بچپن میں ہی اِنتقال کرتے رہے۔ ایک صاحب زادِی شہداد پور میں مولانا سلیم صاحب کی اہلیہ ہیں، دُوسرے مولانا لیاقت صاحب کے ہاں ہیں، جو پاکستان نیوی میں خطیب ہیں۔

صاحب زَادَہ مولانا عبیداللہ خورشید صاحب مدظلہم سے دو بیٹیاں چھوٹی تھیں، باقی سب اُن سے بڑے تھے۔ ان دونوں میں سے ایک چھوٹی بیٹی بھی فوت ہوگئیں۔ سب دُودھ پیتے ہی دو تین سال کے اَندر اَندر فوت ہوئے۔ ایک بیٹا اویس ہندوستان میں پیدا ہوا لیکن تب رِہائش وَہاں نہیں تھی، یہیں پاکستان سے ملنے ملانے گئے تھے۔

مال داروں اور منصب داروں سے طرزِ عمل:

مرحوم جنرل محمد ضیاء الحق صاحبؒ کے زمانے میں بہت سے جنرل بریگیڈیئر آتے تھے کہ پیسے دیتے ہیں، کہا ضرورت نہیں۔ پھر کہا کہ اِجتماع گاہ میں کام کروا دیں گے۔ کہا ہمارے میدان میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا۔ پوچھا کہ آپ لوگ مستغنی ہیں؟ محتاج نہیں ہیں؟ کہا دانے دانے کے محتاج ہیں۔ لیکن ہمارا معدہ کم زور ہے۔ ہم ہضم نہیں کر سکتے۔ کہا کرتے تھے کہ ہمیں تمہارے مال سے زِیادہ قیمتی چیز چاہیے۔ پوچھا جاتا کہ مال سے زِیادہ قیمتی کیا ہوسکتا ہے؟ تو فرماتے تمہارا وقت اور تمہاری جان۔

اندازِ تربیت:

تربیت میں جزئیات کے بادشاہ تھے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا مزاج تھا، ہاتھ میں گھڑی کو ناپسند کرتے تھے، پاؤں سے کاغذ قلم نہیں لگنے دیتے تھے، بلب پنکھا وغیرہ بے مصرف چل رہا ہوتا تو بند کرواتے، خدام کو، طلبہ کو اور مجمع کو بھی متوجہ فرماتے تھے۔ پانی پیش کرنے کا سلیقہ سکھاتے تھے، طلبہ میں سے جس کو کام کہتے اور وہ اِطلاع نہ کرتا تو تنبیہ کرتے، لکھنے پڑھنے کے طور طریقوں سے آگاہ کرتے تھے۔ ایک بار صاحب زادہ مولانا عبید اللہ خورشید صاحب دامت برکاتہم نے خط میں لکھا ''از عبید اللہ خورشید''۔ تو فرمایا کہ اللہ کا نام پہلے آنا چاہیے۔ بسم اللہ سے شروع کرنا چاہیے۔ کوئی شاگرد دُعا دیتا کہ اللہ توفیق عطا فرمائے، قبول کرے وغیرہ تو فرماتے کہ دیکھو یہ چھوٹے ہیں، بڑوں کو دُعائیں دے رہے ہیں۔ طرز یہ نہیں ہے، اِشارہ تھا کہ چھوٹوں کو ایسی دُعائیں دینی چاہئیں کہ اللہ ہمارے سر پر آپ کا سایہ قائم رکھے اور آپ کی برکات سے اِستفادہ نصیب فرمائے وغیرہ سونے میں دائیں کروٹ کا بھی خیال رکھنے کی تلقین فرماتے تھے۔

ہدیہ لینے میں بچوں کی تربیت:

بچوں کو کسی اور سے ہدیہ قبول کرنے کی ہرگز اِجازت نہیں ہوتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی ڈنڈے سے مارتے تھے۔ خوب سختی کرتے تھے۔ جناب مولانا عبید

اللہ خورشید صاحب کو تو کافی عرصہ بعد تک بھی، جب وہ پڑھاتے تھے اور عرصہ سے اُستاد ہوگئے تھے، ڈانٹ لیتے تھے۔ سعادت مند اولاد کی بھی فرماں برداری ہے۔

اَسفار:

صومالیہ، کیمرون، چاڈ، ساؤتھ افریقہ، اِنگلینڈ، بنگلہ دیش، سعودی عرب وغیرہ۔

پاکستان آنے کے بعد بھی کئی بار ہندوستان گئے ہیں، ایک بار ایک مہینہ بنگلہ والی مسجد مرکز نظام الدین دہلی میں رہے اِجتماع کے موقع پر گئے تھے تین یا چار حج کیے ہیں۔

ابو بکر الجزائری سے کہا کہ پاکستان کیوں نہیں آتے تو اُس نے کہا کہ تصویر بنوانی پڑے گی۔ اُس کی حرمت کی وجہ سے نہیں آتا کہا کہ دعوت کا کام ایک کل ہے اور تصویر جز ہے۔ تو کیا جز کی وجہ سے کل کو چھوڑ دو گے؟ جز کو سنبھالنے کے لیے کل فوت ہو رہا ہے۔ تو وہ اِس بات پر بڑے متاثر ہوئے، وہ اَب بھی حیات ہیں، کومہ میں ہیں، بڑے آدمی ہیں، مسجد نبوی کے حلقے کے آدمی ہیں۔

منفرد خصوصیات:

قافیہ کلام تو نوکِ زبان تھا، قدرتی خاصیت تھی، البتہ کوئی خاص شعری ذوق معلوم نہیں۔

بغلوں کے بال نوچتے تھے، بعد میں جب خود معذور ہوئے تو ساتھی مشین سے کاٹ بھی دیتے تھے۔

ایک (آخری) بار گتکے کے لیے آئے تھے، گر گئے تو دوبارہ نہیں آئے۔ صابن اِستعمال نہیں کرتے تھے، وجہ ظاہر نہیں کی۔ بازار سے کھانے کو بالکل ناپسند کرتے تھے۔ طلبہ کو اور اپنی اولاد کو خاص طور پر بہت سخت ڈانٹتے تھے۔ یہ تو چند مختصر سی باتیں تھیں، باقی حضرت مولانا رحمہ اللہ کی زِندگی کی ہر بات اور ہر واقعہ سبق ہے۔

....

ماضی کے وَاقعات کو دُہرا کبھی کبھی

مولانا اَحسن اَحمد عبدالشکور

فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ

۳؍نومبر ۲۰۱۴ء بروزِ سوموار مولانا محمد جمشید علی خان صاحب وَفات پا گئے۔

مولانا رحمہ اللہ کی وَفات کے دِن ہی کئی دوستوں کی جانب سے یہ اِطلاع مل گئی تھی، مگر بوجوہ بہاوَل پور سے رَائے ونڈ آ کر نمازِ جنازہ میں شریک نہ ہوسکا۔ رَائے ونڈ کا سالانہ اِجتماع بروزِ جمعرات چھ نومبر کی شام کو شروع ہونے وَالا تھا اور اِجتماع کی محنت اور ساتھیوں کو ترغیب وتحریض اور تیارِی کا کام اَپنے نکتہ اِختتام کے قریب تھا۔ اِرَادے کرنے اور اِرَادے کی نیکی حاصل کرنے سے تو کوئی بھی مسلمان دریغ نہیں کرتا، لیکن بایں ہمہ وصولی میں زور لگانا ہی پڑتا ہے۔ بہرحال! مولانا کے جنازے میں شرکت نہ کرسکنے کی کسک کے ساتھ یہ تسلی ضرور تھی کہ جس عظیم کام میں اَپنی جان کھپاتے کھپاتے مولانا نے غریب الوطنی کی سی زِندگی گزارِی اور اُسی میں وَفات بھی ہوگئی، اُسی محنت میں اَپنی سی محنت اور مشغولی میں لگا ہوا ہوں۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی آنکھیں اَپنے متوسلین وتلامذہ کی ایسی کوششوں سے ضرور ٹھنڈی کرے گا۔

میں اَبھی چھوٹا ہی تھا، عمر یہی کوئی بارَہ تیرہ سال کی ہوگی کہ اَبا جان کی زبانی تبلیغی جماعت کا نام کان میں پڑنے لگا۔ وَالد صاحب تو ایک عرصہ سے کام سے متعارف تھے اور گاہے گاہے جڑتے بھی رہتے تھے، لیکن کوئٹہ چھاؤنی میں قیام کے دَورَان کچھ ایسے ہمدرد ساتھی بھی مل گئے، جو دُوسروں کو بھی کام میں چلانے کی صفت سے متصف تھے۔ اَلحمدللہ! کہ ایسے ہی ساتھیوں کی حرکت اور محنت کی برکت سے اَبا جان کی تبلیغی مشغولیت باقاعدگی اِختیار کرنے لگی۔ غالباً ۱۹۹۲ء کی بات ہے کہ ایک طویل عرصے کے بعد کوئٹہ وَالوں کو اِجتماع ملا اور اُس اِجتماع کی دُعا وَالے دِن میں اور میرا چھوٹا بھائی صبح ہی صبح گھر سے اِجتماع گاہ کی طرف نکل پڑے۔ اِجتماع کی جگہ شہر سے باہر بائی پاس کے

کنارے طے ہوئی تھی، لیکن اِجتماع کی دُعا وَالے دِن بآسانی اِجتماع گاہ تک اللہ نے پہنچا دِیا وَہاں جا کر پہلی مرتبہ تبلیغی جماعت کے اَکابرین کے نام سننے میں آئے وہ یوں کہ اُس وَقت حاجی صاحب کا دُعا کے دِن شاید فجر کے بعد وَالا یا دُعا سے پہلے وَالا بیان چل رہا تھا اَب بھی یاد پڑتا ہے کہ کچھ ہدایات وَغیرہ تھیں، جن میں سے یہ بات اَب تک یاد رہ گئی ہے، فرما رہے تھے: اَب جب ریل گاڑِی وَغیرہ میں سوار ہوئے تو یہ نہیں کہ صرف ریل گاڑِی چل رہی ہے اور سفر کٹ رہا ہے، بلکہ ساتھ ہی ساتھ ہمارِی زِندگی کا سفر بھی کٹ رہا ہے اور نہ جانے کب یہ سفر تمام ہو جائے۔ چنانچہ سب ساتھیوں کو اس کا اہتمام کرنا چاہیے کہ جتنے ساتھی سفر میں ساتھ ہیں اُن سے دِین کی محنت کی بات کریں۔

کافی دیر، غالباً پون گھنٹے کا بیان میں نے پہلی مرتبہ سنا تھا اور مجھے حیرت سی ہوئی تھی کہ پتہ نہیں لاؤڈ اسپیکر ٹھیک نہیں ہیں یا کیا بات ہے کہ کافی توجہ سے بات سمجھنی پڑتی ہے۔ حضرت حاجی صاحب نے اور کیا کچھ بیان کیا تھا، یہ تو یاد نہیں رہا، لیکن مذکورَہ بالا ملفوظ بس اِس وَجہ سے یاد رہ گیا کہ: ریل کا سفر کٹنا اور زِندگی کا سفر کٹنا کی تعبیر اور اُن کا مناسب و برمحل اِستعمال بہت بھلا معلوم ہوا تھا۔ بہرحال بیان ختم ہونے پر اَپنی مسجد وَالوں کو ڈُھونڈا اُن سے ملے۔ چھوٹی سی عمر میں اِتنا بڑا مجمع دیکھنے کو ملا تھا۔ حیرت تھی کہ ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ وضو کرنے کا اِنتظام ایسا کہ زِندگی بھر نہ دیکھا تھا، کچھ ہی دُورِی پر ایک باغ بھی لگا ہوا تھا، اُنہیں کے کنویں یا ٹیوب ویل سے پانی لے کر وضو کرنے کا عارضی اِنتظام کیا گیا تھا اور پھر عارضی راجباہ بنا کر دُوبارَہ اُسی باغ کی جانب موڑ دِیا گیا تھا۔ باقی چٹیل میدان اور شاید ایک طرف کچھ پہاڑ بھی تھے۔ اِجتماع گاہ کے ایک جانب اِجتماع گاہ سے کافی اُونچائی پر گزرتی ہوئی بائی پاس کی سڑک اور سر پر گہرے نیلے آسمان کی تاحد نگاہ پھیلی ہوئی چھتری اور سڑک پر سے دیکھیں تو اِنسانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، جو اُس وَقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہزاروں چیونٹیاں بیک وَقت رِینگ رہی ہوں۔ اِجتماع کا ایسا حسین نقشہ، ذہن میں ایسا چپکا کہ کبھی نکل نہیں سکا۔ بہرحال اِسی حیرانی ومرعوبیت کی کیفیت میں مسجد کے ایک پرانے بزرگ حاجی خوش

حال خان صاحب جو روزانہ صدیقیہ مسجد جان محمد روڈ کوئٹہ میں جڑا کرتے تھے نے بتایا کہ: یہ حضرت حاجی محمد عبدالوہاب صاحب دَامت برکاتہم تھے، جن کا بیان چل رہا تھا۔

اُس کے بعد مزید جن تبلیغی بزرگوں کا تعارُف اُنہوں نے کرَوایا مجھے اَب اُن میں سے کسی کی کوئی تفصیل یاد نہیں بس یہ بات یاد پڑتی ہے کہ اُن میں سے ایک نام حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحبؒ کا بھی تھا۔ اُس کے سوا، کوئی تفصیلی خاکہ ان شخصیات کا ذہن میں نہ بن سکا۔ باقی رہا تو بس یہ کہ: رَائے ونڈ میں کچھ اللہ وَالے بزرگ اور علماء رہتے ہیں، جو تبلیغ کرتے ہیں اور اُن میں سے ایک مولانا ہیں اور بس۔

کچھ عرصہ کے بعد میرے بڑے بھائی حافظ محمد داؤد مرحوم نے نویں جماعت پاس کرنے کے بعد پہلا چلہ لگایا۔ وَاپس گھر آ کر اُنہوں نے جو کارگزاریاں سفر کی اور چلے کی بتائیں تو پتہ چلا کہ تبلیغی مرکز رَائے ونڈ میں ایک مدرسہ بھی ہے جہاں طالب علم عربی اور فارسی کی کتابیں پڑھتے ہیں اور اُن کتابوں کے پڑھانے وَالوں میں سے ایک مولانا جمشید صاحب بھی ہیں۔ یہ بھی یاد نہیں ہے کہ بھائی جان نے مولانا کے عربی بیان کے بارے میں بتایا ہو کہ وہ عربی زبان میں بیان بھی کرتے ہیں، لیکن اِتنا خاکہ ذہن میں ضرور بن گیا کہ: مولانا عربی زبان پڑھاتے ہیں اور اُنہیں عربی آتی ہے اور بول بھی سکتے ہیں اور میرے اُس وَقت کے محدود سے ذہن میں یہی بیٹھا ہوا تھا کہ عربی اور فارسی بولنے وَالے لوگ پہلے زمانے میں ہی ہوا کرتے تھے اَب نہیں ہیں اور عربی اور فارسی وَغیرہ صرف کتابوں میں لکھی ہوتی ہے۔ چنانچہ اِس تصور کے ساتھ مولانا محمد جمشید علی خان صاحب کا تصوراتی سراپا بھی قدیم زمانے کے علماء کا تصور بن کر ذہن میں بیٹھ گیا۔

گھر میں ''فضائل اَعمال'' کی تعلیم اور مطالعہ کی برکت سے ''علماء کرام'' ''محدثین'' اور ''مفسرین'' جیسے اَلفاظ کانوں میں پڑتے ہی رہتے تھے اور اُن کا دھندلا سا جو نقش ذہن میں آتا تھا، وہ یہ کہ کسی جگہ کچھ اللہ وَالے لوگ بڑے بڑے عربی جبے پہنے ہوئے بیٹھے ہیں، جن کی شکل وصورت ہی سے نور ٹپکتا ہے اور اُن میں سے کچھ محدثین، کچھ مفسرین اور کچھ علمائے اُمت ہیں۔ اِسی سے ملتا جلتا کچھ تصور تبلیغی جماعت

کے بزرگوں کا بھی ذہن میں بیٹھ گیا تھا۔ چنانچہ مولانا جمشید صاحب کے غائبانہ تعارُف کا تصور مولانا کی ایسی بھارِی بھرکم علمی ونورَانی شخصیت کا تصور تھا اور تعلیم کی برکت سے رہ رہ کر دِل میں یہ خیال آتا تھا کہ: پتہ نہیں یہ علمائے اُمت کس جگہ بیٹھے ہوں گے اور عام آدمی پتہ نہیں کس طرح اُن تک پہنچ پاتا ہوگا اور شاید میرے لیے کبھی ممکن ہو کہ میں اِن علمائے اُمت کو دیکھوں۔

بہر حال میں اسکول کی آٹھ جماعتیں مکمل کرنے کے بعد قرآن مجید حفظ کرنے لگا، اور اسی دَورَان اَبا جان کا تبادلہ لاہور ہوگیا، اَب گاہے گاہے شب جمعہ کا بیان سننے کے لیے بلال پارک جانے کا معمول بن گیا اور دو تین مرتبہ اَبا جان کے ساتھ ہی رَائے ونڈ تبلیغی مرکز بھی گیا، لیکن یاد نہیں پڑتا کہ کبھی مولانا کی زِیارَت ہوئی ہو۔ اَلبتہ اُن دِنوں کی یہ بات اَچھی طرح یاد ہے کہ: تبلیغی جماعت میں ماہانہ سہ روزہ لگاتے رہنے کی برکت سے جو دوست اَبو کے حلقہ اَحباب میں آئے اُن میں سے ایک ''ہڈیارہ'' کے رہنے وَالے محترم بھائی جناب دِین محمد میواتی صاحب بھی تھے۔ لاہور کا اِجتماع تھا اور رَائے ونڈ تبلیغی مرکز کے جواَکابر بیان کرنے کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے اُن میں مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمہ اللہ بھی تھے۔ میواتی حضرات چونکہ دَعوت کی اِس محنت میں اُس وَقت لگے تھے، جب ابھی کوئی بھی نہیں لگا تھا اور اس لحاظ سے گویا اُنہیں دعوت کی محنت کا پہلا اِبتدائی پتھر کہا جاسکتا ہے، اِسی لیے یہ میواتی حضرات اَپنی سادگی، بھولے پن اور خصوصاً دَعوت کی محنت میں قدیم ہونے کی وَجہ سے بزرگوں کے کافی قریب تھے۔

قصہ مختصر کہ: دِین محمد میواتی صاحب اَبا جان کو لے کر حضرت مولانا جمشید علی صاحبؒ کے پاس چلے گئے اور خصوصی ملاقات کا وَقت نکال کر عرض کیا کہ: حضرت جی! یہ ہمارے بہت اَچھے ساتھی ہیں، جماعت میں کئی مرتبہ اکٹھے سہ روزہ بھی لگا ہے، آرمی میں میجر ہیں، جو اَفسر ہوتا ہے۔ لیکن اَبھی تک چار مہینے نہیں لگے، آپ دُعا فرمادیں کہ ان کے چار مہینے لگ جائیں، اِس پر مولانا جمشید صاحب کا رُوئے سخن اَبا جان کی طرف ہوگیا۔

مولانا: ہاں بھائی! کیا کرتے ہو؟

اَبا جان نے عرض کیا: جی، فوج میں ملازم ہوں۔

مولانا: تو بھائی چار مہینے کیوں نہیں لگاتے..؟

اَبا جان: جی اِن شاء اللہ لگاؤں گا۔

مولانا: بھائی کب تک لگاؤ گے؟

اَبا جان: جی جلد ہی لگاؤں گا۔

مولانا: بھائی وَقت لگانے کے لیے تیارِی کیا کی؟

اَبا جان: جی اَبھی تو اِرَادَہ ہے، اِن شاء اللہ تیارِی بھی کروں گا۔ محکمے سے چھٹی بھی لینی پڑے گی۔

مولانا: اَچھا بھائی! اِس طرح کرو کہ دو نفل پڑھو اور اللہ سے مانگو اور ساتھ ہی چھٹی کی دَرخواست میں لکھ دو کہ مجھے چار مہینے جماعت میں لگانے ہیں چھٹی دے دو۔ ٹھیک ہے بھئی!..۔

اَبا جان: اِن شاء اللہ، ایسے ہی کروں گا۔

اِس پر دِین محمد صاحب بہت خوش خوش وَاپس آئے کہ اَب تو مولانا صاحب نے میجر صاحب کے لیے دُعا کر دِی ہے، اَب تو وَقت لگانے کے لیے جلد ہی قبول ہو جائیں گے۔ ان سیدھے سادھے اور دِل کے صاف بھولے بھالے لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان بھی اِتنا قوی ہوتا ہے کہ ہم جیسے مادی دُنیا کے اَسیر اور ظاہری پردوں میں اُلجھ کر رہ جانے وَالے اس گمان کی قوت کا اَندازہ ہی نہیں کر سکتے۔ حدیث قدسی میں تو صاف طور سے موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ اِرشاد فرماتے ہیں: ''أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ'' کہ میں اَپنے بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں، جیسا اُس کا میرے ساتھ گمان ہوتا ہے۔ چنانچہ اَگر اِنسان کا گمان اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ ہو کہ: میں اَپنے اللہ سے جو بھی مانگوں گا، اللہ تعالیٰ مجھے دے دیں گے اور اسی گمان کی قوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اُس کی دُعا کو شرفِ قبولیت سے نوازتے ہیں اور اَگر کوئی اِس کیفیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے کہ: پتہ نہیں دُعا قبول ہو گی یا نہیں، تو اس

طرح دُعا مانگنے وَالے کا معاملہ بھی بس لٹکا سا ہی رہتا ہے اور اَگر کوئی یوں کہہ دے کہ: میری تو دُعا قبول ہی نہیں ہوتی، تو اُس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی معاملہ ہوتا ہے کہ اس کی دُعا قبول نہیں کی جاتی اور اِس بات کی صراحت تو خود صحیح اَحادِیث میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں اَپنے بندے کی دُعا اُس وَقت تک قبول کرتا رہتا ہوں جب تک کہ وہ خود ہی یہ نہ کہہ دے کہ: ''میری تو دُعا قبول ہی نہیں ہوتی''۔

بہرحال! اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن کی قوت ایک ایسی چیز ہے جسے مسلمانوں کی خصوصیت نہ کہا جائے تو بھی مسلمانوں کو ملنے وَالی ایک بہت بڑی نعمت ضرور ہے۔

حضرت حاجی محمد عبدالوہاب صاحب دَامت برکاتہم اِس بارے میں فرمایا کرتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ کے ساتھ اَچھا گمان رَکھنا (یعنی حسنِ ظن) اِتنی بڑی قوت ہے کہ اللہ نے خود فرمایا ہے کہ میں اُس کے مطابق معاملہ کرتا ہوں اور ہمیں عموماً اس کی قدر نہیں ہے۔''

بلکہ حضرت تو یہاں تک فرمایا کرتے ہیں کہ:

''آج کل عام مسلمانوں نے ظن کی قوت کو ضائع کر دِیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن اور قوی حسنِ ظن رَکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بہرحال اَبا جان نے جو تہجد، اِشراق اور اَوّابین کے نوافل کے پابند تو تھے ہی، مولانا کی ہدایت کے مطابق نوافل پڑھ کر دُعا کر کے چھٹی کی دَرخواست دے دِی۔ اُمید تو تھی کہ چھٹی مل جائے گی، لیکن چھٹی کی دَرخواست مسترد ہو گئی۔ وَکَانَ أَمْرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا.

نہ چھٹی ملی اور نہ چار مہینے جماعت میں لگ سکے۔ ایک سال گزر گیا۔ اَگلا سال آیا، تو لاہور اِجتماع کے موقع پر وہی محترم بھائی دِین محمد میواتی صاحب اَبا جان کو ساتھ لے کر مولانا جمشید صاحب کے پاس دُوبارَہ حاضر ہو گئے اور کہنے لگے کہ: حضرت! آپ نے اِنہیں کہا تھا کہ چھٹی کی دَرخواست دے دیں اور چھٹی لے کر چار مہینے لگائیں، لیکن اِنہیں چھٹی ہی نہیں ملی۔ حضرت نے سارِی بات سن کر پوچھا:

مولانا: کیوں بھائی! نفل پڑھے تھے؟

اَباجان: جی ہاں، پڑھے تھے۔

مولانا: اللہ میاں سے دُعا مانگی تھی؟

اَباجان: جی مانگی تھی۔

مولانا: دَرخواست دِی تھی؟

اَباجان: جی دَرخواست بھی دِی تھی، لیکن چھٹی نہیں ملی۔

مولانا: دُوبارَہ نفل پڑھ کر دُوبارَہ دَرخواست دِی تھی؟

یہ اَچانک کا سوال اَباجان کے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔ خیال بھی نہ تھا کہ اِس طرح کا سوال بھی ہوسکتا ہے۔ بہرحال عرض کیا کہ: نہیں! دُوبارَہ دَرخواست تو نہیں دِی تھی۔

مولانا: بھائی! اِس طرح کرو کہ روزانہ دو رکعت نفل پڑھو۔ روزانہ اللہ میاں سے دُعا مانگو۔ روزانہ ایک نئی دَرخواست اَپنے اَفسر کو دے دو کہ: مجھے چار مہینے جماعت میں لگانے ہیں، اِس لیے مجھے چھٹی دے دو۔ کروگے بھائی؟

اَباجان: اِن شاءاللہ۔

یہ قصہ حافظے میں یوں ہی محفوظ ہے۔ مولانا کی پوچھ تاچھ، اَبو کے جواب اور مولانا کی یہ عجیب وغریب تجویز بھی، جسے اُن دِنوں سن کر تو ہم ہنسے ہی تھے، لیکن اَب اِحساس ہوتا ہے کہ: مولانا کی اس نصیحت میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنے، مانگنے اور مانگتے رہنے، اور اِس پر اللہ تعالیٰ کے مسائل حل کر دینے کا کس قدر شدید یقین پوشیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائے۔ آمین۔ اَباجان کو اُن دِنوں چھٹی نہ مل سکی اور تب چار مہینے بھی نہ لگ سکے، حتیٰ کہ اَباجان فوج سے رِیٹائر ہوگئے اور رِیٹائر ہوتے ہی پہلا کام اَباجان نے یہ کیا کہ: بستر اُٹھا، چار ماہ کا بندوبست کر، اللہ تعالیٰ کے رَاستے میں نکل گئے اور تب اللہ تعالیٰ نے جماعت میں چار ماہ لگوادِیے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَلَهُ الشُّكْرُ۔

میرا حفظ قرآن پورَا ہوا اور گردَان مکمل کی، تو اللہ تعالیٰ نے تراوِیح میں قرآن

سنانے کی سبیل بھی پیدا فرمادِی اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ سب مراحل بصد عافیت طے ہوگئے۔ آئندہ کا ارادہ یہ بنا کہ: دِینی کتابیں پڑھ کر عالم بنوں۔ اسی لحاظ سے تیارِی کر کے پہلے تبلیغی مرکز رَائے ونڈ پہنچا اور پھر مولانا نذرُالرحمٰن صاحب مدظلہم نے مرکز کی سب سے قریبی شاخ ''مدرسہ عربیہ اَشرفُ العلوم، اٹھیل پور قصور'' میں دَاخلہ دِلوادِیا۔ جب رَائے ونڈ مرکز پہنچا ہوں، تو فجر کے بعد کا بیان چل رہا تھا اور پرانی مسجد لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ میں بھی سامان ایک جگہ رَکھ کر بیان سننے لگا۔ بیان مولانا محمد جمشید علی صاحبؒ کا تھا اور حضورِ اَکرم صلی اللہ علیہ وَسلم کی ہجرت کا وَاقعہ بیان فرمارہے تھے۔ یہ ۱۹۹۶ کی اِبتداء کا قصہ ہے، جسے اس غرض سے تو بالکل نہیں سنا تھا کہ کبھی اسے نقل بھی کرنا ہوگا، لیکن پھر بھی جو کچھ مفہوم حافظے میں باقی رہ سکا ہے، اُس کے چند ٹکڑے یہ ہیں:

''اللہ ہی میاں کھلاتا ہے، اللہ ہی میاں پلاتا ہے، اللہ ہی میاں جلاتا ہے، اللہ ہی میاں مارتا ہے، اللہ ہی میاں بچاتا ہے، اللہ ہی میاں پکڑوَاتا ہے۔ ہجرت کے وَاقعے میں اللہ تعالیٰ نے دِکھادِیا کہ حفاظت وہ خود کرتا ہے۔ مکان کے چاروں طرف لوگ تلواریں لے کر کھڑے ہیں اور رَات کا گھپ اَندھیرا، اَندر حضرت علی رَضی اللہ عنہ اور حضرت رسولِ اَکرم صلی اللہ علیہ وَسلم نہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وَسلم نے حضرت علی رَضی اللہ عنہ کو اَپنے بستر پر لٹادِیا اور خود باہر نکلے۔ بھائی! آدمی تبھی دیکھتا ہے جب اللہ میاں چاہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسلم نے ایک مٹھی مٹی اُٹھائی اور اُن کی طرف پھینک دِی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن میں سے ہر ایک کی آنکھوں میں پہنچادِی اور وہ سارے اَپنی اپنی آنکھیں ملنے لگے۔ اور ان سب کافروں کے دَرمیان میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسلم صاف بچ کر نکل گئے اور کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کو دیکھ نہیں سکا اور اللہ میاں نے اُن میں سے ایک آدمی کو بھی دِکھادِیا کہ آپ اُن کے درمیان میں سے نکل کر جارہے ہیں، وہ باقیوں سے کہنے لگا: بھائی! وہ دیکھو، وہ دیکھو، وہ تو وہ جارہے! وہ پوچھیں: کہاں جارہے، ہمیں تو نظر نہیں آرہے۔ اور وہ خود کہہ رہا: اِنِّی رَأَیْتُ عَیْنَیًّا .(اِس جملے کو مولانا اَپنے مخصوص اَنداز میں کہہ رہے تھے، جس کی لذت اور چاشنی بس سننے وَالے ہی جان سکتے ہیں) کہ میں تو دونوں آنکھوں سے دیکھ رہا۔ بھائی! اَگر تو دیکھ رہا ہے وہ جارہے، تو جا کے پکڑ لے

لیکن یہ بات اللہ نے اس کے دل میں نہیں ڈالی، اس لیے اس نے آپ کو پکڑا بھی نہیں''۔

اُس وَقت کے سنے ہوئے بیان کا کچھ حصہ یہ ہے۔ اس میں اَلفاظ تو ہرگز وہ نہیں ہوں گے جو مولانا نے فرمائے تھے، لیکن اِتنا ضرور ہے کہ مفہوم یہی تھا، قصہ یہی تھا اور اس میں إِنِّي رَأَيْتُ عَيْنِيًّا. کے اَلفاظ یقیناً مولانا کے ہیں کیونکہ یہ اَلفاظ میں نے زِندگی میں اَگر کبھی سنے ہیں تو مولانا ہی سے سنے ہیں، اس کے علاوَہ نہ تو کسی سے سنے ہیں، اور نہ ہی سیرت و رجال اور تارِیخ کی کسی کتاب میں پڑھے ہیں۔ دُوسرے یہ بھی کہ: اللہ ہی میاں، ایسا اَندازِ بیان زِندگی بھر کہیں نہیں سنا۔ اور مولانا اَپنے جس اَنداز میں اللہ ہی میاں، کہا کرتے تھے، بس یوں لگتا تھا کہ ایک محبّ اَپنی محبوب ہستی کا پیار بھرے اَنداز میں نام لے رہا ہے اِسی بیان کی یہ بات بھی یاد ہے کہ مولانا نے فرمایا تھا: یہ تو مشرکین مکہ کی ایک سازِش کو بیان کیا ہے اَگر تین سازشیں بیان کروں تو اُس کے لیے تین گھنٹے چاہییں۔

میں بیٹھا بیان تو سن رہا تھا، مگر یہ پتہ نہیں تھا کہ بیان کون کر رہا ہے۔ بیان کے بعد میں نے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ کون بیان کر رہے تھے؟ تو اُس نے کہا: یہ مولانا محمد جمشید صاحب ہیں۔ مولانا منبر پر بیٹھے تھے اور میں مجمع کے اخیر میں دُور بیٹھا تھا۔ بس دُھندلا سا جو نظر آ سکا، وہی میری مولانا جمشید صاحب کی پہلی زِیارَت تھی۔

تبلیغی مرکز رَائے ونڈ کے اَندر ہی ایک عربی مدرسہ بھی ہے، جس کا نہ تو کہیں بورڈ ہے، نہ کہیں نشان۔ بس اَسباق کے اوقات میں مدرسہ کے طالب علم اَپنی اَپنی تپائیوں پر اَپنی کتابیں رَکھے، سبق کے لیے مقررَہ جگہ پر جاتے دِکھائی دے جاتے ہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ: یہ اللہ کے رَاستے میں جماعت میں نکلے ہوئے مہمان نہیں، بلکہ مدرسہ کے طالب علم ہیں۔ مدرسہ کے شب و روز کا تھوڑَا سا تذکرہ جب آئے گا، تو اس کے نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم پر بھی کچھ کہوں گا، اَبھی تو صرف یہ بتانا ہے کہ ''مدرسہ عربیہ، تبلیغی مرکز رَائے ونڈ'' ایک مرکزی مدرسہ ہے اور اس کی بیسیوں شاخیں ہیں، جو مختلف شہروں میں خدمت دِین میں خاموشی سے مصروفِ عمل ہیں۔

جس سال میں دَاخلہ کی نیت سے رَائے ونڈ تبلیغی مرکز پہنچا، اُس سال مشورے

سے رَائے ونڈ مرکز میں پاکستانی طلباء کا اِبتدائی سال میں دَاخلہ روک دِیا گیا تھا اور جو بھی مرکز میں دَاخلہ کی غرض سے آتا تھا، اُسے کسی شاخ میں دَاخلہ لینے کا مشورَہ دِیا جا رہا تھا اور بیرونی طلباء کی کثرت کی وَجہ سے مرکز میں صرف بیرون ممالک کے طلباء کو دَاخلہ دِیا گیا تھا، گو یہ تجربہ شاید اِتنا کامیاب نہ ہو سکا اور تقریباً دو ہی سال کے بعد پھر مخلوط دَاخلے شروع کر دِیے گئے۔ بہرحال! جب میں پہنچا اُس وَقت بیرونی طلباء کی تعداد بھی اِتنی ہو چکی تھی کہ مرکز میں اُن کے مزید دَاخلے بھی روک دِیے گئے تھے۔ شیخ حضرت مولانا نذرُ الرحمٰن صاحب دَامت برکاتہم سے کچھ ذَرَا سا تعلق خانقاہِ سراجیہ کندیاں، ضلع میانوالی میں پیدا ہو چکا تھا۔ سیدھا اُنہی کے پاس حاضر ہوا اور مرکز میں دَاخلہ دِلوا دینے کی دَرخواست کی۔ اُنہوں نے فرمایا: بھائی! مرکز میں تو دَاخلے بند ہو چکے ہیں، کسی شاخ میں دَاخلہ لے لو۔ مجھے یہ شاخوں وَالے نظام کا تو پتہ نہیں تھا، بس اِتنا یاد تھا کہ: خانقاہِ سراجیہ ہی میں تلمبہ کے ایک طالب علم سے ملاقات ہوئی تھی اور اُنہوں نے بتایا تھا کہ تلمبہ وَالا وہ مدرسہ مولانا طارِق جمیل صاحب کا ہے۔ مجھے تو دَاخلہ چاہیے تھا، مرکز یا شاخ میں سے کسی جگہ پر اِصرار نہ تھا۔ جب مولانا نے کسی شاخ میں جانے کا کہا تو میں اُس کے لیے تیار ہو گیا۔ مولانا نے پھر پوچھا: کہاں جانا چاہتے ہو؟ مجھے اور تو کسی شاخ کا پتہ نہیں تھا، جھٹ کہا: تلمبہ بھیج دیں۔ میرا خیال تھا کہ مولانا مجھے بس ایک سرسری اور اَجنبی کی حیثیت ہی سے جانتے ہیں، لیکن یہ مجھے بعد میں پتہ چلا کہ مولانا کا تعلق ہمارے خاندان کے بعض لوگوں سے اَچھی بھلی شناسائی کا تھا۔ بہرحال! مولانا نے اَندازہ کر لیا کہ یہ کسی خاص جگہ جانے پر مصر نہیں ہے اور تلمبہ جانے میں دُشوارِی ہو گی، چنانچہ بڑی حکمت سے میرا رُخ بدلا، اور پوچھا: پاس رہنا چاہتے ہو، یا دُور جانا چاہتے ہو؟ میں نے فوراً کہا: پاس ہی رَکھ لیں۔ اس پر مولانا نے مجھے ''مدرسہ عربیہ اَشرفُ العلوم'' اٹھیل پور، قصور، میں دَاخلہ دِلوا دِیا۔ وَہاں جا کر ایک بالکل ہی نئی قسم کی زِندگی شروع ہوئی۔

میرا اَب تک کا تبلیغی ساتھیوں سے ملنا اَبا جان کی وساطت سے ہوتا تھا۔ کبھی جماعت وَالے اَبا جان سے ملنے آ گئے اور کبھی اَبا جان ہمیں ساتھ لے کر کسی جماعت

کے پاس چلے گئے ۔ اَپنی عمر اَبھی اِتنی نہیں تھی کہ جماعت میں اَکیلا جانے اور برتنے کا موقع ملا ہو۔ چنانچہ میرا تصور تبلیغی جماعت کے اَفراد کے بارے میں یہ تھا کہ یہ اِنتہائی نرم مزاج کے اور خلیق ہوتے ہیں اور بڑی خصوصیت یہ کہ غلطی دُوسرے کی ہوتی ہے، لیکن یہ اُسے اَپنی غلطی قرار دے کر معذرَت کرتے اور معافی مانگا کرتے ہیں۔ گویا جو لوگ تبلیغی ہوتے ہیں، وہ فرشتہ صفت ہوا کرتے ہیں ۔ جہاں اور بہت سی اُمیدیں اَپنے مستقبل سے لگا لی تھیں، وہیں یہ بھی اُمید تھی کہ میں بھی ایک دِن ایسا ہی فرشتہ صفت قسم کا آدمی بن جاؤں گا۔ اَب جب مدرسہ میں پڑھنا شروع کیا تو آہستہ آہستہ پتہ چلنا شروع ہوا کہ تبلیغی ساتھی بھی اِنسان ہی ہوا کرتے ہیں اور جو جو مزاج کسی اِنسان کے ہوتے ہیں، وہی مزاج تبلیغیوں کے بھی ہوتے ہیں اور میرا وہ تصور جو بچپن کا تھا، وہ ٹوٹنا شروع ہوگیا۔ اُن دِنوں میں جس ماحول میں تھا، وہ وَقتی نرم گفتارِی کے عادِی تبلیغی ساتھیوں سے ہٹ کر ایسا ماحول تھا جہاں تبلیغ کا کام بھی تھی اور عام زِندگی کے شب و روز بھی۔ خدمت کا شعبہ بھی جارِی تھا اور دَرس و تدرِیس بھی۔ گویا ایک تبلیغی ساتھی کو ایک عام اِنسان کی حیثیت سے دیکھنے کا موقع بھی مل رہا تھا۔ (میرے اِس خاص مشاہدے اور تأثرات کا تعلق صرف اُن بڑی عمر کے ساتھیوں سے ہے جو تبلیغ میں خاطر خواہ وَقت لگا کر آئے ہوئے تھے، وَرنہ چھوٹی عمر کے طلبہ مراد نہیں ہیں) اور یہ ایک ایسا خام مجمع تھا، جسے تربیت کی بھٹی میں مسلسل نو دَس سال تک رہ کر تربیت کروَانی باقی تھی، ظاہر ہے کہ تمام ساتھی ایک سی ذہنی رَفتار کے نہیں ہوتے۔ نہ علمی و عملی سطح میں ایک جیسے ہوتے ہیں، نہ اخلاق میں۔ میں خود بھی اِسی نظام کا ایک حصہ تھا اور بہت کچھ سیکھنے کا محتاج۔ مگر جو کچھ پہلے دماغ میں بیٹھا ہوا تھا، اُس کے خلاف دیکھ دیکھ کر آہستہ آہستہ میرا وہ وَقتی خول بھی باقی نہ رہ سکا جسے میں وَقتی نرم گفتارِی کہہ آیا ہوں۔ کچھ ہی عرصہ میں بات بات پر غصہ آنے لگا اور یہ کیفیت اِس قدر بڑھی کہ میں خود اَپنے غصے کی اِس شدت سے پریشان ہو گیا۔ اَپنے اُستاد مولانا محمود حسن صاحب سے عرض کیا کہ غصہ بہت آتا ہے۔ اور اِتنا شدت سے آتا ہے کہ لگتا ہے بس لڑائی ہی ہو جائے گی۔ اُستاد جی نے لَا حَــولَ وَلَا

قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ پڑھنے کو بھی بتایا اور فرمایا کہ: جمعے کو رَائے ونڈ مرکز چلے جانا اور مولانا محمد جمشید علی خان صاحب سے یہ سب عرض کر دینا۔ حسب ہدایت میں جمعرات کو چوبیس گھنٹے کی جماعت میں گیا اور وَاپس آتے ہی رَائے ونڈ مرکز چلا گیا۔

رَائے ونڈ مرکز کے اَساتذہ کی خدمت کے لیے مدرسہ کے مشکاۃ المصابیح پڑھنے وَالے طلباء کی باضابطہ تقررِی ہوئی ہوتی ہے۔ اُس کے علاوَہ بہت سے طلباء ایسے بھی ہوتے ہیں، جو باضابطہ خادِم مقرر نہیں ہوتے، مگر خادِم سے کہہ سن کر چھوٹی موٹی بہت سی خدمتیں کرنے کو اَپنی سعادَت جانتے ہیں۔ بہرحال! اِس ہالہ نجوم سے گزر کر آفتابِ علم تک پہنچنا اُس وَقت اور بھی آسان ہو جاتا ہے جب ان نجوم کو یہ علم ہو جائے کہ ملاقات کا طالب کسی مدرسے کا طالب علم ہے۔ میں بھی مولانا کی خدمت میں پہنچا، خادِم کو بتادِیا کہ: اٹھیل پور شاخ میں پڑھتا ہوں اور مولانا سے مختصر سے وَقت کے لیے ملنا چاہتا ہوں۔ اُنہوں نے مناسب موقع دیکھ کر مولانا کے قریب کر کے بتا دِیا کہ: شاخ کا طالب علم ہے، ملنا چاہتا ہے۔ میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا، مولانا نے جواب دِیا اور فوراً پوچھا: بھئی! کیا پڑھتے ہو؟

میں: فارسی پڑھ رہا ہوں۔

مولانا: کس شاخ میں پڑھتے ہو؟

میں: اٹھیل پور میں پڑھتا ہوں۔

مولانا: مولوی محمود کے پاس..؟

میں: جی ہاں، اُنہی کے پاس پڑھتا ہوں۔

مولانا: کیسے آئے؟

میں: جی، غصہ بہت آتا ہے، اُس کا علاج بتادیں..!!

مولانا: کسے غصہ بہت آتا ہے؟

میں: جی، مجھے آتا ہے۔

مولانا: بھائی! پہلے ہی صاف اور پورِی بات کرنی چاہیے۔ کس پر غصہ آتا ہے؟

میں: اَپنے ساتھیوں کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہی غصہ آ جاتا ہے۔ بعض دَفعہ زِیادَہ غصے کی وَجہ سے سر میں دَرد بھی ہو جاتا ہے۔

مولانا: اَچھا بھائی! اِس طرح کرو کہ بہشتی زیور کے ساتویں حصے میں حضرت مولانا اَشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے غصے کا بیان اور اُس کا علاج لکھ رَکھا ہے۔ اُسے پڑھ کر، سمجھ کر، عمل کرو۔ اُس کے علاوَہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" کی کثرت کیا کرو۔

یہ کہہ کر مولانا نے السلام علیکم کہتے ہوئے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دِیا۔ میں نے بھی مصافحہ کیا اور سلام کرتے ہوئے اُٹھ آیا۔ دِیدہ وَر نجانے کیا کچھ دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں، مجھ سے بے بصر کو بھی یوں ہی لگا کہ مولانا میں کوئی بات ضرور ہے کہ مولانا کے پاس بیٹھتے اور پھر بات کرتے کرتے ہی یوں محسوس ہونے لگا کہ کافی حد تک یہ بیمارِی نکل چکی ہے شاید اسے ہی رُوحانیت کہتے ہیں اور صحبت شیخ سے یوں ہی باطنی اِصلاح ہو جایا کرتی ہے۔ وَاپس مدرسے پہنچا تو بہشتی زیور نکال کر، ساتویں حصے کا مطالعہ کیا۔ رہی سہی کسر اُس مطالعہ اور اُس کی پابندی کرنے سے پورِی ہو گئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِکَ۔ بہشتی زیور کا مطلوبہ مقام یہ ہے، جس کے مطالعے کی تاکید مولانا رحمہ اللہ نے کی تھی:

غصے کی برائی، اور اس کا علاج

"غصے میں عقل ٹھکانے نہیں رہتی اور اَنجام سوچنے کا ہوش نہیں رہتا، اِس لیے زبان سے بھی جا بے جا نکل جاتا ہے اور ہاتھ سے بھی زِیادتی ہو جاتی ہے، اِس لیے اس کو بہت روکنا چاہیے۔

اور اس کو روکنے کا طریقہ یہ ہے کہ: سب سے پہلے یہ کرے کہ جس پر غصہ آیا ہے، اُس کو اَپنے رُوبرو سے فوراً ہٹا دے۔ اَگر وہ نہ ہٹے تو خود اُس جگہ سے ٹل جائے، پھر سوچے کہ: جس قدر یہ شخص میرا قصور وَار ہے، اُس سے زیادہ میں خدائے تعالیٰ کی قصور وَار ہوں اور جیسا میں چاہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری خطا معاف کر دیں، ایسے ہی مجھ کو بھی چاہیے کہ میں اُس کا قصور معاف کر دوں۔ اور زبان سے: أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ

الرَّجِيْمِ کئی بار پڑھے اور پانی پی لے یا وضو کر لے۔ اس سے غصہ جاتا رہے گا۔

پھر جب عقل ٹھکانے ہو جائے، اُس وَقت بھی اَگر اس قصور پر سزا دینی مناسب معلوم ہو، مثلاً سزا دینے میں اسی قصور وَار کی بھلائی ہے، جیسے اَپنی اولاد ہے کہ اُس کو سدھارنا ضرورِی ہے اور یا سزا دینے میں اسی قصور وَار کی ضرورَت ہے، جیسے اس شخص نے کسی پر ظلم کیا تھا، اَب مظلوم کی مدد کرنا اور اُس کے وَاسطے بدلہ لینا ضرورِی ہے، اس لیے سزا کی ضرورَت ہے۔ تو اَوّل خوب سمجھ لے کہ اِتنی خطا کی کتنی سزا ہونی چاہیے۔ جب اَچھی طرح شرع کے موافق اِس بات میں تسلی ہو جاوے، تو اُسی قدر سزا دے دے۔ چند روز اِس طرح غصہ روکنے سے پھر خود بخود قابو میں آ جاوے گا، تیزی نہ رہے گی اور کینہ بھی اِسی غصے سے پیدا ہوتا ہے جب غصہ کی اِصلاح ہو جائے گی، کینہ بھی دِل سے نکل جائے گا۔ اِنتہیٰ کلامہ۔"

غصے کی برائی اور اُس کے علاج کے بارے میں تو اِتنی ہی تحریر لکھی ہے، لیکن اس سے کچھ ہی بعد، چند قیمتی نصائح بھی مذکور ہیں، جن کو ساتھ ملا کر پڑھنے سے فائدہ تام ہوتا ہے۔ وہ نصائح دَرج ذیل ہیں:

ضرورِی بتلانے کے قابل بات

"ان بُری باتوں کے جو علاج بتلائے گئے ہیں، ان کو دو چار بار برت لینے سے کام نہیں چلتا اور یہ برائیاں دُور نہیں ہوتیں۔ مثلاً غصے کو دو چار بار روک لیا تو اُس سے اس بیمارِی کی جڑ نہیں گئی، یا ایک آدھ بار غصہ نہ آیا، تو اس دھوکا میں نہ آئے کہ میرا نفس سنور گیا ہے، بلکہ بہت دِنوں تک ان علاجوں کو برتتے اور جب غفلت ہو جائے اَفسوس اور رَنج کرے اور آگے کو خیال رَکھے۔ مُدتوں کے بعد اِن شاء اللہ تعالیٰ اِن برائیوں کی جڑ جاتی رہے گی۔"

ایک اور ضرورِی کام کی بات

نفس کے اَندر جتنی بُرائیاں ہیں اور ہاتھ پاؤں سے جتنے گناہ ہوتے ہیں، اُن کے علاج کا ایک آسان طریقہ یہ بھی ہے کہ جب نفس سے کوئی شرارَت اور برائی یا گناہ کا کام ہو جائے، اُس کو کچھ سزا دِیا کرے اور دو سزائیں آسان ہیں کہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ ایک تو

یہ ہے کہ اَپنے ذِمّہ کچھ آنے، دوآنے، رُوپیہ یا دو رُوپے جیسی حیثیت ہو، جُرمانے کے طور پر ٹھہرالے۔ جب کبھی کوئی بُری بات ہوجایا کرے، وہ جرمانہ غریبوں کو بانٹ دِیا کرے۔ اَگر پھر ہو، پھر اِسی طرح کرے۔

دُوسری سزا یہ ہے کہ ایک دووَقت کھانا نہ کھایا کرے اللہ سے اُمید ہے کہ اگر کوئی اِن سزاؤں کو نباہ کر برتے، اِن شاء اللہ تعالیٰ سب بُرائیاں چھوٹ جائیں گی۔ اِنتہیٰ بلفظہٖ۔''

اس کے بعد پانچ سال تک شاخ میں پڑھتا رہا اور ان مجالس سے اِستفادے کا موقعہ ملتا رہا۔ بارہا مولانا کے بیانات سنے، مرکز میں چلتے پھرتے، تعلیم کرواتے دیکھنے کا موقع ملتا رہا۔ کئی مرتبہ بیانات کو اِشارات کی صورت میں ضبط بھی کیا، اگر کوئی پرانی ڈائری دستیاب ہوگئی، تو اِس مضمون کے آخر میں اُسے بھی نقل کر دِیا جائے گا اِن شاء اللہ۔

آج سوچتا ہوں تو یوں لگتا ہے کہ یہ پانچ سال یوں گزرے جیسے چند ایک پل۔

رَائے ونڈ شہر سے نکلتے ہی سندر روڈ پر کافی وَسیع قطعہ اراضی مرکز کے نام ہے۔ رَائے ونڈ اِجتماع کے موقعہ پر اسی قطعہ اراضی کو اِجتماع کے لیے تیار کرلیا جاتا ہے، جسے عموماً پنڈال کہہ دِیا جاتا ہے۔ اِجتماع اور جوڑ کے دِنوں کے علاوہ یہاں کھیت ہوتے ہیں اور موسم کے لحاظ سے فصلیں کاشت کی جاتی ہیں۔ اَچھی طرح یاد ہے کہ کئی مرتبہ چاول کی کاشت کے موقعہ پر ہمارے مدرسے کے طالب علم جھونا لگانے آئے تھے، ایسے ہی چاول کی کٹائی اور گندم کی کٹائی کے لیے بھی ہم آیا کرتے تھے اور دِن بھر خدمت میں مشغول رہنے کے بعد رَات کو مرکز میں آکر ٹھہرا کرتے تھے اور رَائے ونڈ کے اَساتذہ میں سے کوئی اُستاد مختصر سی ترغیبی بات بھی کرتے تھے۔ غالباً ایک آدھ مرتبہ حضرت مولانا جمشید صاحبؒ نے بھی مختصر سی بات کی تھی کہ بھائی: سارَا دِن خدمت کی، اللہ کی خاطر تھکے۔ اَب رات کو اللہ کے سامنے رو کر، اسے اللہ تعالیٰ سے قبول بھی کرواؤ۔ یہ تھا مولانا کا اِخلاص اور اِستحضار کہ اَپنے اَعمال کی طرف نظر نہ ہو، بلکہ ہر دَم اللہ کی طرف توجہ ہو۔

مدرسہ عربیہ، تبلیغی مرکز رَائے ونڈ کا تعلیمی نصاب، پاکستان میں وفاق المدارِس العربیہ کے تحت چلنے وَالے مدارِس کے نصاب سے کچھ مختلف ہے۔ رَائے ونڈ مرکز کا

عربی مدرسہ اَپنے نصابِ تعلیم میں مدرسہ عربیہ کاشف العلوم (عالمی تبلیغی مرکز بنگلہ وَالی مسجد بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ، نئی دہلی، انڈیا) سے منسلک ہے۔ اگرچہ دونوں نصاب بنیادِی طور پر دَرسِ نظامی ہی کی بنیاد پر تعمیر کیے گئے ہیں، لیکن یہ دَرسی نصاب اَپنی ساخت میں اِتنی لچک ضرور رَکھتا ہے کہ ضروریاتِ زمانہ کے مطابق پوری بیدار مغزی کے ساتھ چند فنون و کتب کے کیے گئے اِلحاق و اِدخال کو جگہ دے سکے۔ وفاق المدارِس العربیہ پاکستان اور مدرسہ کاشف العلوم نظام الدین دہلی، دونوں کا تیار کردَہ نصاب معتبر و مستند اور بیدار مغز علماء کی ذہنی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ دونوں کا تقابل کرنا تو ایک بے جا قسم کی جرأت ہے، یہاں صرف اِتنا عرض کرنا ہے کہ دونوں قسم کے تعلیمی نصاب، نتائج اور ثمرات میں ہم پلہ ہیں۔ یہ دُشوارِی کبھی دیکھنے سننے میں نہیں آئی کہ ایک نصاب کا پڑھا ہوا، اگر کبھی دَورَانِ تعلیم دُوسرے نصاب کے حامل اِدَارے میں گیا ہو، تو کسی فن اور کسی علم میں دُوسرے نصاب سے اَخذ و اِستفادہ اُسے مشکل معلوم ہوا ہو۔ ماحول کی تبدیلی کے چند دِن کے اَثرات کے بعد دونوں نصاب برابر ہو جاتے ہیں۔

یوں کہنا بھی شاید مناسب نہیں ہے کہ: دونوں قسم کے نصاب کے حامل اِدَاروں کا تجربہ نہایت کامیاب رہا ہے کہ یہ نصاب نہ تو تجربہ کرنے کے لیے وجود میں آئے تھے، اور نہ اُن کا تجربہ کیا ہی گیا ہے۔ بلکہ دَرسِ نظامی کے پرانے چلے آتے نصاب کو وَقتی ضرورِی تبدیلیوں کے ساتھ پڑھایا جا رہا ہے اور جو بنیادِی اِستعداد پیدا کرنا مقصود ہے کہ کتب علوم وفنون کے قفل کی چابی طالب علم کے ہاتھ آجائے اور وہ اَپنی اِستعداد کے بل بوتے پر مطلوبہ علوم وفنون کی کتب سے اِستفادَہ کر سکے، وہ اِستعداد حاصل ہو رہی ہے۔ لہٰذا یہ کہنا بہتر ہے کہ: دونوں نصاب اَپنی بنیادوں پر قائم ہیں اور اَپنا صحیح نتیجہ دیتے ہوئے طلبہ میں پختہ اور کامل اِستعداد پیدا کر رہے ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

یہ نکتہ کسی قدر طویل ہوگیا، لیکن شاید یہ بیان کرنے کا موقع اِس لیے بھی تھا کہ آج کل چند ایک جگہ دونوں قسم کے نصابِ تعلیم پر بے جا قسم کا تبصرہ سننے میں آنے لگا ہے۔ کوئی وفاق کے نصاب پر تنقید کرتا ہے اور کوئی نظام الدین کے نصابِ تعلیم پر۔ اَندازہ یہ

ہے کہ نا رَوا قسم کے مبصر یہ تک نہیں جانتے کہ دونوں قسم کے نصاب کی جوہری ساخت بالکل ایک ہے۔ چند ایک کتب کی کمی یا زیادتی، یا اَگلے یا پچھلے سال میں پڑھایا جانا نہ تو اِستعداد کو کم کرتا ہے اور نہ ہی ممارست علوم کو۔ بلکہ اَساسی لحاظ سے اُنہیں مختلف نصابِ تعلیم کہنا بھی نا دُرست ہے، کیونکہ بنیاد کے لحاظ سے دونوں ہی ''دَرسِ نظامی'' ہیں۔

رَائے ونڈ مرکز اور اُس کے تابع مدارِسِ عربیہ میں عموماً نو سالہ نصاب جارِی ہے، پہلا سال فارسی کا ہے اور اُس کے بعد عربی شروع ہو جاتی ہے اور سالوں کی تعیین کسی کتاب کے نام سے کی جاتی ہے۔ یہ اس ماحول کی اَپنی اِصطلاح ہے، جو پاکستان کی حد تک، کسی اور جگہ دیکھنے میں نہیں آئی۔ پہلے سال کو فارسی، دُوسرے کو میزان، تیسرے کو ہدایۃ النحو، چوتھے کو کافیہ، پانچویں کو شرح ملا جامی، چھٹے سال کو شرح وقایہ، ساتویں سال کو ہدایہ، آٹھویں سال کو مشکاۃ المصابیح اور نویں سال کو دورَۂ حدیث کہا جاتا ہے۔ چند دِن قبل جنوبی افریقہ کی ایک جماعت کی تشکیل بہاوَل پور میں ہوئی، جس میں دَارُالعلوم زکریا جوہانسبرگ کے چھ (۶) فاضل علماء تھے۔ باتوں باتوں میں اُنہوں نے یہ بتایا کہ ہمارے ہاں بھی اَکثر تو اُولیٰ، ثانیہ، ثالثہ وَغیرہ ہی کہا جاتا ہے، لیکن اُس کے ساتھ کتابوں کے نام سے بھی سالوں کی تعیین کر دِی جاتی ہے۔

میں جب رَائے ونڈ مرکز میں پڑھا کرتا تھا، اَکثر بیمار ہی رہتا تھا اور رَائے ونڈ مرکز میں طلباء کی عصر بعد کی باقاعدہ ایک ترتیب تھی۔ ایک دِن کھیل، دُوسرے دِن مرکز کی صفائی: بیت الخلاء اور غسل خانوں کی صفائی۔ بعد میں یہ بھی ہوا کہ جماعت وَار گشت کی ترتیب، ہفتوں کے لحاظ سے بن گئی تھی۔ بہرحال، مجھے وَہاں کا پانی موافق نہ تھا اور اَکثر بیمارِی چلتی ہی رہتی تھی، اِس لیے مذکورَہ بالا ترتیب کو پورَا کرنا بہت مشکل ہوتا تھا۔ مرکز کی صفائی کا کام تو جیسے تیسے ہو ہی جاتا تھا، کچھ ساتھی اور جوڑِی دَار مدد کر دِیا کرتے تھے، لیکن کھیل تو ظاہر ہے کہ خود ہی کھیلنا ہوتا ہے، جو میرے لیے تقریباً ناممکن حد تک مشکل ہو جاتا تھا۔ اس سے گلوخلاصی کی کوئی صورَت نظر نہ آتی تھی، اللہ سے مانگتا رہا، اور اس کی یہ صورَت بن گئی کہ: میں دو سال تک دَارِ سادِس میں رہا۔ اُس دَار کی ذِمّہ

دارِی مولانا حبیب الرحمٰن دامت برکاتہم کی تھی اور وہ طبعاً بہت ہی نرم مزاج کے ہیں، میری لکھائی چونکہ بہتر تھی، اِس لیے میں اُن سے کہہ کر لکھنے لکھانے کا کوئی اِجتماعی کام اَپنے ذِمّہ لے لیتا تھا اور عصر بعد کی کھیلنے کی پر مشقت تکلیف سے بچ جایا کرتا تھا۔ یہ موقعہ اِس تفصیل کے بیان کرنے کا نہیں تھا، لیکن بے ترتیب باتیں یاد کرتے کرتے اس موقعہ پر مجھے یاد آ گیا کہ اَپنے اِسی لکھنے لکھانے کے کام میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے ایک دَفعہ مجھے ایک پرانا سا گتہ لا کر دِیا کہ صاف ستھرا کاغذ لے کر اِس پر نیا نقشہ بنا کر، اسے صاف کر کے لکھ دو اور میں نے وہ کام کر کے مفتی صاحب کو دے دِیا تھا۔ وہ گتہ کیا تھا؟ مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ تبلیغی مرکز کا مجوزہ تعلیمی نصاب تھا، جو اَپنے وقت کے اساطین علم نے بہت سنجیدگی سے مشورے کے ساتھ طے کیا تھا۔ جب وہ نیا کاغذ تیار ہو گیا، تو ظاہر ہے کہ پرانے کاغذ کی حیثیت تو کوئی نہیں رہ گئی تھی، اُسے بس ضائع ہی کرنا تھا، لیکن میں نے اَپنی طبعی اُفتاد کے تحت اُسے اَپنے کاغذات میں محفوظ کر لیا۔ اِس لحاظ سے مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ مرکز کا نصابِ تعلیم نو سال کا ہے اور کتابوں کی ترتیب دَرج ذیل ہے:

سالِ اَوّل: تسہیل المبتدی۔ فارسی کی پہلی کتاب۔ گلزارِ دبستان۔ کریما۔ نام حق۔ مالا بدمنہ۔ پند نامہ۔ آٹھواں باب گلستان۔ مفتاح الصلاۃ۔

سالِ دوئم: گلستان۔ بوستان۔ میزان و منشعب۔ صرف میر۔ نحو میر۔ شَرح مأۃ عامل۔ پنج گنج۔ تیسیر المنطق۔

سالِ سوئم: رَوضَۃُ الأدَب. هِدایة النَّحْو. نورُ الإیضَاح. علم الصیغہ۔ مجموعہ منطق۔ ایساغوجی۔ مُنیَۃُ المُصَلِّیْ۔ فصولِ اَکبری۔

نوٹ: حضرت جی مولانا محمد اِنعام الحسن صاحب کاندھلوی مدظلہ اور مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی مرحوم اور بعض ممتحنین کی اِجازت اور اِرشاد کے بعد مشورَہ میں طے ہو گیا کہ ترجمہ قرآن پاک مکمل ہو جائے۔ کنز کے سال منزل آخر۔ دُوسرے سال دَس پارے اور تیسرے سال اخیر تک ہو جائے۔ مولانا ظاہر شاہ صاحب، مولانا محمد جمشید علی خان صاحب اور دِیگر اَساتذہ کی یہی رَائے ہے۔ صفر ۱۳۹۹ھ ہجری۔

سالِ چہارم: کافیہ۔ مختصر القدوری. نفحة العرب. أصول الشاشي ۔مرقات ۔شرح جامی، (بحث فعل)۔ الأدب المفرد ۔تصوُّرات شرح تہذیب۔

سالِ پنجم: نور الأنوار ۔شرح جامی۔ تصدیقات شرح تہذیب۔ تصدیقات قطبی مقاماتِ حریری۔ کنز الدقائق ۔ رِیاض الصالحین۔ ترجمہ قرآنِ پاک (آخری منزل)۔ سیرتِ خاتم الانبیاء علیہ السلام۔

نوٹ: نورُ الایضاح کافیہ کے بعد شروع کرائی جائے۔ (اَز مفتی جمیل اَحمد صاحب)۔ مفید الطالبین یا تو شرح مأۃ کے بعد شروع کی جائے، یا ترکیب کے ساتھ شروع کی جائے۔ (اَز مفتی جمیل اَحمد صاحب)۔

سالِ ششم: شرح وقایہ۔ مختصر المعانی۔ تصورات قطبی میر قطبی، سلم العلوم۔ متنبّی۔ حسامی۔ ترجمہ قرآنِ پاک۔ (قرآن مجید کے اَوّل دس پارے)۔ أصح السِّیر۔

سالِ ہفتم: جلالین شریف۔ ہدایہ اَوّلین۔ دِیوانِ حماسہ۔ شرح عقائد۔ سراجی۔ حیاۃُ الصحابہؓ، (اِضافہ صفر ۹۹ھ)۔ تعلیم المتعلم۔ ترجمہ قرآن (اَز پارہ نمبر ۱۰، تا اَخیر منزل)۔

سالِ ہشتم: ہدایہ اخیرین۔ بیضاوِی شریف۔ طحاوِی شریف۔ مشکاۃ شریف۔

سالِ نہم: بخارِی شریف۔ مسلم شریف۔ ترمذی شریف۔ اَبو داوٗد شریف۔ نسائی شریف۔ اِبنِ ماجہ شریف۔

نوٹ: حضرت جی مولانا محمد اِنعام الحسن صاحب کاندھلوی مدظلہ العالی اور مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوِی کی تجویز اور مشورے سے اور اَپنے حضراتِ مدرّسین کبار کی تصدیق سے ''سیرتِ خاتم الانبیاء'' کا کنز وَالے سال میں اور ''أصح السِّیر'' کا مختصر المعانی وَالے سال میں ہونا طے ہوا ہے اور ''حیاۃُ الصحابہؓ'' کا سبق بدستور رہوگا۔

مذکورہ بالا نقشے سے دَرج ذیل چند اُمور بالکل ظاہر ہیں:

۱: یہ نقشہ دَرسِ نظامی کے نصاب پر مشتمل ہے۔

۲: اور یہ نصاب مدرسہ کاشف العلوم، بستی حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ میں رَائج ہے۔ (اور اِسی سلسلے سے منسلک ہونے کی وَجہ سے یہ نصاب مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رَائے ونڈ میں بھی رَائج ہے)۔

۳: اِس نصاب میں تقریباً ایک سال مکمل فارسی کی تعلیم کے لیے ہے۔

۴: دَرسِ نظامی کے نصاب پر گاہے گاہے نظر ثانی کے لیے مدرسہ کاشف العلوم دہلی اور مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ کے اَکابر مدرّسین کا اِجلاس ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ سالِ سوم کے نوٹ میں جو یہ بات دَرج ہے کہ: (حضرت جی مدظلہٗ اور مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوِی مرحوم اور بعض ممتحنین کی اِجازت اور اِرشاد کے بعد اَساتذہ کی یہی رَائے ہے۔ صفر ۱۳۹۹ھ)۔ اِس سے صاف ظاہر ہے کہ صفر المظفر ۱۳۹۹ھ میں تعلیمی نصاب کے بارے میں ان اَکابرین کا اِجلاس ہوا تھا اور اُس اِجلاس میں تو یقیناً حضرت مولانا عبید اللہ بلیاوِی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ زِندہ تھے، لیکن مذکورہ بالا عبارَت میں اُنہیں مرحوم لکھا گیا ہے، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ: مذکورہ بالا اِجلاس کے بعد کسی دُوسرے اِجلاس میں دُوبارہ تعلیمی نصاب زیرِ غور آیا تھا، جس میں پچھلی کارگزارِی کو نقل کر دِیا گیا، لیکن حضرت مولانا عبید اللہ بلیاوِی رحمہ اللہ کی وَفات ہو چکنے کی وَجہ سے اُنہیں مرحوم لکھا گیا۔

۵: یہ بھی قابل لحاظ اَمر ہے کہ: اِس قسم کے منعقدہ اِجلاسوں میں ہندوستان کے اَکابرین کے ساتھ ساتھ، پاکستان کے اَکابرین بھی شریک ہوتے تھے، چنانچہ مولانا ظاہر شاہ صاحب اور مولانا جمشید علی صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ کے اَسماء صراحتاً مذکور ہیں۔

۶: سالِ پنجم کے بعد جو نوٹ مذکور ہے اُس سے یہ بھی وَاضح ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ پہلے تک اِس قسم کے سنجیدہ اور علمی اِجلاسوں میں علمی رَاہنمائی کے لیے ایسے دِیگر علماء و مفتیانِ عظام کو بھی مدعو کیا جاتا تھا جو رَائے ونڈ مرکز سے تدرِیس کا تعلق نہ رَکھتے تھے، لیکن اُن کا علمی پایہ مسلّم تھا۔ چنانچہ مذکورہ بالا نوٹ میں دونوں تجاوِیز حضرت مولانا مفتی جمیل اَحمد تھانوی رحمہ اللہ کی ہیں، جو ایک عرصہ تک جامعہ اَشرفیہ لاہور میں بہ حیثیت رَئیس دَارُ الافتاء متعین رہے اور آخر میں دَارُ العلوم الاسلامیہ میں منتقل ہو گئے تھے۔

یہ چند تجزیاتی سطور مذکورہ بالا پرچہ کے بارے میں زیرِ قلم آ گئیں۔ ۱۴۱۶ھ میں، جب میں نے پڑھنا شروع کیا تھا، تو اُس وَقت ہمیں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی تعلیم الاسلام، حضرت مولانا اَشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی بہشتی زیور، حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ کی تاریخِ اِسلام اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی اوزانِ شرعیہ بھی دَرساً دَرساً پڑھائی گئی تھیں، جن کا ذِکر، مذکورہ تحریر میں موجود نہیں ہے۔ اِس سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ تعلیمی نصاب کے بارے میں غور وفکر کے لیے اِجلاسوں کا یہ سلسلہ تا ہنوز بند نہیں ہوا اور حسبِ ضرورَت تبدیلی وترمیم کر لی جاتی ہے۔ یہ بات یقیناً بیدار مغزی اور حالاتِ حاضرہ کو ساتھ لے کر چلنے کی علامت ہے۔

بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ کہہ یہ رہا تھا کہ جن دِنوں میں پڑھ رہا تھا، تب کی ترتیب یہ تھی کہ بعض شاخوں کے طلباء پانچ سال کی تعلیم شاخ میں مکمل کرنے کے بعد، رَائے ونڈ مرکز کے مدرسہ میں آ جایا کرتے تھے۔ جس سال ہم اَپنی شاخ (مدرسہ عربیہ اَشرفُ العلوم، اٹھیل پور قصور) سے رَائے ونڈ مرکز آئے ہیں، اُس سال تلمبہ، عارف وَالہ اور تلہ گنگ کی شاخوں سے بھی طلبہ مرکز آئے تھے اور بس۔ کراچی کی شاخ وَالے تو بہت بعد میں آئے تھے، زکریا مسجد رَاوَلپنڈی کی شاخ کے طلبہ بھی ایک سال کے بعد آئے تھے۔ شرح جامی وَالے سال کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہماری تشکیل مرکز ہوگئی، اور ہم مرکز آ گئے۔

مرکز کے بارے میں یہ تصور تو پہلے ہی سے تھا کہ وہ اَکابرین اور بزرگوں کی جگہ ہے، اَب جو وَہاں جا کر پڑھنا تھا، اُس کے دو پہلو تھے۔ ایک تو خوشی کا کہ ایسے اَکابرین کا سایہ نصیب ہوگا، جو یقیناً اِس شعر کے حقیقی مصداق ہیں:

درکفے جامِ شریعت، درکفے سندانِ عشق ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن

اور دُوسرا پہلو یہ کہ کہاں ہم اور کہاں یہ اکابرین کہ ان کی ایک ایک مرتبہ کی زِیارَت بھی حاصل زیست کہی جاسکتی ہے۔ بہرحال اَپنی نااہلی کا اِدرَاک تو تھا ہی لیکن یہ بھی یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلیت نہیں، قبولیت چاہیے اور جسے اللہ تعالیٰ قبول کر

لیں، اُسے نااہلی کا رونا نہیں رونا چاہیے، اَپنی سی کوشش کر کے عمل میں لگنا چاہیے۔ اِسی قسم کی دُہری کیفیت کے ساتھ رَائے ونڈ مرکز میں دَاخلہ ہوا۔

رَائے ونڈ مرکز کی شاخوں کے طلباء کا رَائے ونڈ مرکز میں دَاخلہ بھی زِندگی کے یادگار لمحات میں ہوتا ہے۔ ہر طالب علم کو اَپنے وَالد صاحب کو ساتھ لانا ضرورِی ہوا کرتا ہے اور اَگر وَالد صاحب نہ ہوں، تو کسی دُوسرے سرپرست کو لانا ضرورِی ہوتا ہے۔ بہر حال وہ وَقت خوب یادگار ہے کہ رَائے ونڈ مرکز کے اَساتذہ کرام کے ہاں پیش ہوئے۔ مولانا محمد اَحمد بٹلہ صاحب نے کوائف وغیرہ کی جانچ کی۔ مولانا عبید اللہ خورشید صاحب بھی ساتھ تھے۔ اُس کے بعد اَگلے دِن دَارِخامس میں سبھی دَاخلہ لینے وَالے جمع ہوئے۔ مولانا محمد اَحمد بٹلہ صاحب، مولانا عبید اللہ خورشید صاحب، مولانا عبد الرحمٰن صاحب، مولانا نذرُ الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم اور آخر میں مولانا جمشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ پابندیاں سنائی گئیں اور آخر میں مولانا جمشید صاحب کا نصائح بھرا بیان ہوا۔ میرے پاس ایک کاغذ تھا، جس کو کوئی ضرورِی بات نوٹ کرنے کے لیے چھوٹی تہہ کے سائز میں لپیٹ کر جیب میں رَکھا ہوا تھا۔ میرے سرپرست کی حیثیت سے میرے والد صاحب تشریف لائے ہوئے تھے۔ جب پابندیاں سنائی جانے لگیں، تو والد صاحب نے وہ کاغذ مجھ سے لے کر اُس پر تمام پابندیاں ساتھ کے ساتھ نقل کر ڈالیں، اور اُس کے بعد مولانا کے بیان کے نوٹ بھی لیے۔ بعد میں میں نے بارِیک لکھائی میں لکھی گئی ان پابندیوں کو اَپنے رجسٹر میں صاف کر کے لکھ لیا تھا۔ تبلیغی مدرسہ اور تبلیغی مرکز میں عموماً ایسی چیزوں کا رِیکارڈ نہیں رَکھا جاتا۔ سب کچھ ضرورَت کے تحت نوٹ کیا جاتا ہے اور بس اور اَگر کبھی ایسی چیزوں کی ضرورَت پڑ جائے تو کافی مشکل ہوتی ہے۔

اَگرچہ یہ مضمون مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی حیات پر ہے، لیکن جی چاہتا ہے کہ رَائے ونڈ کے زمانے کی جو جو باتیں یاد آتی اور ملتی جارہی ہیں، وہ دَرج کرتا جاؤں، کیونکہ اِس قسم کی چیزوں کا رِیکارڈ عموماً نہ کوئی رَکھتا ہے اور نہ ہی کہیں ملتا ہے۔ اور اَگر یہ مضمون نہ لکھنا ہوتا، تو شاید میری توجہ بھی کاغذات اور فائلیں کھنگالنے

اوران چیزوں کو اکٹھا کرنے کی طرف نہ جاتی اور نہ ہی اِس تحریر کی نوبت آتی ۔ بہر حال ! اِن پابندیوں کو مولانا محمد جمشید علی خان صاحبؒ کے سوانح کے ساتھ بس یہ ادنیٰ سی ملابست ہے کہ: وہ مولانا جمشید صاحب رحمہ اللہ کی موجودگی میں ہمیں سنائی گئی تھیں ۔

مدرسہ عربیہ، تبلیغی مرکز رَائے ونڈ کی پابندیاں

۱۔شرعی اوراخلاقی اُمور کی پابندی لازمی ہے ۔

۲۔اَپنی بارِی پر کھانا پکانے کی وَجہ سے تکرار میں ناغہ کرنے کی اِجازت نہ ہوگی ۔

۳۔اَپنی بارِی پر مہمانوں کو کھانا کھلانا ہوگا اور مہمانوں سے کھانا بچے گا تو ملے گا ۔

۴۔مدرسہ ومکتب کے تمام اَساتذہ اور ہر بڑے کا اِحترام کیا جائے اور چھوٹوں پر شفقت کا سلوک کیا جائے ۔

۵۔مکتب کے طلباء اور مسجد کے مہمان غرضیکہ اَساتذہ اوراَپنے ساتھیوں کے علاوَہ کسی شخص سے میل جول نہ کیا جائے ۔

۶۔مدرسہ کے اوقات میں اَپنی جگہ سے اُٹھ کر باہر جانے کی اِجازت اُستاد سے لی جائے ۔

۷۔کسی ضرورِی کام سے مدرسہ کی چار دِیوارِی سے باہر جانا ہوتو مقررَہ اُستاد سے اِجازت لی جائے ۔

۸۔بیٹھنے کی جگہ مقرر ہے، پڑھائی کے وَقت اُسی جگہ بیٹھا جائے ۔

۹۔کمرہ (دَار) میں جو جگہ ملے اُس کے علاوَہ کہیں اور اَپنا سامان نہ رَکھے اور اسی جگہ سوئے ۔

۱۰۔جس کمرے میں جگہ ملے اس کے علاوَہ دُوسرے کمرے میں صرف تکرار یا سبق پڑھنے کے لیے جائے ۔

۱۱۔پڑھائی کے اوقات میں سہارے یا ٹیک سے نہ بیٹھے اور نہ چوکڑی مار کر بیٹھے ۔

۱۲۔مسجد کے مندرجہ ذیل اَعمال میں پورے شوق سے شرکت کی جائے :

☆ عشاء کے بعد کتاب (حیاۃُ الصحابہؓ) کی تعلیم ۔

☆ جمعرات کو نمازِ فجر کے بعد بیان ۔

۱۳۔کھیل کے مقررَہ اوقات کے علاوَہ دُوسرے وَقت میں نہ کھیلا جائے ۔

۱۴۔مدرسہ کے کھانے کے علاوَہ کچھ اور کھانا ہو تو حتیٰ الامکان چھپا کر سب سے اَلگ کھایا جائے ۔

۱۵۔مدرسہ کی طرف سے جو کتابیں دِی جائیں، اُن کے علاوَہ دُوسری کتابیں نہ پڑھی جائیں ۔

۱۶۔قرآن شریف کی تلاوَۃ اور دَور کے وَقت کو اُسی میں صرف کیا جائے ۔

۱۷۔مطبخ اور مسجد کے اِجتماعی برتن اِستعمال نہ کیے جاویں ۔

۱۸۔مدرسہ کی کتابوں اور دِیواروں اور دِیگر سامان پر کچھ نہ لکھا جائے اور اُن کی حفاظت کی جائے ۔

۱۹۔مدرّس کسی تبلیغی تقاضے پر چلا جائے، یا تقاضے میں مشغول ہو تو اُس کی غیابت میں اَسباق جارِی رہنا ضرورِی نہیں ۔

۲۰۔وَجہ بتائے بغیر مدرسہ سے اِخراج کر دینے کا اِختیار اہلِ مدرسہ کو حاصل ہے ۔

۲۱۔سالانہ چھٹی سالانہ اِمتحان کے بعد مدرسہ بند ہونے سے دَس (۱۰) شوال تک ہے ۔اُس کے علاوَہ عیدالاضحیٰ پر مشورے سے چھٹی ہو سکے گی ۔ باقی سارے سال میں اور کوئی چھٹی نہیں، لہٰذا مذکورَہ بالا چھٹی کے علاوَہ اور چھٹی نہ مانگی جائے ۔

۲۲۔جس چیز کے اِستعمال سے روکا جائے اُس سے رُکنا پڑے گا، چاہے وہ جتنی ہی مرغوب چیز ہو ۔

۲۳۔اَپنے وَالدین یا سرپرست سے، مدرسے یا اَساتذہ کی کسی قسم کی شکایت نہ کی جائے ۔

۲۴۔طلباء کے نام آنے وَالے خطوط پہلے اَساتذہ پڑھیں گے، اَگر مناسب ہوں تو دے دیں گے، وَرنہ نہیں دِیے جائیں گے ۔

۲۵۔کینٹین کے عملہ کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہ ہو اور نہ اُن کے پکانے اور رہنے کی

جگہ میں جا کر کچھ کھایا جائے اور نہ اُن کے برتن مدرسہ میں لائے جاویں۔

۲۶۔وَقف اور اِجتماعی چیزوں کو اِحتیاط سے اِستعمال کیا جاوے اور اِستعمال کے بعد دھو کر اَپنی متعین جگہ پہنچایا جائے۔

۲۷۔اَپنے کسی مہمان کو مدرسہ میں نہ لایا جائے اور نہ اُن کا سامان اَپنے پاس مدرسہ میں رَکھا جائے۔ اِسی طرح دَورانِ پڑھائی مہمانوں سے بات نہ کی جائے۔ اَگر کسی مہمان سے ملنا ہو تو اُستاد سے اِجازت لے کر چھٹی کے اوقات میں ملیں اور جلد فارِغ کریں۔

۲۸۔چھت اور سیڑھیوں پر آرام سے چلیں۔ چھت پر لگے ہوئے نشان کے اَندر نہ چلیں، وہ مسجد ہے۔

۲۹۔اَساتذہ کے لیے متعین بیت الخلاء، غسل خانے اور وضو کی جگہ ہرگز اِستعمال نہ کی جاوے۔

۳۰۔تعلیم کے اوقات کے دَوران اَگر کوئی عذر یا مرض ہو تو مدرسہ میں موجود چھٹی دینے پر متعین اُستاد سے اِجازت لیں۔ اَگر اس وَقت سبق ہو تو جس اُستاد کے پاس سبق ہے، اُس سے بھی اِجازت لی جائے۔

اور اَگر سبق کے وَقت میں کوئی اُستاد کوئی کام کہیں، تو اُن سے عرض کیا جائے کہ سبق ہے، اُس کے باوجود اَگر وہ فرمائیں، تو سبق سے اِجازت لے کر وہ کام کریں۔

۳۱۔کوئی طالب علم کسی طالب علم کی جسمانی خدمت نہ کرے۔

۳۲۔اَگر کوئی ساتھی شدید بیمار ہو اور اُسے جسمانی خدمت کی مجبورِی ہو تو اُستاد سے اِجازت لیں۔

۳۳۔ایک دُوسرے کی چیز بغیر اِجازت اِستعمال نہ کی جائے اور ہر ایک اَپنی چیز کی حفاظت خود کرے۔

۳۴۔پکانے کے لیے جگہیں متعین ہیں، اُس کے علاوہ اور جگہ چولہا نہ جلائیں اور چولہے باورچی خانہ ہی میں رَکھیں۔

۳۵۔خدمت کے دِن، عصر اور مغرب کے دَرمیان پورے وَقت کو خدمت میں لگایا جائے۔

۳۶۔اَذان سے پانچ منٹ پہلے کام سے آئیں۔ کام چھوڑ کر مدرسہ یا کسی اور جگہ نہ جائیں۔

۳۷۔روٹی اور سالن مدرسے میں لانا منع ہے۔ اَگر کسی مجبوری سے لانا پڑے، تو حسبِ ضرورَت لائیں۔ اَگر کچھ بچ جائے، تو فوراً وَاپس مطبخ میں پہنچائیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

یہ ہیں وہ پابندیاں، جن کی بنیاد پر مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے طالب علم کو اَپنے شب و روز کا نظم بنانا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ایک مزید پابندی یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ: گاہے گاہے جو بات مشورے سے طے ہو، اُسے ماننا لازمی ہوگا۔ کیونکہ موسم کے لحاظ سے فجر سے پہلے اُٹھنے کا وَقت، یا فجر کی نماز کے وَقت ہی اُٹھنے کا وَقت مشورے سے بدلتا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ دِیگر معمولات میں مشورے سے تبدیلی آتی ہی رہتی ہے۔ کہنے کو یہ چھتیس یا سینتیس پابندیاں بنتی ہیں، لیکن اِس سب کے پیچھے حقیقی رُوح دَر حقیقت صرف ایک ہے اور وہ ہے: مان کر چلنا۔ سارِی پابندیاں طالب علم کی تربیت اور نفس کے کچلنے کی مشق ہیں اور مقصود یہی ہے کہ: ہر حال میں، جی چاہی کو چھوڑ کر، رَب چاہی پر عمل کا جذبہ بن جائے۔

رَائے ونڈ مرکز میں دَاخلہ ہو گیا، تو یہاں کے جن بڑے بڑے حضرات کو دِن رَات دیکھنے کا موقعہ ملتا رہا، اُن میں حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ حضرت مولانا نذرُ الرحمٰن صاحب کو حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہِ سراجیہ، وَاقع، کندیاں، ضلع میانوالی میں دیکھتا ہی رہتا تھا، بلکہ مولانا سے رَابطہ بھی وہیں شروع ہوا اور شاخ میں دَاخلہ بھی مولانا ہی نے دِلوایا تھا۔ میں ہر سال کی سالانہ چھٹیوں میں رَمضان المبارک کا آخری عشرہ پابندی سے خانقاہِ سراجیہ میں گزارا کرتا تھا اور وہیں مولانا کے کمرے میں اَپنی تشکیل کرواکر کچھ نہ کچھ خدمت کی

سعادَت حاصل کرتا تھا، جس کی بناء پر مولانا نذرُ الرحمٰن صاحب مجھے کافی حد تک پہچاننے لگے تھے۔ اَب جو رَائے ونڈ مرکز میں آیا، تو اَساتذہ سے دَرخواست کر کے مولانا کی خدمت میں لگ گیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اَپنی بیمارِی اور ہزار سستی کے باوجود جب تک رَائے ونڈ مرکز میں رہا، روزانہ رَات کو مولانا کی خدمت کرتا رہا۔ اَب تو مرکز کی شکل وصورَت بدل کر بالکل ہی نیا مرکز بن گیا ہے۔ تب دَارِقدیم کے نام سے ایک پرانی سی عمارَت تھی۔ مینار کے ساتھ چڑھتی سیڑھیوں سے اُوپر آ کر بائیں ہاتھ جو دَروَازہ تھا، اُس میں دَاخل ہوکر دَائیں جانب کے کونے میں، زمین پر ہی مولانا کا بستر بچھا رہتا تھا اور ساتھ میں ایک اَلمارِی تھی، جس میں مولانا کا ضرورَت کا سامان ہوتا تھا اور اسی دَار میں دَاخل ہوتے ساتھ ہی بائیں جانب دیکھیں، تو تبلیغ کے قافلے کا حدی خواں اَپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ نظر جلوہ آرَا آتا۔ جی ہاں! یہی تکلف سے کوسوں دُور مولانا جمشید علی صاحب تھے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ''سیدھے سادے'' کے اَلفاظ اُن پر مکمل صادِق نہیں آتے، بس سادگی کا پتلا کہیے، یا اُنہیں دیکھ آئیے۔

میں نیا نیا رَائے ونڈ تبلیغی مرکز آیا تھا۔ رَات عشاء بعد شمالی سائبان کی چھت پر، مولانا نذرُ الرحمٰن صاحب مدظلہٗ کی خدمت سے فارِغ ہوکر اَپنے دَار میں جانے کو دَارِ قدیم کی طرف آیا، تو دیکھا کہ مولانا محمد جمشید علی خان صاحب ''صحیح بخارِی شریف'' کا سبق پڑھا رہے ہیں، یہ ۲۰۰۱ء کی بات ہے۔ مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ میں دورَۂ حدیث کو شروع ہوئے، غالبًا یہ دُوسرا سال تھا اور دورے کے طلباء کی تعداد پچھتر (۷۵) تھی۔ جماعت چھوٹی تھی، اِسی لیے دَارِقدیم میں سما گئی تھی۔ دَروَازہ کھلا تھا، اِس لیے سامع کی حیثیت سے میں وہیں بیٹھ گیا۔ سبق کی یہ بات یاد ہے کہ فرمایا: ہاں بھئی! کیسے؟ تو سارِی جماعت نے مل کر اُونچی آواز سے (حنابلہ کے طریقہ پر جیسا کہ آج کل حرمین میں بھی ہوتا ہے) ''آمین'' کہی تھی۔ اس کے سوا مولانا کی تقریر وَغیرہ تب کچھ بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ میں بیٹھا سبق سنتا اور مولانا کو دیکھتا رہا، یوں معلوم ہوتا تھا کہ متقدمین محدثین کے قافلے کا کوئی بچھڑا ہوا فرد یہاں آ گیا ہے۔ کچھ ہی دیر میں سبق ختم ہو گیا۔ دورَۂ حدیث

وَالے طالب علم اُٹھ گئے، تو ہم چند طالب علم مولانا کی جگہ کے قریب ہو گئے۔

مولانا نے خادِم سے پوچھا: ہاں بھائی! کون ہے؟ اُس نے بتایا کہ: مدرسے کے کچھ طالب ہی ہیں، مہمان نہیں ہیں۔ مولانا نے پھر پوچھا: کیا کہہ رہے؟ وہ مزاج شناس تھا، کہنے لگا: بس آپ کے پاس کچھ دیر بیٹھنا چاہتے ہیں۔ اِس پر مولانا نے سکوت فرمایا، گویا یہ اِجازت تھی کہ کچھ دیر بیٹھ جائیں۔ پھر کچھ دیر بعد خادِم سے پوچھا کہ: باہر موسم کیسا ہے؟ اُس نے بتایا: بادل تو چھائے ہوئے ہیں، لیکن بارِش نہیں ہو رہی۔ اس پر مولانا نے بارِش کے متعلق ایک قطعہ سا پڑھا، پورَا تو یاد نہیں، بس یہ یاد ہے کہ اس کا قافیہ ''رِم جھِم رِم جھِم'' تھا۔ اُس کے بعد دو تین باتیں دَارُ العلوم دِیوبند کے بارے میں کہہ کر فرمانے لگے کہ: ''دِیوبند وَالے نرے ملاّ ہی نہیں تھے، وہ مجاہد بھی تھے مجاہدؔ''۔ ساتھ میں بازو کو اَپنے خاص اَنداز میں ہلایا بھی تھا۔

اس کے بعد پھر مولانا کی طبیعت اَشعار کی طرف ہوگئی اور اَپنے مخصوص اَنداز میں ریل گاڑِی سنانے لگے: ''سر سے دُھواں اُڑَا کر، چنگھاڑ مارتی ہے.....'' اَشعار کا تذکرہ مضمون کے آخر میں آئے گا اِن شاءاللہ۔ ریل گاڑِی ختم ہوئی، تو مولانا نے سونے کے لیے چادر سیدھی کی اور فرما دیا: چلو بھئی! سو جاؤ۔ طالب علم مزید بیٹھنا چاہتے تھے، لیکن خادِم نے اِشارہ کر دِیا کہ اب مولانا نے فرما دِیا ہے اس لیے اُٹھ جاؤ چنانچہ ہم اٹھ گئے۔

رَائے ونڈ میں آنے کے بعد تین سال تک حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہمارَا کوئی سبق نہیں ہوا۔ آخری سال میں صرف ''صحیح البخارِی'' کا دَرس دِیا کرتے تھے اور بس۔ چنانچہ ہم نے بھی مولانا سے صرف صحیح البخارِی پڑھی۔ اس سے قبل بس اَعمال میں مولانا کے بیانات سنے، کبھی کبھار خدمت کی سعادَت ملی، یا شب و روز دیکھنے کا موقع ملا۔ طبیعت گو اِنتہائی سادَہ تھی، لیکن حساس بھی بہت تھی۔ یہ نہیں کہ مولانا کو اِردگرد ہونے وَالی حرکات وسکنات کا علم نہیں ہوتا تھا، بس صرف نظر کرنے اور معاف کرنے کی عادَت تھی۔ اَداؤں سے معصومیت ٹپکتی تھی، وضو کرتے کئی بار دیکھا، کندھے جھٹکتے ہوئے، اَپنے مخصوص اَنداز میں چلتے ہوئے آتے اور شش کی آوَاز سے

پیٹھ کرنے وَالوں کو متنبہ کرتے ہوئے گزر جاتے۔ وضو کرتے ہوئے اَپنے آدھے سے زیادَہ کپڑے گیلے کر لیتے تھے، ایسے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی معصوم سا بچہ وضو کر کے آیا ہے۔ بایں ہمہ رُعب اِتنا کہ آسانی سے بات کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی۔

رَائے ونڈ میں ہزاروں کا مجمع ہر وَقت ہوتا ہے۔ تقریباً پندرَہ ہزار سے زائد کی تعداد اوسطاً رہتی ہی ہے۔ اِتنے سارے مجمعے کے لیے بجلی، روشنی اور پانی کا اِنتظام جتنے وَسیع پیمانے پر کیا جانا ضرورِی ہے اُس کا اَندازہ ہر کوئی کرسکتا ہے اور اَگر اِس سارے مجمعے کی جانب سے اِن نعمتوں کے اِستعمال میں اِسراف شروع ہو جائے، تو ظاہر ہے کہ بہت بڑی مقدار میں نعمتیں ضائع ہو جائیں، جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ تبدیل بھی ہوسکتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ: پڑھنے کے زمانے میں یہ بات سننے میں آئی کہ: رَائے ونڈ میں جو ٹیوب ویل لگے ہوئے ہیں، اُن میں پانی کی مقدار کم ہوگئی ہے۔ یہ بات سنتے ہی ہم جیسے سطحی ذہن وَالوں کے ذہن میں اِس بات کی فکر آئی کہ: ٹیوب ویل گہرے کھدوانے ضروری ہیں۔ لیکن دُوسری طرف وہ حضرات جن کا تعلق اللہ سے قائم ہو چکا ہے اور اسی کے پیمانے پر ہر چیز کو پرکھتے ہیں، اُن کا زاویۂ نظر دُوسرا تھا۔ چنانچہ حاجی صاحب فوراً اَعمال کی طرف متوجہ ہوئے، دُوسروں کو بھی اَعمال کی طرف متوجہ کیا۔ اُنہیں یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ: ہم نے پانی کی نعمت کی ناقدرِی کی اور اُسے ضائع کیا، اِس لیے ہم سے اللہ نارَاض ہو گئے بہر حال اللہ کی طرف متوجہ کرنے اور اَعمال کرنے کے ساتھ ساتھ ظاہری اَسباب کے دَرجے میں یہ کیا گیا کہ وضو کرنے کے لیے جو عام ٹونٹیاں لگی ہوئی تھیں، جنہیں گھما کر کھولنا اور بند کرنا پڑتا تھا، اُنہیں اُتار کر ایک خاص طرز کی ٹونٹیاں لگا دِی گئیں، جن کی ایک جانب ایک کیل سا نکلا ہوتا تھا، جتنی دیر اُسے دبا کر ٹیڑھا کیے رَکھیں پانی نکلتا رہتا تھا اور چھوڑ دیں تو پانی نکلنا بند ہو جاتا تھا۔ اس سے پانی کے ضیاع میں نمایاں حد تک کمی آ گئی، وضو کرنے کے لیے تو یہ نظام بہت بہتر تھا، لیکن اَگر کپڑے وَغیرہ دھونے ہوں تو نہایت تکلیف اور مشقت ہوتی تھی۔ چنانچہ اس غرض سے کہیں کہیں عام ٹونٹیاں باقی رَکھی گئیں تا کہ یہ ضرورَت بھی پورِی ہوتی رہے۔

اُنہی دِنوں کی بات ہے کہ مولانا جمشید صاحب ایک رَات وضو کرنے تالابوں کے ساتھ وَالی ٹونٹیوں پر تشریف لائے۔ سارِی زِندگی کبھی ایسی ٹونٹی نہ دیکھی، نہ اِستعمال کی اُسے ہاتھ لگایا کہ پانی نکلنا شروع ہو تو اُس کا تو ویسا نظام ہی نہیں تھا کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ معاملہ کیا ہے؟ شاید پھر یہ خیال آیا ہو کہ یہ ٹونٹی خراب ہوگئی ہے، اِس لیے اُٹھ کر دُوسری ٹونٹی پر چلے گئے، اَب دیکھا تو وہ بھی ویسی ہی تھی، یکے بعد دِیگرے تین ٹونٹیاں مولانا نے بدلیں، لیکن ہر جگہ ایک ہی طرح کی ٹونٹیاں لگی دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ کوئی نئی قسم کی ٹونٹیاں ہیں۔ اِستعمال کرنے کا طریقہ چونکہ نہیں آتا تھا، اِس لیے آنکھ ترچھی کر کے ساتھ میں دُوسرے وضو کرنے وَالے مہمان کو دیکھا، اس کے مطابق کوشش کی کہ پانی نکلے اور وضو کریں، لیکن باوجود کوشش کے حسب منشا پانی نہ نکل سکا۔ آخر ساتھ میں وضو کرنے وَالے سے پوچھا کہ: بھئی! اِس ٹونٹی سے پانی کیسے نکلے؟ اُس نے بتایا کہ: حضرت! یہ ایک طرف کو جو کیل نکلا ہوا ہے، اِس کو ایک جانب دَبانے سے پانی نکلتا ہے اور چھوڑنے سے خود بخود پانی بند ہو جاتا ہے۔ وہ تو بتا کر چلا گیا، لیکن مولانا سے وہ ٹونٹی صحیح نہ چل سکی۔ اِتنے میں مولانا نے دُوسری جانب ایک دُوسرے شخص کو دیکھا کہ وہ تسلسل سے وضو کر رہا ہے۔ اُس سے پوچھا کہ: بھئی! تمہارِی ٹونٹی میں پانی کیسے آ رہا؟ اُس نے عرض کیا کہ: حضرت! یہ پہلے وَالی ٹونٹی لگی ہوئی ہے، اسے تبدیل نہیں کیا گیا۔ مولانا نے اسے کہا: بھئی! تم میری ٹونٹی پر آ جاؤ، میں وَہاں وضو کرتا ہوں اور اِس طرح مولانا نے وضو کیا۔ بعد میں مینارے کے قریب والی وضو کی لائن کے شروع میں چند ایک ٹونٹیاں وہی پرانی طرز کی لگا دِی گئی تھیں، نہ معلوم محرک کیا رہا ہو، ہوسکتا ہے کہ مذکورہ بالا قسم کی کوئی وَجہ ہی ہو، یہ تھے مولانا جمشید صاحب! جو ایک طرف تو اُستاذ الحدیث والتفسیر اور شیخ الحدیث سبھی کچھ تھے، لیکن دُوسری طرف اِتنے بھولے بھالے کہ ایک مختلف کی قسم ٹونٹی سے بھی مناسبت نہیں ہوسکی۔

یہ بھی اَچھی طرح یاد ہے کہ ایک دِن مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے بتایا کہ: مولانا جمشید صاحب رَات کو تہجد کے وَقت اُٹھے اور اَپنے کمرے کے ساتھ مخصوص بیت الخلاء کو چھوڑ کر عام مجمع کے اِستعمال میں رہنے وَالے بیت الخلاء کی طرف جا کر چپکے سے

اُن کی صفائی شروع کر دِی۔ چند ایک کی صفائی ہی کی تھی کہ پہرے پر متعین پہرہ دَار متوجہ ہو گیا اور آہستہ آہستہ لوگ اکٹھے ہو گئے۔ مولانا کو اس کا اِحساس ہوا تو اَپنے مخصوص اَنداز میں: چلو بھئی اَپنے اَپنے اعمال میں لگو، کہہ کر واپس اپنے کمرے کی طرف چل دِیے۔ اللہ تعالیٰ ایسی بے نفسی، اِخلاص اور للّٰہیت کا کچھ حصہ ہمیں بھی عطا فرمائے۔

ہر وَقت مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت پر ایسا جلال اور رُعب طارِی رہتا تھا کہ قریبی خدام کے سوا کسی اور کو بات کرنے کی ہمت ہی نہ ہوتی تھی اور خلوت وجلوت کے اسی رُعب کے تحت، شاید کسی کے خیال میں آیا اور اُس نے یہ بے پَر کی بات اُڑا دِی کہ: مولانا محمد جمشید علی خان صاحب جنات کی تشکیلیں بھی کرتے ہیں۔ بارہا مولانا رحمہ اللہ سے اِس بات کی تردِید سنی کہ بھائی ایسا کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ یہ بات دُرست نہیں ہے۔

مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رَائے ونڈ میں تعلیمی نظام کے ساتھ تربیتی نظام بھی خوب فعال ہے۔ جیسے اَکابر شیوخ اور صوفیاء بہت سی جائز اور مستحب چیزیں صرف تربیتی نقطۂ نظر کی بنیاد پر سالک سے چھڑا دیتے ہیں، ایسے ہی رَائے ونڈ مدرسے میں بھی ہوتا ہے۔

میرے وَالد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جب رِیٹائر ہوئے تو گھر کے سب اَفراد کی طرف سے حج کے لیے جانے کی دَرخواست دے دِی۔ ہر سال حکومت کا ایک خاص حد تک کوٹا ہوتا ہے کہ اِتنے حاجی پاکستان سے بھیجنے ہیں۔ اَگر دَرخواستیں اِس حد سے بڑھ جائیں تو قرعہ اَندازِی سے فیصلہ کیا جاتا ہے اور زائد دَرخواستیں رَدّ ہو جاتی ہیں۔ بہر حال ہم گھر کے چھ اَفراد تھے اور چھ کے چھ اَفراد کی دَرخواست منظور ہو گئی۔ اَبو یہ خوش خبری لے کر مدرسہ سے میری چھٹی لینے رَائے ونڈ پہنچے۔ آکر اَساتذہ سے ملے، مدعا عرض کیا تو مشورے میں بلا لیا گیا۔ مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ کے اَساتذہ کا مشورہ کیا ہوتا ہے؟ اسے مدرسے میں پڑھنے وَالے طلبہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ طالب علم کی حد تک تو بس ایک قیامت صغریٰ ہی قائم ہوتی ہے۔ بہر حال میں بھی مشورے میں پیش ہوا، اَبا جان بھی حاضر ہو گئے، مسئلہ سامنے رَکھا گیا۔ مولانا محمد جمشید علی خان صاحب ''کھڑے کھڑے ٹنڈو الہ یار ہو آنے کے لیے'' یا کسی سفر پر گئے ہوئے تھے۔ مشورے کے اَمیر مولانا محمد اِحسان الحق

صاحب مدظلۂ العالی تھے۔ اَساتذہ سے رَائے طلب کی گئی۔ متفقہ رَائے یہ تھی کہ آئندہ سال مشکاۃ المصابیح کا ہے، حدیث شروع ہو جائے گی، پڑھائی بہت اَہم ہے، لہٰذا اَبھی نہ جائے۔ دورَۂ حدیث کرنے کے بعد پھر پوچھ لے اور تب حج کرے۔ چھٹی نہ ملی۔ اَبا جان بہت شکستہ دِل وَاپس ہوئے۔ بینک وَالوں کو دَرخواست دے دِی کہ ایک آدمی کی دَرخواست کینسل کر دو۔ اُنہوں نے تفصیل جاننے کے بعد مدرسے وَالوں کے نام اَپنی مجبورِی کا خط لکھ دِیا کہ: اِمسال جتنی دَرخواستیں جمع کرائی جا سکتی تھیں، اُتنی بھی جمع نہیں ہوئیں۔ قرعہ اَندازِی کی نوبت ہی نہیں آئی، اِس لیے بینک وَالے پیسے وَاپس نہیں کر سکتے۔ اُمید ہے کہ مدرسہ وَالے حضرات اِس بات کی رِعایت فرمائیں گے۔

رائے ونڈ مرکز میں تو دِن رَات یہی بات چلتی ہے کہ: اللہ سے ہوتا ہے، اللہ کے غیر سے نہیں ہوتا۔ اللہ کرتے ہیں، حضورِ اَکرم صلی اللہ علیہ وَسلم کے طریقے سے کرتے ہیں۔ آدمی ہر دَم اللہ سے مانگ مانگ کر چلتا رہے۔ اللہ کی مدد ساتھ ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ سارے مسئلے حل کر دیتے ہیں۔

اُمید نہ تھی کہ اِس مادی پہلو سے لکھے گئے خط کا ان اکابرین تبلیغ اور اکابرین مدرسہ پر کوئی اَثر ہو گا۔ لیکن میرے لیے اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا دَرْوَازہ تو کھلا تھا۔ میں نے دو نفل پڑھے اور اللہ سے مانگ لیا۔ ظہر سے پہلے ''امام فہیم'' کو صورتِ حال سے مطلع کر کے بینک وَالوں کا خط اُن کے حوالے کر دِیا۔ اُنہوں نے ظہر کے بعد مشورے میں بلا لیا۔ بعد اَزاں مولانا نذر الرحمٰن صاحب سے دُعا کے لیے عرض کی اور حج کے مسئلہ کی یاد دہانی کروَائی اور عرض کیا کہ: وِیزہ تو چالیس دِن کا ہوتا ہے، لیکن اَگر پچیس دِن کی چھٹی بھی مل جائے تو کافی ہے۔ بہر حال ظہر بعد مشورے میں حاضر ہوا، سب سے آخر میں میرا مسئلہ پیش ہوا۔ ''امام فہیم'' نے میرے مسئلہ کی تفصیل سب کے سامنے رَکھی۔ آخر میں بینک وَالوں کا خط بھی پڑھ کر سنا دِیا۔ آج مشورے کے اَمیر مولانا جمشید صاحب بنفس نفیس موجود تھے۔ مولانا نے تفصیلی رَائے مانگی ہی نہیں، صرف امام فہیم سے پوچھا کیا کیا جائے؟ اُنہوں نے بھی میری رِعایت کرتے ہوئے کہہ دِیا: جی! چھٹی دے دِی جائے،

پچھلے سال بھی ایک طالب علم کو دِی تھی۔ مولانا جمشید صاحب نے فرمایا: ’’آنے جانے کے دِن ملا کے چالیس دِن کی چھٹی ہے۔ چالیسویں دِن مدرسہ میں حاضری دے‘‘۔ اور یہ کہہ کر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دِیے۔ میں تو پچیس دِن کی چھٹی کا طالب تھا اور مل پورے چالیس دِن کی چھٹی گئی تھی۔ ظاہر ہے میری تو خوشی سنبھالے نہیں سنبھلتی تھی۔ لیکن اُٹھنے سے پہلے مولانا نذرُ الرحمٰن صاحب نے فرما دِیا کہ: حج کرنے کے بعد، جتنا جلدی وَاپس آسکو، اُتنا جلدی آجانا۔ میں نے بھی اِن شاء اللہ کہہ دِیا۔ اَلبتہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے وہ الفاظ مجھے آج تک یاد ہیں کہ مجھے گھورتے ہوئے یہ فارسی شعر پڑھا:

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

بہرحال میرا دَورانِ تعلیم حج کر لینا حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلے ہی کی برکت سے ممکن ہوا، وَرنہ پہلے کے مشوروں میں تو میرے لیے نہ جانا ہی طے کر دِیا گیا تھا۔ جَزَاہُ اللّٰہُ خَیْرًا۔

اِمام اِبنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اَپنی تفسیر میں (وَمَنْ أَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ) کے تحت فرمایا ہے کہ:

أی: أخلص العمل لربه عزوجل، فعمل إیمانا واحتسابا، وهو محسن، أی: اتبع فی عمله ما شرعه اللّٰه له، وما أرسل به رسوله من الهدیٰ و دین الحق. وهذان الشرطان لا یصح عمل عامل بدونهما، أی: یکون خالصا وصوابا. والخالص أن یکون للّٰه. والصواب أن یکون متبعا للشریعة، فیصح ظاهره بالمتابعة، وباطنه بالإخلاص.

اِس عبارَت کا خلاصہ یہ ہے کہ: اَعمال میں حسن تب پیدا ہوتا ہے جب بندہ اَپنے عمل کو محض اللہ پر اِیمان اور اُسی سے بدلے کی اُمید کے ساتھ کرے اور محسن تب بنتا ہے جب اَپنے اَعمال میں اللہ تعالیٰ کی طے کردَہ شریعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسلم کے لائے ہوئے صحیح اور سچے رَاستے کی اِتباع بھی کرے۔ چنانچہ یہ دو شرطیں (خلوص اور

صواب) اَیسی ہیں کہ اُن کے بغیر کسی عمل کرنے وَالے کا عمل دُرست نہیں ہوسکتا۔ عمل کے خالص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ: عمل محض اللہ کے لیے ہو اور صواب کا مطلب یہ ہے کہ: شریعت کی اِتباع کے ساتھ ہو۔ چنانچہ عمل کا ظاہر تو متابعت سے دُرست ہوتا ہے، جب کہ عمل کا باطن اِخلاص سے دُرست ہوتا ہے۔ لہٰذا دِین کی نسبت سے جو بھی محنت اِخلاص اور سنت کی رِعایت سے کی جائے گی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مقبول ہوگی اور اُس کے اَثرات بھی ہوں گے، اَگرچہ مقدار میں یہ عمل تھوڑا ہی ہو۔ تفصیل کا تو یہ موقع نہیں، لیکن اِسی کیفیت کو اِحسانی کیفیت بھی کہتے ہیں۔

بہرحال مولانا میں یہ کیفیت بدرجہ اَتم موجود تھی۔ ایک مرتبہ مولانا سال لگا کر آنے وَالی جماعتوں سے وَاپسی کی کارگزارِی سن رہے تھے۔ ایک جماعت کے سادہ سے ساتھی کارگزارِی سنانے کے لیے کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: ہمارِی جماعت اَندرُونِ ملک پیدل سال کی تھی، اَپنا رُخ اور علاقے کی صورتِ حال میں غالبًا یہ بھی بتایا کہ: تقریباً دوسو کے قریب مسجدوں میں کام کیا۔ صبح صبح چلنا شروع کرتے تھے، ظہر کے بعد مسجد میں پہنچتے اور کھانا وَغیرہ کھا کر عصر کا وَقت ہوجاتا تو عصر کے بعد گشت کرتے۔ اس پر مولانا نے پوچھا: صبح سے چل کر ظہر تک پہنچتے تھے، تو تھک جاتے ہوگے۔ گشت کیسے کرتے تھے؟ وہ عرض کرنے لگے: بس حضرت! ٹوٹا پھوٹا گشت کرتے تھے۔ مولانا نے فوراً ہی ٹوکا کہ: رُکو بھئی! ٹوٹا پھوٹا کیوں کہا؟ وہ بیچارہ کیا جواب دیتا، پھر مولانا خود ہی فرمانے لگے: ’’بھئی! دَعوت کا کام، اَنبیاء کا کام ہے۔ اِس رَاستے کا تھوڑا بھی زِیادَہ ہے اور زِیادَہ بھی زِیادَہ ہے۔ اس کے کسی کام کو ٹوٹا پھوٹا نہ کہو‘‘۔ ظاہر ہے کہ مولانا نے اِس بیچارے سیدھے سے ساتھی کا دِل رَکھنے کے لیے یہ کہا تھا کہ: کسی عمل کو ٹوٹا پھوٹا نہ کہو، وَرنہ اس ساتھی نے ٹوٹا پھوٹا گشت کو نہیں کہا تھا، اَپنے عمل کو کہا تھا اور مقصود یہ تھا کہ اَپنے کسی عمل میں کوتاہی دیکھ کر دِل ہی نہ ہار جانا کہ مجھ سے تو صحیح ہوتا ہی نہیں ہے، لہٰذا میں کیسے کروں۔ عمل تو سیکھتے سیکھتے ہی سیکھا جاتا ہے، اِس لیے جیسا بھی بن پڑے، اللہ سے مانگ کر عمل میں مکمل لگنے کی کوشش کرو اور اَیسے مواقع پر مولانا یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ:

بھئی! ہم سب تو سیکھتڑ ہیں سیکھتڑ۔عموماً اس کا مطلب یہی مشہور ہے کہ: جو اَبھی سیکھ رہا ہو اور سیکھا ہوا نہ ہو۔ایک مرتبہ مولانا کی خدمت میں ہم چند طلبہ حاضر تھے، ایک ساتھی نے سیکھتڑ کا مطلب پوچھا تو فرمانے لگے: ''بھئی! سیکھتڑ وہ جسے صحیح سیکھنا بھی نہ آوے''۔

بیانات میں مولانا کا ایک اَپنا ہی اَنداز تھا اور یہ خصوصیت تھی کہ ایک قصے یا وَاقعے کو بیسیوں مرتبہ بھی بیان کرتے تھے، تو اُس کے اُسی زبر، زیر اور پیش سمیت بیان کیا کرتے تھے، جیسے پہلی مرتبہ۔ چنانچہ جن ساتھیوں نے مولانا کے بیانات کو سنا ہے، اُنہیں خوب معلوم ہوگا۔ گویا دَاعی کی صفات کی مکمل جھلک آپ کے بیانات میں موجود تھی۔ جیسے دَاعی اَپنی دَعوت کو بار بار دُہراتا ہے اور اس بار بار کہنے سے نہ تھکتا ہے نہ جھجک کا مظاہرہ کرتا ہے، ایسے ہی مولانا بھی بیان فرمایا کرتے تھے۔ دَاعی کی تڑپ وَاقعی بس یہی ہوا کرتی ہے کہ لوگ گمراہی سے نکل کر ہدایت پر آجائیں، چاہے اُسے اُس کے لیے کتنا ہی کھپنا اور بار بار کہنا کیوں نہ پڑے۔

دَاعی میں ایک یہ خصوصیت ہونا بھی ضرورِی ہے کہ اُسے اَپنی دَعوت پر یقین بھی ہو۔ اَگر دَاعی کو اَپنی دَعوت پر یقین نہ ہوگا تو یقیناً اُس کی دَعوت بے رُوح اور پھسپھسی ہوگی۔ مولانا کا بیان سن کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ جو کہہ رہے ہیں، گویا دیکھ ہی آئے ہیں۔ ایک مرتبہ رَات عشاء بعد کی تعلیم مولانا کی طے ہوئی گرمیوں کے دِن تھے۔ مولانا شمالی سائبان وَالے منبر پر آکر بیٹھے۔ غالباً مطالعہ نہ کر سکے تھے، یا اَچانک یہ تشکیل ہوئی تھی، بہرحال مولانا نے آکر کتاب نہیں پڑھی اور مختصر سا بیان اِن سادَہ سے اَلفاظ سے شروع کیا:

''حق ہے یہ بات کہ مرنے کے بعد ہر اِنسان و جن کو اُس کے اَعمال کا بدلہ دِیا جائے گا۔ پھر یا وہ جنت میں جائے گا، یا وہ جہنم میں جائے گا....''۔

بات شروع کرتے ہوئے مولانا نے دَایاں ہاتھ بلند کر کے منبر کے دَستے پر بھی مارَا تھا۔ مولانا نے مختصر سا بیان کیا اور جب تعمیر کی خدمت کے لیے تشکیل کرنے وَالے آئے، تو مولانا وَاپس گئے، لیکن میں اِس سارے دَورَانیے میں مولانا کی اِسی اِبتدائی بات میں کھویا رہا، گویا موت کے بعد کا اور حشر کا نقشہ آنکھوں میں پھرنے لگا تھا۔

مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ میں طالب علموں کی ہفتہ وَار چوبیس گھنٹے کی جماعتوں کی تشکیل ایک معمول ہے۔ اس کے ساتھ نہ جانے کب سے یہ ترتیب چلی آتی ہے کہ تعلیمی سال کے آخر میں آخری سال کے طالب علموں جو آج کل دورَۂ حدیث کے طالب ہوتے ہیں کی ایک چوبیس گھنٹے کی خصوصی تشکیل پاکستان کے مختلف مدارِس میں کر دِی جاتی ہے۔ ملتان، فیصل آباد، لاہور وَغیرہ کے دَسیوں مدارِس میں یہ جماعتیں جاتی ہیں، اور دورَۂ حدیث کے طالب علموں کے ساتھ ملاقاتیں اور کم وبیش خروج کے ساتھ ساتھ فراغت کے بعد سال لگانے کے موضوع پر اَچھی بھلی نقل وحرکت ہو جاتی ہے۔ اَب کی تازہ صورَتِ حال کا تو علم نہیں، لیکن تب ایسی جماعتوں کے ساتھ مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ کے بڑے اَساتذہ بھی ہوا کرتے تھے جن میں اُن دِنوں حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب، مولانا نذرُ الرحمٰن صاحب اور مولانا محمد اِحسان الحق صاحب جیسے اَساطینِ علم بھی جایا کرتے تھے۔ طالب علم تو طالب علموں کے ساتھ ملاقاتیں کرتے اور اَساتذہ اُس مدرسہ کے اَساتذۂ حدیث اور دِیگر مدرّسین سے ملاقاتیں کرتے اور خوب یگانگت کا ماحول بن جاتا۔ بہرحال ایسے ہی ایک چوبیس گھنٹے کی جماعت کی تشکیل ''جامعہ اَشرفیہ لاہور'' ہوئی۔ طالب علموں کی اِس جماعت کے ساتھ حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ دستور کے مطابق طالب علم تو طلباء سے ملاقاتوں میں مشغول ہو گئے اور مولانا خصوصی ملاقات میں حضرت مولانا عبد الرحمٰن اَشرفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اور حضرت مولانا صوفی محمد سروَر صاحب دَامت برکاتہم کے ہاں تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن اَشرفی صاحب رحمہ اللہ تو ویسے ہی صاحب کلام تھے، اُوپر سے اَکابرین اور اہل اللہ کا یہ مل بیٹھنا، بس وہ کہیں اور سنا کرے کوئی۔

حضرت مولانا عبد الرحمٰن اَشرفی صاحبؒ نے اَپنے اور حضرت مولانا صوفی محمد سروَر صاحب مدظلہٗ کے تعلقات کے حوالے سے باتیں سنانا شروع کر دِیں۔ بتلایا کہ:

''ہم دونوں نے اکٹھے ایک ہی دِن مدرسہ میں پڑھنا شروع کیا تھا اور اکٹھے ہی پڑھتے رہے اور فراغت بھی اکٹھے ہی ہوئی۔ پھر اکٹھے ہی بیعت بھی ہوئے اور اکٹھے ہی

خلافت بھی ملی۔ ایسے ہی شادی بھی اکٹھے ہی ہوئی۔‘‘

مولانا توجہ سے ساری بات سنتے رہے، جب مولانا اَشرفی صاحب کی بات پوری ہوئی تو مولانا جمشید صاحب نے اَپنے مخصوص لہجے میں برجستہ کہا: ’’بھئی اکٹھے ہی جائیو نہیں، اِس میں اُمت کا نقصان ہے‘‘۔ اِس پر تمام محفل میں تبسم واِنبساط کی لہر دوڑ گئی۔

اور آج اُس مجلس کے تین اَساطین میں سے دو اَساطین (حضرت مولانا عبدالرحمٰن اَشرفی صاحب اور حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہما) اللہ کے دَربار میں اَپنی محنتوں کا صلہ پانے کو حاضر ہیں اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ اور حضرت مولانا صوفی محمد سرو َر صاحب دَامت برکاتہم بحمد اللہ تعالیٰ بقید حیات ہیں اور اَپنے فیوضِ علمی ورُوحانی سے تشنگانِ علم حدیث وتزکیہ کی پیاس بجھا رہے ہیں۔

جو لوگ مولانا جمشید صاحب کے قریب رہے ہیں، اُنہیں علم ہوگا کہ جیسے مولانا کے بیانات میں قافیہ بندی چلتی تھی، ایسے ہی عام بول چال کے جملوں میں بھی باقی رہتی تھی۔

گلگت یا شاید چلاس کا اِجتماع تھا وَہاں کے سادہ مزاج کے لوگ جفاکش محنتی اور اِسلام پسند تو ہیں ہی، دَعوت وتبلیغ کی محنت میں بھی کافی جڑے ہوئے ہیں اور طبعی طور پر اِتنے عالی مزاج ہیں کہ اُنہیں ترغیب دے کر اللہ کی رَاہ میں نکالنا بس ایسے ہی ہے جیسے کسی بچے کو کھیر کھلانا۔ بہرحال اِجتماع سے اِتنی بڑی تعداد میں لوگ اللہ کے رَاستے میں نکلے کہ جماعتوں کا اَمیر بنانے کے لیے کوئی پرانا چار ماہ، چلے وَالا تو درکنار عشرہ، سہ روزہ وَالا بھی نہ مل رہا تھا۔ ایسے سبھی ساتھیوں کی پہلے ہی تشکیل ہوچکی تھی، چنانچہ پھر اَمیر بنانے کے لیے ایسے ساتھیوں کی تلاش شروع ہوئی جو مسجد میں جڑتے رہتے ہوں، پابندی سے تعلیم میں بیٹھتے ہوں، تب کہیں جا کر تشکیلیں مکمل ہوئیں۔ اِس اِجتماع کے اختتام پر مولانا نے دعا کروائی جس میں مولانا کے یہ الفاظ بھی تھے: اے اللہ یہ سیدھے سادے، بھولے بھالے، چلاس وَالے، تیرے ہی حوالے۔ میں اِس قصے کا عینی گواہ تو نہیں ہوں، لیکن غالبًا دو تین مختلف ساتھیوں نے یہ کارگزاری تقریبًا ملتے جلتے اَلفاظ سے ہی نقل کی تھی۔

یوں دیکھتے دیکھتے ہی تین سال گزر گئے اور ہم دورۂ حدیث میں پہنچ گئے۔ اَپنے

پیشرووؤں کی طرح ہماری جماعت بھی کافی محترم ہوگئی۔ اَساتذہ تک بھی مولوی صاحب کہہ کر بلانے لگے، تو ندامت سی محسوس ہوا کرتی ہوتی تھی۔ بہرحال ہماری جماعت نے صحیح بخاری شریف مکمل حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمہ اللہ سے پڑھی۔ مسلم شریف مکمل اور جامع ترمذی مولانا نذر الرحمٰن دَامت برکاتہم سے پڑھیں۔ سنن ابوداؤد شریف اور طحاوی شریف مولانا محمد اِحسان الحق دَامت برکاتہم سے پڑھی۔ سننِ نسائی اور سننِ اِبنِ ماجہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہم سے پڑھی۔ موطا اِمام مالک، روایۃ یحییٰ لیثی اور روایۃ محمد بن حسن شیبانی دونوں ہی مولانا محمد جمیل صاحب مدظلہم سے پڑھیں۔

مولانا جمشید صاحب کا بخاری شریف پڑھانے کا اَنداز بھی بالکل نرالا تھا۔ بخاری شریف کے تراجم اَبواب ایک شہرۂ آفاق موضوع ہے، جس پر کئی محدثین نے مستقل کتب لکھی ہیں چنانچہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم ’’فضل الباری، شرح اُردو صحیح البخاری‘‘ جو شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر اَحمد عثمانی رحمہ اللہ کے اِفادَات کا مجموعہ ہے، کے بارے میں اَپنی رَائے ذِکر کرتے ہوئے اِرشاد فرماتے ہیں:

’’علماء نے تراجم (یعنی تراجم بخاری) کے حل کے لیے بہت سے اُصول متعین کیے ہیں۔ اُن کی روشنی میں تراجم کو حل کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ شاہ وَلی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دِیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے حل تراجم کے لیے کچھ رہنما اُصول بیان کیے ہیں۔ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور نے ’’مقدمہ لامع‘‘ میں شیخین کے اُصول کو بھی جمع کر دِیا ہے۔ اور اُن پر مزید اُصول کا اِضافہ فرما کر اُن کا عدد ستر تک پہنچا دِیا ہے۔ اِسی طرح اِمام بخاری اَکثر اَبواب وتراجم میں قرآنی آیات کے ذِکر کا اہتمام کرتے ہیں اور تفسیری مقاصد کی نشاندہی کرتے ہوئے یہ بھی بتاتے جاتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کا مسئلہ قرآنِ کریم کی کس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ (مستقل کتاب التفسیر اس کے علاوہ ہے)۔ عقائد واِیمانیات، مغازی وتفسیر قرآن، فتن وملاحم، اشراط ومناقب اور آداب وغیرہ تمام ابواب کی اَحادِیث اِمام بخاری رحمہ اللہ نے جمع کی ہیں اور ہر جگہ اَپنی اِس کتاب کی جملہ خصوصیات کو برقرار رَکھنے کا اہتمام فرمایا ہے۔ کتاب اور اُس کا مصنف رحمہ اللہ دونوں شہرت ومقبولیت کے

اوجِ کمال تک پہنچے ہوئے ہیں۔ اِسی لیے صحیح بخارِی کی خدمت جس کا نصیب ہو جائے، وہ اہلِ زمانہ کی نظر میں قابلِ رَشک اور لائق ذِکر ہوتا ہے۔ یہ خدمت دَرس کی ہو یا ترتیب مراجعت کی۔ یا تحشیہ وتشریح کی یا دُوسرے کسی نہج پر ہو، بہرکیف بڑی سعادَت ہے''۔

سچ فرمایا کہ سنت نبوی کی خدمت خواہ کسی جہت سے ہو، یقیناً بڑی سعادَت ہے۔ مولانا جمشید صاحبؒ بھی انہی اَفراد میں سے تھے جنہوں نے سارِی زِندگی دِین ہی کے لیے وَقف کر دِی تھی اور اللہ نے زِندگی کے آخری پندرَہ برس اُنہیں بخارِی شریف کی تدرِیس کی توفیق عطا فرمائی۔ بخارِی پڑھانے میں مولانا کا البیلا اُسلوب تھا۔ بالکل ایسے جیسے کتب حدیث میں اور تراجم اَبواب میں اِمام بخارِیؒ کا اُسلوب البیلا ہے۔ محدثین کی عادَت یہی ہے کہ اَپنی کتاب کی ابتداء کسی امتیازِی مضمون سے کرتے ہیں۔ بعض نے اپنی کتاب کو ''کتاب الایمان'' سے شروع کیا ہے۔ امام ابنِ ماجہ نے اَپنی کتاب کی اِبتداء ''اعتصام بالسنة '' سے کی ہے اور اس اِفتتاحیے سے یہ تعلیم دِی ہے کہ دِین آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کے طریقے اور سنت کا نام ہے اور دِین کو صحیح حالت میں باقی رَکھنے کے لیے سنت و بدعت میں فرق ضرورِی ہے۔ جو کتب فقہی اَبواب پر مرتب ہیں، جیسے سننِ ترمذی اور سننِ ابودَاوٗد اُن کے مصنفین نے مسائل طہارَت سے اِبتداء کی کہ دِین کا ستون تو نماز ہے، لیکن نماز جیسی اَہم ترین عبادَت وضو پر موقوف ہے۔ اِمام مالکؒ نے اَپنے موطأ کی اِبتداء ''باب وقوت الصلاة '' سے فرمائی ہے، کیونکہ نماز کی اَدائیگی صحیح وَقت کے تعین پر موقوف ہے۔ ایسے ہی اِمام مسلمؒ نے اَپنی کتاب کی اِبتداء مسئلہ اسناد سے کی، کیونکہ دِین کا مدار سنت ہے اور اس میں صحیح وسقیم کا اِمتیاز اسناد پر موقوف ہے۔ ایسے ہی اِمام بخارِیؒ نے اَپنی کتاب کے لیے جو اِفتتاحیہ منتخب فرمایا ہے، وہ سب سے اَلگ ہے کہ کتاب الایمان سے پہلے ایک باب ''کیفیت بدء الوحی'' کا رَکھ دِیا، حالانکہ اِیمان اصل ہے اور اُس کی اصل توحید ہے۔ تو اِمام بخارِیؒ کی غرض یہ ہے کہ جو چیز بھی منقول ہو، اُس وَقت تک وہ معتبر ومستند نہیں، جب تک وحی کی طرف منسوب نہ ہو۔ جب سب کا مدار وحی پر ہے، تو سب سے پہلے وحی کی عظمت، عصمت،

صداقت اور بزرگی کو تسلیم کرنا ہے۔ وحی کا اِعتماد اور وثوق تسلیم کرنے کے بعد جو چیز اُس کی طرف منسوب ہوگی، سب کو ماننا پڑے گی۔ گویا ہر چیز کی صحت و اِعتماد کا وجود عظمت وحی سے وابستہ ہے اور باب 'کیف کان بدء الوحی' پورِی کتاب کا (جو کہ کتاب الایمان سے شروع ہوتی ہے) مقدمہ ہے کہ میری کتاب اُس وَقت مستند ہوگی جب وہ اللہ کی وحی کی طرف منسوب ہوگی اور جب وحی کی عظمت رَاسخ ہو جائے گی تو سارِی کتاب قابلِ تسلیم ہوگی۔ (انتھیٰ ملخصا، از فضل الباری، صفحہ ۱۱۹).

اِبتداءِ بخارِی کے موضوع پر مولانا محمد علی صدیقی کاندھلویؒ کے ایک خط کا اِقتباس اِس مقام کے نہایت مناسب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اَدبی شہ پارہ بھی ہے فرماتے ہیں:

''تم نے ''الجامع الصحيح المسند إلىٰ رسُولِ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَليه وسلَّم فی أيامه وسُنَنِه '' کا بارہا مطالعہ کیا ہوگا اور کتاب الایمان سے پہلے بڑی لمبی لمبی بحثیں پڑھی ہوں گی، مگر کبھی خیال بھی نہ آیا ہوگا کہ امام صاحب کتاب الایمان سے پہلے بدء وحی کے عنوان کے تحت مختلف اَحادِیث کیوں لائے ہیں اور اَپنے مخاطبوں کے ذہن میں کیا بات اُتارنا چاہتے ہیں۔ اَفسوس کہ خط کا محدود دَائرہ تفصیل سے مانع ہے، وَرنہ جی چاہتا ہے کہ سینہ بخارِی سے اُبلی ہوئی علمی طاقت کو ان سینہ چاک دریوزہ گروں کے سامنے رَکھوں جو اَدب سے محروم اَپنی خلوتوں میں حضرت اِمام بخارِی رحمہ اللہ پر زبان دَرازیاں کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اِرشادَاتِ نبوت کی نگرانی میں اُن کی جلالت شان کیا ہے؟ مگر کیا کروں، اَپنی بے بضاعتی، علم کی کمی اِس رَاہ میں سنگ گراں ہے۔

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اِمام بخارِی نے بدء وحی کے عنوان میں ''رسول اللہ'' کے اِضافہ سے نبوت و رِسالت کی تعریف کی ہے۔ تعریف کے مدلل کرنے کے لیے آیاتِ وحی میں سے سورۃ مائدۃ کی آیت: إِنَّـا أَوحَيْنَا إِلَيْکَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلىٰ نُوْحٍ وَّالنَّبِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِه ...'' الیٰ آخرہ کا اِنتخاب کیا۔ صرف یہ بتانے کے لیے نہیں کہ وحی ایک مشترک المعانی لفظ ہے، بلکہ یہ سمجھانے کے لیے کہ اَنبیاء دو طرح کے ہوتے ہیں: مؤسّسین۔ مجدد دِین۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسلم کی ذَاتِ گرامی کا تعلق اَوّل الذکر قسم سے ہے۔

نبوت کی تعریف کے بعد ضرورَتِ نبوت بتانے کے لیے مشہور حدیث ''إِنَّـمَـا

الأَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ‘‘لائے ہیں۔ سمجھایا ہے کہ اَقدار ہوں یا اَخلاق، اَعمال ہوں یا اَقوال، اُن کی قدر و قیمت اور اِفادیت کا مدار صرف دو چیزیں ہیں: ایک رُوح، دُوسرے ڈَھانچہ۔ رُوحِ عمل کو مصادر اور عمل کے ڈَھانچے کو مظاہر کہتے ہیں۔ لٰہذا جیسے اَعمال و اَخلاق کے لیے مصادر میں اللہ کی رضا شرط ہے، ایسے ہی مظاہر میں اللہ جل شانہ کی وحی سے موافقت ہونی چاہیے اور بس۔ یہ متعین ہو جانے کے بعد کہ رسول وہ ہے جس کے پاس اللہ کی وحی آئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں۔ پیغمبر بھی مؤسس۔ اَعمال کے مصادر میں اللہ کی رضا اور مظاہر میں اللہ کی وحی پیش نظر ہونی چاہیے۔

اَب سمجھانا یہ چاہتے ہیں کہ وحی کیا ہوتی ہے؟ مگر اِرَادتاً اُسے چھوڑ کر کیفیت وَالی حدیث لے کر آئے ہیں، صرف یہ بتانے کے لیے کہ وحی وہ معلوماتی ذَریعہ ہے جو ہمارے اِدرَاک کی گرفت میں نہیں آ سکتا ہے۔ یہ اللہ کی دین ہے محنت اور ریاضت سے حاصل نہیں ہوتی۔ ہم کچھ جان سکتے ہیں، تو وہ وحی نہیں، بلکہ وحی کی آمدی کیفیت ہے اور وہ بھی صرف تمثیل کے درجے میں، عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے اِسی طرف اِشارہ کیا ہے۔

اس کے بعد آغازِ وحی میں نبوت سے پہلی زِندگی نبی شناسی کا اَخلاقی اور نوعی پیمانہ بتانے کے لیے عائشہ رضی اللہ عنہا اور شخصی پیمانہ بتانے کے لیے دَربارِ ہرقل کی لمبی دَاستان لا کر کتاب کے دِیباچہ کو ختم کیا ہے۔ دَرمیان میں یہ بتانے کے لیے کہ نبی بننے میں خود نبی کی ریاضت اور محنت کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ حضرت اِبنِ عباس رَضی اللہ عنہما کی حدیث لے کر آئے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی لانا اور وحی کے ذَریعہ نبی بننا تو بڑی بات ہے، نبوت ملنے اور وحی آنے کے بعد بھی، خود وحی کو حافظہ میں اَپنی قوت سے محفوظ رَکھنا بھی نبی کی دَسترس سے باہر ہے‘‘۔ انتہیٰ بلفظہ۔ (نقوشِ زنداں صفحہ ۲۵۵ تا ۲۵۶)

گو ہمارِی تحقیق یہ ہے کہ: یہ سب باتیں اور تراجمِ اَبواب پر کی جانے وَالی اِس قسم کی عرق ریزی اور ذہنی وَرزِش نکتہ بعد الوقوع کی حیثیت رَکھتی ہے، یعنی ضرورِی نہیں کہ اِمام بخارِی رحمۃ اللہ علیہ کے ذہن میں بھی یہی نکتہ ہو، جو بیان کیا جا رہا ہے، یا اُن کی مراد یہی ثابت کرنا تھا، لیکن اِتنا ضرور ہے کہ تشحیذ اذہان کے لیے یہ ایک اچھا موضوع ہے اور آہستہ آہستہ آدمی کا ذہن دُور کی کوڑِی لانے کے قابل ہو جاتا ہے۔

بہرحال مذکورَہ بالا نکات کی اِبتداء میں اَگر اِس بات کی زیادتی کر لی جائے کہ:

’’اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی جس مخلوق کی طرف اُتارِی جانی تھی، اُس کا وجود وحی سے مقدم ہونا اور وحی کو سمجھنے کی اِستعداد رَکھنا بھی ضرورِی تھا اور پھر وحی جن چیزوں کا مکلّف بنائے، اُس کی اَدائیگی میں کوتاہی ہونے یا نہ ہونے کو جانچنے کے لیے ایک ایسی زِندگی ہونا بھی ضرورِی تھی جو اس تکلیفی زِندگی کے بعد ہو چنانچہ اللہ کے اِس قول: ’’وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَیْهِ ‘‘میں اِسی طرف اِشارَہ ہے‘‘۔

تو مولانا جمشید صاحبؒ کا بخارِی شریف کو پڑھاتے ہوئے، (باب: کیف کان بدء الوحی) کی بجائے (کتاب: بَدء الخلق) سے پڑھانا شروع کرنا صاف سمجھ میں آتا ہے۔ اور صرف سمجھ ہی نہیں آتا، بلکہ تراجمِ اَبواب بخارِی پر مجتہدانہ نظر کا بھی علم ہوتا ہے۔ تقسیم کار کا اُصول اُمت کے ہر شعبے میں جارِی و سارِی ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مولانا کی زِندگی اور صلاحیتوں کا مصرف دَعوت و تبلیغ کی محنت اور اُس کے تقاضے رہے ہیں، لیکن اس سب کے باوجود گمان یہی ہے کہ اَگر حضرت مولانا صحیح بخارِی کے ’’اَبواب و تراجم‘‘ کے موضوع پر قلم اُٹھاتے تو اَپنے پیشرو حضرات: صاحب ’’الـمُتوَازِی عَلیٰ تَرَاجِم البُخَارِی ‘‘ناصرالدین اِبنِ منیر، صاحب ’’تَرجُمَان التَّرَاجِم ‘‘اِبنِ رشید، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب ’’تَرَاجِم بُخَارِی ‘‘اور صاحب ’’الأَبْوَابِ وَالتَّرَاجِم ‘‘شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی طرح کوئی مفید اِضافہ ضرور فرما دیتے۔ بہرحال اللہ کے ہاں مختلف رِجالِ اُمت کی صلاحیتوں کو اُن کے صحیح مصرف میں کھپانے کے لیے اَسباب کا بہترین تکوینی نظام موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ مولانا کی یہ اِجتہادِی شان اُن کے پڑھے ہوئے تعلیمی نصاب و نظام کی مرہونِ منت ہے اور یہ بالکل دُرست ہے کہ ایک عرصہ سے ہندی مسلمانوں کا چلا آتا نظامِ تعلیم و تربیت ایک محکم اور مضبوط بنیاد کا حامل نظام ہے اور اَپنی ٹھوس اِفادِی حیثیت کو منوائے ہوئے ہے۔ مولانا سیّد مناظر اَحسن گیلانیؒ نے یہ کہہ کر کہ:

’’تعلیم تو نام ہی اُس کا ہے کہ جس میں جتنی صلاحیت بالقوہ ہو، اُسے بالفعل کر

دے''۔(پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت، صفحہ ۲۸۵)۔

تعلیم کی کتنی دِل کو لگتی تعریف کی ہے۔ظاہر ہے ہر فردِ بشر کی علمی اِستعداد اور قوتِ حفظ اوروں سے جدا ہے، لیکن تعلیمی نظام کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ: طالب علم کی صلاحیتیں جیسی بھی ہوں، تعلیمی مراحل کی بدولت، اُن صلاحیتوں کی تمرین اور اُن کے بار بار کے تدرِیجی اِستعمال سے طالب علم کا ذہن اِس قدر چستی سے غور وفکر کرنے اور نتائج اَخذ کرنے لگے کہ قوتِ حافظہ سے مطلوبہ مواد کو قوتِ فکریہ کے غور وفکر کے مراحل طے کرواکر برمحل اور برموقع چسپاں کردے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے صحاحِ ستہ کو دَرسی نصاب میں رِوَاج دینے سے پہلے، قدیم ہندوستان اور موجودَہ ہند و پاکستان میں اَحادِیث مبارکہ کے جو مختلف متون، وَقتاً فوقتاً زیرِ دَرس رہے ہیں، اُن میں المصابیح، مشکاۃ المصابیح اور مشارِق الانوار کا نام قابلِ ذِکر ہے۔اَوّل الذکر دونوں کتابیں تو محتاجِ تعارف نہیں، اَلبتہ مشارِق الانوار کے نام سے دو کتابیں ملتی ہیں۔ایک قاضی عیاض رحمہ اللہ (ت:۵۴۴ھ) کی ''**مشارِق الانوار فی اقتفاء صحیح الآثار**''ہے، جس میں موطأ اِمام مالک، صحیح بخارِی اور صحیح مسلم کی حدیثوں کے مغلق اور مشکل اَلفاظ کی تشریح کی ہے، معنیٰ بتائے ہیں اور رَاویوں کے نام ضبط کرنے کے ساتھ ساتھ اوہام وتصحیفات کی نشان دہی کی ہے اور دُوسری کتاب جس کی طرف اِشارَہ کرنا یہاں مقصود ہے، وہ علامہ حسن بن محمد صغانی لاہورِی رحمہ اللہ (ت:۶۵۰ھ) کی ''**مشارق الانوار النبوية، من صحاح الاخبار المصطفويه**''ہے، جو صحیحین کی صرف قولی حدیثوں کا مجموعہ ہے، جو عوامل نحویہ پر مرتب ہے۔

ان دونوں کتابوں کی تدرِیس کا جو اُسلوب ہندوستان میں زمانۂ قدیم سے رَائج رہا ہے، وہ محض سردِ اَحادِیث کا کبھی نہیں رہا۔مشکاۃ المصابیح کی تدرِیس کے دَوران تفصیلی فقہی و اُصولی مباحث آج بھی دُرُوس میں تازہ ہیں، لیکن مشارِق الانوار کی تدرِیس موقوف ہو کر دورَۂ حدیث میں صحاحِ ستہ دَاخلِ نصاب ہو گئی ہیں۔جب

ہندوستان میں مشارِق الانوار پڑھی پڑھائی جاتی تھی، تب کا ایک قصہ حضرت مولانا سیّد مناظر اَحسن گیلانی رحمہ اللہ کی زبانی سنیے، فرماتے ہیں:

''میر خورد، جو سلطان المشائخ کے دیکھنے وَالے ہیں، اُن کا بیان ہے کہ: حدیث کا وہی مجموعہ جس میں دو ہزار دو سو چھیالیس بحذفِ اَسناد، علامہ صغانی نے صحیحین (بخارِی و مسلم) کی حدیثیں جمع کی ہیں، یہ مجموعہ حضرت نظام الاولیاء نے صرف پڑھا نہیں تھا، بلکہ ''مشارِق الاَنوار رایاد گرفت'' (سیر الاولیاء ص۱۰۱) یعنی سلطان جی کو بخارِی ومسلم کی دو ہزار دو سو چھیالیس حدیثیں زبانی یاد تھیں۔صرف یہی نہیں کہ اُنہوں نے اِس مجموعہ کو یاد کیا تھا، بلکہ اُن کی سند بھی میر خورد نے نقل کی ہے۔اُن کے اُستاد مولانا کمال الدین سند میں یہ اِرقام فرمانے کے بعد: ''**بأن قرأ هذا الأصل المستخرج من الصحيحين علىٰ ساطر هذه السطور**'' یہ الفاظ لکھتے ہیں کہ: ''قراءۃ بحث و إتقان وتنقیح معانیه وتنقیة مبانیه''۔یہ پڑھائی اُن کو اِس طریقہ سے ہوئی کہ کامل بحث وتحقیق، استوارِی و اتقان کی پابندی کی گئی۔حدیثوں کے معانی کی تنقیح کی گئی اور ان کی بنیادوں کو کھود کھود کر ظاہر کیا گیا۔(نظامِ تعلیم وتربیت ص۱۱۹)۔

اِن مختصر سے اَلفاظ میں ہندوستان میں صدیوں سے رَائج تدرِیس حدیث کے اُسلوب کو سمیٹ دِیا گیا ہے، گو مختلف اَدوَار میں، حدیث کے نصاب میں مختلف کتب دَاخل رہیں۔چنانچہ سلطان الاولیاء کے زمانے میں مشارِق الانوار پڑھائی جاتی تھی، تو بعد میں مشکاۃ المصابیح پڑھائی جانے لگی۔ظاہر ہے کہ حدیث کی ایک مبسوط و معتبر کتاب اِس طرح پڑھا دینے کے بعد کہ ہر ہر باب میں تنقیح معانی ومبانی کی مشق کرادِی جائے، طالب علم کی کافی ذہنی تمرین وتشحیذ ہو جاتی ہے۔علمائے دِیوبند کے علمی سلسلہ کے سرخیل حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پڑھا، اَپنے وَالد مرحوم سے پڑھا تھا، جو مشہور معقولی عالم میر زاہد کے اَرشد تلامذہ میں تھے۔حدیث کا سرمایہ جو ہندوستان سے پڑھ کر حرمین گئے تھے، وہ کل یہ تھا:

''اَز علم حدیث، مشکاۃ تمام آں خواندہ شد، الا فوتے یسیر از کتاب البیع تا کتاب الادب...طرفے اَز صحیح بخارِی تا کتاب الطہارت''۔

کہ حدیث میں پوری مشکاۃ، بجز چند اَبواب یعنی کتاب البیع سے کتاب الآداب تک میں نے پڑھی تھی اور بخاری شریف کا ایک حصہ یعنی صرف کتاب الطہارت تک پڑھا تھا۔

گویا ہندوستان کے لحاظ سے اِنتہائی دَرجے کے طالب علم تھے، جنہوں نے پڑھنے کی حد تک وہی مشکاۃ، مذکورَہ بالا رَائج اُسلوب کے مطابق پڑھی تھی۔ لیکن باوجود اِس کے جن کی عمریں دَرسِ حدیث ہی میں گزری تھیں، وہ کہتے ہیں کہ حدیث کے معانی وہی بتاتے تھے، میں تو صرف لفظ بتاتا تھا۔ اور یہ بھی یہی بات کہ شاہ صاحب نے حجاز میں اُستادوں سے جو حدیث پڑھی تھی، وہ بطریقۂ سَرد ہی پڑھی تھی۔ چنانچہ اَپنے اَساتذہ کے طریقۂ دَرس کا ذِکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مختار شیخ حسن عجمی واحمد قطان وشیخ ابوطاہر وغیر ایشاں طریقہ سرد بود''۔

اور گزر چکا کہ سرد کا مطلب فقط اِس قدر ہے کہ:

شیخ سمع، یا قاری وے تلاوت کند، بے تعرض مباحث لغویہ وفقہیہ و اَسماءِ رِجال وَغیراں''۔

اُس کے بعد کیا یہ کہنا صحیح ہوسکتا ہے کہ شاہ صاحب نے اَپنی کتابوں ''حجۃ اللہ البالغۃ، مسوّیٰ، ازالۃ الخفاء'' وَغیرہ میں حدیثوں کے جو معانی بیان کیے ہیں، جن پہلوؤں کی طرف اُن کا دماغ گیا ہے، وہ طریقۂ سرد کی اس تعلیم کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔ بلا شبہ اَلفاظ اور سند کی حد تک حدیث وہ حجاز سے ضرور لائے، لیکن معانی کا اِنکشاف اُن پر جو کچھ ہوا، ظاہر ہے کہ اُس میں زیادہ تر دخل تو اُن کے خداداد دل و دماغ ہی کو ہے، لیکن تعلیم تو نام ہی اُس کا ہے کہ جس میں جتنی صلاحیت بالقوہ ہو، اُسے بالفعل کردے اور اسی لیے ہندوستانی نظامِ تعلیم کا حق ہے کہ شاہ وَلی اللہ کی دماغی تربیت کے سلسلہ میں اُس کا جو حصہ ہے، اُس سے اِس کو محروم نہ کیا جائے۔ (مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت، صفحہ ۲۸۴ تا ۲۸۵)۔

یہ حقیقت ہے کہ بعض طالب علموں کا ملکہ حفظ قوی ہوتا ہے، تو بعض کی پرواز فکر زِیادَہ ہوتی ہے۔ اگرچہ دونوں صلاحیتیں خداداد ہیں، مگر ظاہری اَسباب میں اُستاد کے سبق کو اَچھی طرح سمجھنا اور اشکال کے قابل بات کے بارے میں سوال کرکے تشفی کرتے رہنا

ایک ضروری چیز ہے، جو ہندی نصاب و نظامِ تعلیم میں عرصے سے رَائج ہے۔ مشہور مؤرّخ اِبنِ خلدون نے اَپنے مقدمہ میں آٹھویں صدی میں اِسلام کے مغربی ممالک (یعنی اندلس، فارس، مراکش وَغیرہ) میں تعلیمی اِنحطاط کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ:

''فتجد طالب العلم منهم، بعد ذهاب الكثير من أعمارهم في ملازمة المجالس العلمية سكوتا لا ينطقون ولا يفاوضون. وعنايتهم بالحفظ أكثر من الحاجة فلا يحصلون علىٰ طائل من ملكة التصرف في العلم والتعليم''۔ (مقدمۃ تاریخ اِبنِ خلدون ۱:۴۳۱)۔

کہ تم (اس ملک کے) طالب علم کو دیکھو گے کہ اُن کی عمر کا بیشتر حصہ مجلسوں (یعنی تعلیمی مجلسوں) میں صرف سکوت اور خاموشی کے ساتھ گزر گیا، اِس طور پر کہ وہ ان مجلسوں میں کچھ نہیں بولتے۔ مفاوضہ یعنی سوال و جواب نہیں کرتے۔ اُن کی توجہ زِیادَہ تر غیر ضروری طور پر یاد کرنے اور حفظ میں صرف ہوتی ہے۔ اُس سے کوئی نفع اُن کو حاصل نہیں ہوتا یعنی علم اور تعلیم میں خود سوچنے سمجھنے اور تصرف کی قابلیت اور ملکہ ان میں پیدا نہیں ہوتا۔

اِسی بنیاد پر اُنہوں نے اَپنی رَائے یہ قلم بند کی ہے کہ:

''أيسر طرُق هذه الملكة فتق اللسان بالمحاورة والمناظرة في المسَائل العلمية فهو الذي يقرب شأنها ويحصل مرامها''۔

کہ اس ملکہ اور قابلیت کے حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہی ہے کہ زبان، سوال و جواب اور مناظرہ کے لیے علمی مسائل میں کھولی جائے اور یہی چیز اس ملکہ اور قابلیت سے آدمی کو قریب کرتی ہے اور جو مقصد ہے وہ حاصل ہوجاتا ہے۔ (مقدمہ تاریخ اِبنِ خلدون ۱:۴۳۱)۔

مولانا محمد جمشید علی صاحبؒ کے طرزِ تدرِیس کو بیان کرتے کرتے قلم پھسل کر کہاں سے کہاں جا پہنچا۔ کہنا یہ چاہتا تھا کہ: ہندو پاک میں رَائج پرانے بوریائی نظامِ تعلیم کے تعلیمی مراحل میں طلبہ کی صلاحیتوں کی تمرین اور اُن کے مسلسل تدرِیجی اِستعمال کے ساتھ ساتھ سوال و جواب کی اِجازت اور تکرار وغیرہ کی پابندی، ایسی بے بہا خصوصیات ہیں جو شاید کسی بھی دُوسرے نظامِ تعلیم میں نہیں ہیں اور چونکہ مولانا جمشید صاحب رحمۃ

اللہ علیہ بھی اِسی ٹوٹے پھوٹے بوریائی طریقۂ تعلیم کے اِدارہ کے آفتاب و ماہتاب تھے، اِس لیے اُن کے سبق میں طلبہ کو سوال کرنے کی عام اِجازت تھی۔ یاد ہے کہ دورۂ حدیث وَالے سال میں ہمارے ساتھیوں کی تعداد سوا تین سو کے لگ بھگ تھی اور مولانا بھی کبر سنی کی وجہ سے کچھ اُونچا سنتے تھے اور مائیکروفون لگا کر سبق پڑھایا کرتے تھے، اِس لیے یہ تو ممکن نہ ہوتا تھا کہ جس کے ذہن میں جو سوال آئے، کھڑا ہو کر پوچھ لے، اَلبتہ متبادل طریقہ یہ تھا کہ پرچی پر لکھ کر آگے بیٹھے ہوئے ساتھی کو پکڑا دے، وہ مزید آگے بیٹھے ہوئے ساتھی کو پکڑا دیتا اور ہوتے ہوتے مختلف اَطراف سے پرچیاں اُستاد جی کے قریب بیٹھے متعین ساتھی کے پاس پہنچ جاتیں اور وہ گاہے گاہے مولانا کے سامنے پیش کرتا رہتا اور مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ جواب دیتے رہتے۔ کہنے کو تو یہ سادہ اور خاموش سا طریقہ ہے، لیکن پیش آمدہ اشکالات کے جوابات کے حصول کا ایک ضروری حصہ ہے۔

چونکہ شرکاءِ دورۂ حدیث پچھلے سال میں مشکاۃ المصابیح کو تفصیلی ابحاث کے ساتھ پڑھ چکے ہوتے تھے اور بعض دُوسری کتابوں میں اَساتذہ کی بقدرِ ضرورت تقریریں ہوتی رہتی تھیں، اِس لیے مولانا کے سبق میں حدیث کے اَخذ کے تین مشہور طریقوں (یعنی سرد، بحث وحل اور امعان وتعمق) میں سے ''سَرْد'' کا غلبہ ہوتا تھا اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا ان تینوں طریقوں پر جو تنقیدی تبصرہ ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''اخذِ حدیث میں ''اِمعان وتعمق'' کا دَرس تو وَاعظوں اور قصہ خوانوں کا طریقہ ہے اور اِس قسم کے پڑھانے وَالوں کا مقصود محض اَپنی فضیلت کا اِظہار ہوتا ہے، یا اُس کے سوا کوئی اور غرض۔ واللہ اعلم۔ بہرحال یہ روایتِ حدیث کا طریقہ ہے، نہ علم حاصل کرنے کا ذریعہ۔

اور حدیث کے باقی دو طریقوں بحث وحل اور سرد کے بارے میں شاہ صاحب کی رائے یہ ہے کہ: بحث وحل کا طریقہ تو اُن لوگوں کے لیے مفید ہے جنہوں نے حدیث شروع کی ہو، مثلاً مشکاۃ المصابیح، یا مشارق الانوار اُن کو شروع کرائی گئی ہو، چنانچہ فرماتے ہیں: ''مبتدیوں اور متوسط اِستعداد وَالوں کے لیے بحث وحل کا طریقہ مفید ہے''۔ اور ہمارے ہاں دَرسِ نظامی میں یہی کیا بھی جاتا ہے کہ مشکاۃ وَغیرہ جیسی کتاب

کے ذَریعہ سے طلباء کو حدیث کے غریب و نادر اَلفاظ کے معانی بتادِیے جاتے ہیں، جہاں کہیں نحوی ترکیب کے لحاظ سے کوئی عبارَت اُلجھ گئی، اُسے سلجھا دِیا گیا اور بقدرِ ضرورَت حدیثی وفقہی بحث بھی کر دی گئی۔ گوایسی فقہی وحدیثی ابحاث جو ہمارے ہاں رَائج ہو چکی ہیں، وہ بھی کسی دَرجے میں بحث وحل کے طریقے سے زائد معلوم ہونے لگتی ہیں، لیکن بہر حال امعان وتعمق کے دَرجے میں ہرگز دَاخل نہیں ہوتیں۔

اُس کے بعد شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ: مبتدیوں اور اہل توسط کو پڑھا دینے کے بعد اُن کے مشایخ حرمین میں سے بڑے شیخ ابو طاہر کا طریقہ وہی سرد کا تھا، جس کا فائدہ شاہ صاحب کے الفاظ میں یہ ہے: ''تا کہ حدیث کے سننے کا قصہ جلد ختم ہو اور رِوَایت کا سلسلہ لوگ دُرست کرلیں''۔

باقی تفصیلی مباحث کے لیے شاہ صاحب فرماتے ہیں: باقی مباحث جو حدیث کے مختلف پہلوؤں سے تعلق رَکھتی ہیں، اُن مباحث کے لیے اُستاد یہ کہہ دیتے تھے کہ حدیث کی شرحوں کی طرف رُجوع کیا جائے، کیونکہ اس زمانہ میں اَب حدیثوں کے معانی و مطالب کو ضبط وگرفت میں لانا، اُس کا دَارومدار شروح ہی پر رہ گیا ہے''۔ (منقول بتغییر یسیر اَز مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، صفحہ ۲۴۱ تا ۲۴۴)۔

بہرحال شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تدرِیس حدیث کا اَنداز اَخذ حدیث کا بہتر اور اَفضل طریقہ تھا۔ اللہ تعالیٰ اُن کے تلامذہ کو بھی کتاب وسنت کی نشر واِشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مولاناؒ بسا اوقات دَورَانِ سبق موضوع سے ہٹ کر تنشیط اَذہان کے لیے کوئی وَاقعہ، کوئی لطیفہ، کوئی شعر بھی سنا دِیا کرتے تھے، جس سے طلبہ دو چار منٹوں میں کافی دیر مزید پڑھنے کے لیے تازہ دَم ہو جاتے تھے۔ جو لطائف مولانا سنایا کرتے تھے، اُن میں ملا دو پیازہ اور بیربل کے بعض مرتبہ پیٹ میں بل تک ڈال دینے وَالے قصے بھی ہوا کرتے تھے، میر باز خان، ملا نصیر الدین اور شیخ چلی کے لطائف کا سننا بھی یاد پڑتا ہے۔ ان سارے قصوں کو تو قلم زد کرتا ہوں، صرف مولانا سے سنے ہوئے چند اَشعار جنہیں مولانا کسی نہ کسی دِینی رَنگ کے ساتھ متعلق کر دِیا کرتے تھے، وہ دَرج کرتا ہوں۔

لیلیٰ مجنوں اپنی اَصل کے اِعتبار سے ہندی قصہ نہیں ہے، لیکن زبان زدِ عام ہونے کے بعد جب عام ہوا تو کسی ہندی شاعر نے اسے یوں نظم کیا ہے جسے مولانا بار ہا سنایا کرتے تھے:

سُنا ہے لیلیٰ کا یہ دستور تھا
بھیک دیتی دَر پہ آتا جو گدا
ایک دِن مجنوں بھی کاسہ ہاتھ لے
آپکارا: کچھ ہمیں للہ! دے
آئی لیلیٰ اور سبھوں کو دے دِیا
ہاتھ سے مجنوں کے کاسہ لے لیا
دے پٹخ مارا زمین پر ایک بار
رقص میں مجنوں ہوا پھر بے قرار
کسی نے پوچھا، اے مجنون خام!
رقص کا تھا، اِس جگہ پر کیا مقام؟
بولا مجنوں: تم میں کوئی عاشق نہیں
عاشقوں کی رَمز سے وَاقف نہیں
کس کے عاشق کے ہوئے ایسے نصیب
کہ بَلا نازِل کرے اُس کا حبیب
یہ بَلا ہرگز نہیں، یہ ناز ہے
یہ بھی محبوب کا اِک انداز ہے

اِس قصے کے مضامین کو بلاتبصرہ یہیں چھوڑ کر آگے جاتا ہوں کہ اِس قصے کو صوفیانا کچھ مشکل نہیں ہے۔ بہرحال اس کے علاوہ اَشعار تو کئی ایک سنے، مگر مکمل نظمیں چند ایک ہی سنیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے اِسماعیل میرٹھی کی نظم ''گرمی'' بھی سنائی تھی جو یہ ہے:

بجے بارہ تو سورج سر پہ آیا
ہوا پیروں تلے پوشیدہ سایا
چلی لو اور کڑاکے کی پڑی دُھوپ
لپٹ ہے آگ کی گویا کڑی دُھوپ

زمین ہے یا کوئی جلتا توا ہے
کوئی شعلہ ہے یا پچھوا ہوا ہے
دَر و دِیوار ہیں گرمی سے تپتے
بنی آدم ہیں مچھلی سے تڑپتے
پرندے اُڑ کے ہیں پانی پہ گرتے
چرندے بھی ہیں گھبرائے سے پھرتے
دَرندے چھپ گئے ہیں جھاڑیوں میں
مگر ڈُوبے پڑے ہیں کھاڑیوں میں
نہ پوچھو کچھ غریبوں کے مکاں کی
زمیں کا فرش ہے، چھت آسمان کی
نہ پنکھا ہے، نہ ٹٹی ہے، نہ کمرہ
ذرہ سی جھونپڑی، محنت کا ثمرہ
اَمیروں کو مبارک ہو حویلی
غریبوں کا بھی ہے ''اللہ بیلی''

آخر میں لفظ ''اللہ بیلی'' خود بھی کیا عجیب بہار دیتا ہے، چہ جائیکہ مولانا کی لَے، بس یوں کہیے کہ سونے پر سہاگہ۔ علاوہ اَزیں یہ شعر بھی بار ہا سنا:

دُھن رے دُھنیے! اَپنی دُھن
پرائی دُھنی کا پاپ نہ پُن
تیری رُوئی میں چار بنولے
سب سے پہلے اُن کو چُن

مولانا کے ہاں تصنع تو تھا نہیں، جو کہتے تھے دِل سے کہتے تھے۔ خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ عشاء کی تعلیم کرَوائی، بعد میں مختصر سی ترغیبی بات کے آخر میں یہ شعر پڑھا:

اِک ہوک سی دِل میں اُٹھتی ہے
اِک دَرد جگر میں ہوتا ہے

ہم رَات کو اُٹھ اُٹھ روتے ہیں
جب سارَا زمانہ سوتا ہے

اللہ کے رَاستے میں نکلنے کے زمانے میں ویسے ہی رِقت قلبی طارِی رہتی ہے، اُوپر سے اہلِ دِل کے دِل سے نکلنے وَالے ایسے اَشعار، باطن میں کیسی آگ لگاتے اور بجلیاں بھرتے ہیں، یہ محسوس کرنے وَالے ہی محسوس کر سکتے ہیں، یا تجربہ کرنے وَالے تجربہ کر کے سمجھ سکتے ہیں، وَرنہ بیان کرنے کے لیے اَلفاظ کا دَامن تنگ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کیفیات کا کوئی ذَرّہ ہمیں بھی عطا فرمائیں۔ آمین۔

یہ ذو معنیٰ اَشعار بھی ملاحظہ فرمائیں:

کر جہاں میں نیک کاموں پر عمل
نیک کاموں کا ملے گا تجھ کو پھل
بولے جو بونا ہے، مہلت آج ہے
آج جو کچھ بوئے گا، کاٹے کا کل
جوگی جگت جانا نہیں، کپڑا رنگا تو کیا ہوا
کفر دل ٹوٹا نہیں کلمہ پڑھا تو کیا ہوا
چوٹ پہ چوٹ کھائے جا آہ نہ کر لبوں کو سی
یہ تبلیغ ہے دل لگی نہیں

ہندی اَدب پر اُردو اَدب کا اَثر کافی گہرا ہے، ایسے ہی اُردو اَدب پر ہندی زبان کا خاصا اَثر ہے۔ شاہ عبد القادِر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۶۷۔۱۲۳۰ھ) نے قرآن مجید کا ایک اُردو ترجمہ کیا تھا اور اُس کے ساتھ مختصر سے حواشی بھی لکھے تھے۔ آپ کا یہ ترجمہ ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۱ء میں مکمل ہوا، جیسا کہ موضح قرآن کے مقدمہ میں مذکور ہے:

''اِس بندہ عاجز عبد القادِر کو خیال آیا کہ جس طرح ہمارے وَالد بزرگ وَار حضرت شیخ وَلی اللہ بن عبد الرحیم محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ فارسی کر گئے ہیں سہل اور آسان، اَب ہندی زبان میں قرآن شریف کا ترجمہ کریں۔ الحمد للہ کہ سن بارہ سو پانچ میں میسر ہوا''۔

اِس بات کو نقل کرنے کے بعد ہمارے اُستادِ محترم جناب مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی صاحب دَامت برکاتہم ''مقدمہ فوائد جامعہ'' میں اِرشاد فرماتے ہیں کہ:

''اِس سے معلوم ہوا کہ ۱۲۰۵ھ تک اُردو کو ہندی زبان سے بھی تعبیر کیا جاتا تھا، حالانکہ ہندی اور اُس کا رسم الخط اور ہے'' انتہیٰ۔

چنانچہ اُردو کے نام وَر شعراء کے ہاں بھی گاہے گاہے اُردو نظم میں ہندی کے اَلفاظ ملتے ہیں۔ اُردو کے کسی مشہور اَدِیب کا کہنا یہ تھا کہ: بعض مفہوم ایسے ہیں کہ اُن کی صحیح تعبیر اُردو کے کسی لفظ سے ممکن نہیں اور جب تک اُن کی اَدائی کے لیے صحیح اور ٹھیٹھ ہندی لفظ اِستعمال نہ کیا جائے، صحیح مفہوم اَدا نہیں ہوسکتا۔ بہرحال اِس طرح کے کئی اَشعار بھی مولانا جمشید صاحب سے سننے میں آتے رہے، جن میں محض اُردو کے نہیں ساتھ ساتھ ہندی (یعنی سنسکرت) کے اَلفاظ کا اِستعمال بھی ہوا ہے، چنانچہ یہ شعر اَکثر مولانا سے سنا:

ہلدی نہ تجے زردی، کھٹرس نہ تجے آم
گُن ونتے گُن نہ تجیں اوگن نہ تجے غلام

مطلب یہ کہ: ہر چیز اَپنی اَصل سے نہیں ہٹ سکتی۔ ہلدی کی اَصل زرد رَنگت ہے، خواہ اُسے کتنا ہی دھولیں، اُس کی زردِی نہ ختم ہوگی۔ ایسے ہی دیسی آم کتنا ہی میٹھا ہو جائے، کسی قدر کھٹاس ضرور باقی رہے گی۔ اور اَچھے لوگ اَپنی اَچھی عادتیں کبھی نہیں چھوڑتے اور نیچ آدمی اوچھی حرکتوں سے باز نہ آئے گا۔

مولانا چونکہ دِیوبند کے تقریباً ساٹھ پینسٹھ سال پرانے فاضل تھے، اِس لیے فارسی زبان پر بھی خوب عبور تھا اور بے تکلف فارسی اَشعار بھی سنادِیا کرتے تھے۔ ایک فارسی شعر یہ پڑھا کرتے تھے:

لنگلے زیریں، لنگلے بالا
نَے غم دُزد، نے غم کالا

ایسے ہی چند مرتبہ یہ شعر سننا بھی یاد ہے:

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ مانند در نوشتن شیر وشیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب منسوب یہ قصہ کسی حدیث کی کتاب میں تا حال نظر سے نہیں گزرا کہ: ''ایک چرواہا اکیلا بیٹھا اپنی لَے میں یہ کہہ رہا تھا کہ: اے اللہ! تو میرے سامنے ہوتا تو میں تیری جوئیں نکالتا اور تیرے کپڑے دھوتا اور یہ کرتا اور یہ کرتا'' وَغیرہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سنا تو ڈانٹ دِیا کہ یہ تو غلط باتیں ہیں، جو رَب کی شان کے منافی ہیں، اِس پر وہ ڈر کر چپ ہوگیا........الخ۔ علامہ رُوم رحمہ اللہ نے اِس قصہ کو اَپنی مثنوی میں نظم کیا ہے۔ اس کا یہ آخری شعر بھی مولانا بارہا سنایا کرتے تھے:

تو برائے وَصل کردن آمدی
نَے برائے فصل کردَن آمدی

پہلے ذِکر کر چکا ہوں کہ ایک مرتبہ مولانا نے ہمیں غالبًا اَفسر میرٹھی کی مکمل ریل گاڑی بھی سنائی تھی۔ خیال تھا کہ کاغذات میں کہیں نقل کی ہوئی مل جائے گی، مگر اَبھی تک کہیں نہیں ملی۔ حافظے میں مکمل محفوظ نہیں ہے، بس چند ایک اشعار مولانا کے مخصوص اَنداز کے ساتھ یاد رہ گئے ہیں:

سر سے دُھواں اُڑا کر، چنگھاڑ مارتی ہے
کھا پی کے آگ پانی بھرتی ہے اک سپاٹا
ہفتوں کی منزلوں کو، گھنٹوں میں اس نے کاٹا

یہ مولانا کے شعری ذَخیرے کی چند جھلکیاں ہی ہیں، بہت سے اَشعار سننے کے بعد حافظے پر اِعتماد کرتے ہوئے لکھے نہ تھے، وہ اَب ذہن سے اُتر گئے اور کچھ ایسے بھی تھے کہ نوٹ تو کیے تھے، لیکن جن کاپیوں پر نوٹ کیے تھے، گاؤں وَالے گھر کے بوسیدہ مکان کی چھت گرنے سے جو چیزیں ضائع ہوئیں، اُن میں وہ بھی ضائع ہوگئیں۔

دَعوت وتبلیغ کی محنت سے منسلک ہونے اور رَائے ونڈ میں آ جانے کے بعد مولانا نے اَپنی زِندگی کا محور بس یہیں کی ذِمّہ دَاریوں کو نبھانا بنالیا تھا۔ پھر کسی اور شعبے میں نہیں لگے، لیکن اِس سے پہلے جب ٹنڈو الہ یار میں پڑھایا کرتے تھے، تب کاروَانِ اُمت کے دِیگر مسائل پر بھی مکمل نظر رَکھتے اور بقدرِ اِستطاعت حصہ لیتے تھے۔ ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء میں اُردو زبان میں ایک اِستفتاء دربارۂ تحقیق حال مسٹر غلام احمد پرویز، جامعۃ العلوم

الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی آیا جس میں غلام پرویز نامی مشہور منکر حدیث کے عقائد و نظریات کو اُس کی کتب سے نقل کرکے اس کے کفر کے بارے میں پوچھا گیا تھا۔ بعد میں حضرت العلامہ مولانا سیّد محمد یوسف بنورِی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اُسے عربی میں مرتب کر کے عرب علماء کے پاس بھی بھجوایا، چونکہ پرویز کی اِلحادِی تحریفات صریح کفریات تھیں، اِس لیے عرب وعجم کے تمام علماء ومفتیانِ کرام نے اُسے کافر قرار دِیا۔ اُردو میں اُس کا جواب حضرت مولانا مفتی وَلی حسن ٹونکی رحمہ اللہ نے لکھا، جس پر تائیدی دستخط حضرت مولانا محمد یوسف بنورِی اور حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ جواب سامنے آ جانے کے بعد اُسے شائع کر کے عام علماء کے پاس تحقیق وتصدیق یا تصویب کی غرض سے بھیجا گیا۔ تمام علماء نے اس کے کفریہ عقائد کی مزید توثیق کی، چنانچہ اُن سے تائیدی دستخط لے لیے گئے۔ اس کے بعد اسے دوبارہ اس نام سے شائع کیا گیا:

''علماءِ اُمت کا متفقہ فتویٰ: پرویز کافر ہے''

اور جن جن علماء نے تائیدی دستخط کیے تھے، اُن کی تفصیل بھی دَرج کر دِی گئی۔ میرے پاس اسی دُوسرے ایڈیشن کا نسخہ ہے۔ اس پر تارِیخ طباعت تو دَرج نہیں، اَلبتہ اِتنا درج ہے: شائع کردَہ: شعبۂ تصنیف، مدرسہ عربیہ اِسلامیہ، جامع مسجد نیوٹاؤن، کراچی نمبر ۵۔ جب یہ فتویٰ پہلی بار شائع ہوا تھا، تو اَپنے پیش روگمراہوں کی طرح مسٹر پرویز نے بھی یہی کہنا شروع کر دِیا کہ: مولوی لوگ تو فتویٰ بازِی کرتے ہی رہتے ہیں، ان کے فتووں کا کیا اِعتبار۔ چنانچہ اُس کے جواب میں ہندوستان سے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ نے ایک تحریر لکھی تھی، جو متفقہ فتوے کی طباعت کے وَقت شروع میں چھاپ دِی گئی ہے۔ مولانا محمد عبدالرشید نعمانی صاحب نے پیش لفظ بھی اسی قسم کے جوابی مضمون پر مشتمل تحریر فرمایا تھا۔ مولانا نعمانی کی تحریر کے آخر میں ۹ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ کی تارِیخ پڑی ہوئی ہے اور مولانا نعمانی نے اس جگہ جو کچھ لکھا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ اس قابلِ قدر تحریر کو آخر میں بطورِ ضمیمہ نقل کر دِیا جائے گا۔ کہنا یہ تھا کہ: اُس فتوے کی ایک کاپی تائیدی دستخط حاصل کرنے کے لیے دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار بھی بھجوائی

گئی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُن دِنوں وَہاں پڑھایا کرتے تھے۔ مدرسۂ مذکورَہ کے جن اَکابرین نے اُس پر دستخط کیے، اُن میں مولانا جمشید صاحبؒ بھی شامل ہیں۔ ذیل میں ''توقیعاتِ علمائے سندھ'' کے ضمن میں ''دَارُالعلوم اِسلامیہ ٹنڈو الہ یار'' کے جلی عنوان کے تحت مذکور مکمل تحریر نقل کی جاتی ہے، جس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ اُن دِنوں مولانا جمشید صاحبؒ دَارُالعلوم میں کن کن جلیل القدر اَکابرین کے ساتھ اُن کی موجودگی میں وَہاں پڑھایا کرتے تھے۔ تحریر دَرج ذیل ہے:

دَارُالعلوم اِسلامیہ ٹنڈو الہ یار

۶۵۔ احتشام الحق تھانوی (مہتمم دَارُالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ)۔

۶۶۔ الجواب صحیح۔ كنت أدخل غلام احمد پرویز فی فرقة الخوارج أولا مثلهم ولكنه جاوز الحد، وارتكب الإلحاد والزندقة جهارا، كالفرقة الباطنية الملحدة، فلا شكَّ فی كُفرِه، وزندقته وإلحاده. فاللّٰهُ يهديه ويصلح باله۔ ظفر اَحمد عثمانی عفا اللہ عنہ۔

۶۷۔ ما أحسن ما أجاب وأجاد. الجواب صحيح بلا مرية. وهذا الرجل كافر ملحد مرية. محمد وجيه. خادم دار الافتاء والتدريس بدار العلوم الاسلامية، ٹنڈو الہ یار۔

۶۸۔ جو عبارَات مستفتی نے غلام احمد پرویز کے مسلک کی نقل کی ہیں، بلا شبہ قرآن، حدیث، اِجماعِ اُمت کے خلاف دِین کی کھلی ہوئی تحریف ہے۔ لہٰذا اِس شخص کے کافر، زِندیق، مرتد اور ملحد ہونے میں کوئی شبہ اَز رُوئے دِینِ اِسلام نہیں۔ محمد جمشید علی عفی عنہ، مدرّس دَارُالعلوم ٹنڈو الہ یار، سندھ۔

۶۹۔ المجیب مصیب۔ عبدالرحمٰن فرید پوری، خادم دارالعلوم ٹنڈو الہ یار۔

۷۰۔ الجواب صواب. وَكفر من يعتقد تلك المعتقدات صريح. واللّٰه أعلم، وعلمه أتم وأكمل. محمد لطافت الرحمن، كان الله له۔ مدرس دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار۔

۷۱۔ الجواب صحیح۔ مطلوب الرحمٰن، عفا عنہ الرحمٰن۔

۷۲۔ الجواب صحیح۔ اِستفتاء میں مندرجہ عبارَات اور عقائد باطل اور شریعت اِسلامی کی صریح تحریف وتوہین اور اِستہزاء ہے۔ ان کا مصنف، اس کے متبعین اور اِشاعت کنندگان دَائرۂ اِسلام میں رہنے کے لیے اہل نہیں اور نہ اس کے مسلمان رہنے اور اُن سے اِسلامی تعلقات رَکھنے کے لیے کوئی وَجہ باقی ہے، بلکہ ملت اِسلامیہ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ دِینِ اِسلام کے ساتھ اِس قسم کا اِشتعال اَنگیز اِستہزاء اور توہین کرنے وَالے کو وَاقعی سزا دے اور اِس قسم کے لٹریچر کی اِشاعت ممنوع قرار دِی جائے اور موجودَہ اِسٹاک ضبط کرکے ضائع کر دِیا جائے۔ وہو الموفق۔ محمد محبوب الٰہی عفی عنہ۔ مدرّس دارالعلوم اسلامیہ، ٹنڈو الہ یار۔

۷۳۔ احقر محمد عبد المالک الکاندہلوی غفر اللہ لہ۔ خادم الحدیث دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار۔ انتہیٰ۔ (متفقہ فتویٰ، صفحہ نمبر ۱۵۲۔۱۵۳)۔

مولانا کی سندِ حدیث:

مولانا جمشید صاحبؒ کی حدیث کی سند کے بارے میں مختصراً کچھ عرض کرکے اِس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ مولانا جمشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین اَحمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے۔ آپ نے دَارُالعلوم دِیوبند میں پڑھا اور دورۂ حدیث بھی وہیں سے کیا۔ صحیح بخارِی شریف حضرت مولانا سیّد حسین اَحمد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی۔ اُن کے علاوَہ مولانا اِبراہیم بلیاوِی صاحب، مولانا اِعزاز علی صاحب اور مولانا فخر الدین صاحب رحمہم اللہ وَغیرہ سے بھی اَسباق پڑھے۔ دَارُالعلوم دِیوبند آنے سے پہلے جلال آباد میں مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ سے بھی پڑھا تھا اور وہیں کوئی کتاب مولانا سلیم اللہ خان صاحب سے بھی پڑھی تھی۔

اِتنا تو معلوم ہوا ہے کہ حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اَپنے بچپن میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات ہی میں اَپنے گاؤں بھیسانی سے تھانہ بھون آجاتے تھے۔ بلکہ آپ نے حسن پور لوہاری میں پانچ جماعتیں

پڑھنے کے بعد خانقاہِ اِمدادیہ اَشرفیہ تھانہ بھون کے مدرسہ ہی میں حفظ شروع کیا تھا۔

اَب اَگر آپ کی پیدائش ۱۹۲۸ء ہی کی ہے جیسا کہ حاجی صاحب نے آپ کی وَفات کے بعد فرمایا تھا کہ میری پیدائش ۱۹۲۲ء کی ہے اور مولوی جمشید کی پیدائش ۱۹۲۸ء کی ہے۔ تو تقریباً گیارَہ بارَہ سال کی عمر میں آپ نے تھانہ بھون آ کر حفظ شروع کیا تھا۔ اِس لحاظ سے حضرت تھانویؒ کی زِندگی کے آخری تقریباً چار پانچ سال میں اُن کی زِیارَت کا موقع آپ کو ملتا رہا ہے، کیونکہ حضرت تھانویؒ کی وَفات ۱۹۴۳ء کی ہے۔ اَب یہ معلوم نہیں کہ آپ نے حضرت تھانویؒ سے نورَانی قاعدے یا قرآن کی اِبتداء کی تھی یا نہیں، اَلبتہ وہیں خانقاہ کے مدرسہ میں قارِی رحمت اللہ صاحب سے جو سبعہ قراءات کے مشہور اُستاد تھے، حفظ کیا۔ بظاہر آپ حفظ مکمل کرنے کے بعد کتابیں پڑھنے کے لیے حضرت تھانویؒ کی زِندگی ہی میں جلال آباد حضرت تھانویؒ کے خلیفہ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کے پاس چلے گئے تھے۔ یہ بھی پتہ نہیں چل سکا کہ جب کتابیں پڑھنا شروع کیں، تو برکت کے لیے کسی کتاب کی اِبتداء حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے بھی کی تھی یا نہیں۔ اَگر کہیں سے مزید وَضاحت مل جائے، تو پھر مولاناؒ کے علوم وفنون کی سند حضرت تھانویؒ سے بھی متصل ہوسکتی ہے، وَگرنہ بصورَتِ دِیگر آپؒ کی مشہور سند مولانا حسین اَحمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ہی متصل ہے۔

ہمارے ہاں حدیث کی سند کے عموماً تین مرحلے بیان کیے جاتے ہیں:

پہلا مرحلہ: اُستادِ حدیث سے مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک۔

دُوسرا مرحلہ: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے اَصحابِ کتب ستہ تک۔

تیسرا مرحلہ: اَصحابِ کتب ستہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسلم تک۔

تیسرے مرحلے کے تمام رَاوِی تو ہر ہر حدیث کے شروع میں کتاب کے اَندر لکھے ہوئے موجود ہیں، لہٰذا اُنہیں کھوجنے کی چنداں ضرورَت نہیں ہے۔

دُوسرے مرحلے کے رَاویوں کے تذکرے مختلف شیوخ کے اَثبات وفہارس میں موجود ہے۔ مثال کے طور پر حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی

کتاب ''عجالہ نافعہ'' دیکھ لی جائے۔

اَلبتہ پہلے مرحلے کے اَساتذہ کا سلسلہ ہر اُستاد اَپنے سبق میں بیان کر دِیا کرتا ہے کہ میں نے یہ کتاب کن اَساتذہ سے پڑھی تھی اور اُنہوں نے کن سے اور اِس سلسلے کو حضرت مولانا شاہ وَلی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا دِیا جاتا ہے۔

یہاں اِس مختصر سی تحریر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین اَحمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حضرت شاہ وَلی اللہ صاحب دہلویؒ تک کی اَسانید ذِکر کی جاتی ہیں۔ اور چونکہ حضرت مولانا جمشید علی صاحبؒ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بلا وَاسطہ شاگرد ہیں، اِس لیے اِن چند سطور کو حضرت مولانا جمشید صاحبؒ کا مختصر سا ثبت بھی کہا جا سکتا ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دورۂ حدیث ۱۹۵۰ء میں کیا تھا، اور مولانا نے خود اس کی صراحت کی تھی کہ: میں نے حضرت مدنیؒ سے بخارِی شریف اور ترمذی شریف پڑھی ہے۔ بہرحال مولانا کی سند کا خاکہ یوں ہے:

۱: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب نے حدیث (بخاری وترمذی) پڑھی شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی صاحب سے۔

۲: شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی نے حدیث پڑھی شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی صاحب سے۔

۳: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی نے حدیث پڑھی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب سے۔

۴: حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب نے حدیث پڑھی حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی صاحب سے۔

۵: حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی صاحب نے حدیث پڑھی حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب سے۔

۶: حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب نے حدیث پڑھی حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی صاحب سے۔

۷: اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے حدیث پڑھی حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب سے۔

اس طرح ہمارے اور حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان سات، اور حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب اور شاہ صاحب کے درمیان چھے واسطے بنتے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض اور طرق سے بھی حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو اجازات حاصل ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب نے حدیث (بخاری وترمذی) پڑھی شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی سے۔

۲: شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی نے حدیث پڑھی شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی صاحب سے۔

۳: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی نے حدیث پڑھی قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب سے۔

۴: قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب نے حدیث پڑھی حضرت مولانا شاہ عبدالغنی دہلوی مجددی صاحب سے۔

۵: حضرت مولانا شاہ عبدالغنی دہلوی مجددی صاحب نے حدیث پڑھی حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب سے۔

۶: حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب نے حدیث پڑھی حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی صاحب سے۔

۷: اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے حدیث پڑھی حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب سے۔

اس کے علاوہ شیخ الہند مولانا محمود حسن کو مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمہ اللہ سے اجازتِ حدیث حاصل تھی۔ ان کے علاوہ مولانا محمد مظہر نانوتوی، اور مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی صاحب سے بھی اجازتِ حدیث حاصل ہے۔ اور حضرت مولانا محمد

قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو حضرت علامہ مولانا شاہ عبد الغنی دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست اجازتِ حدیث بھی دلوادی تھی، چنانچہ اس طرح یہ تمام اسانید ایک درجہ عالی بن جاتی ہے۔ ان اسانید کا خاکہ درج ذیل ہے:

۱: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب نے حدیث (بخاری وترمذی) پڑھی شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی سے۔

۲: شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی نے حدیث پڑھی شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی صاحب سے۔

۳: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی نے حدیث پڑھی حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمہ اللہ سے، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی صاحب رحمہ اللہ سے، اور حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی صاحب سے۔

۴: مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، مولانا محمد مظہر نانوتوی صاحب، اور مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی نے حدیث پڑھی حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب سے۔

۵: حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب نے حدیث پڑھی حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی صاحب سے۔

۶: اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے حدیث پڑھی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب سے۔

اس کے علاوہ حضرت مدنی کو بواسطہ شیخ الہند، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی محدث دہلوی مجددی کی جس عالی سند کی اجازت حاصل ہے، اس کا خاکہ درج ذیل ہے:

۱: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب نے حدیث (بخاری وترمذی) پڑھی شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی سے۔

۲: شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی نے حدیث پڑھی شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی صاحب سے۔

۳: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی نے حدیث پڑھی حضرت مولانا شاہ عبدالغنی دہلوی مجددی صاحب سے۔

۴: حضرت مولانا شاہ عبد الغنی دہلوی صاحب مجددی نے حدیث پڑھی حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب سے۔

۵: حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب نے حدیث پڑھی حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی صاحب سے۔

۶: اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے حدیث پڑھی حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب سے۔

اس مشہور سلسلۂ سند کے علاوہ، مولانا حسین احمد مدنی کو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے بھی اِجازتِ حدیث حاصل تھی۔اس اجازت کا خاکہ یوں ہوگا:

۱: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب نے حدیث (بخاری وترمذی) پڑھی شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی سے۔

۲: مولانا حسین احمد مدنی نے حدیث پڑھی مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب سے۔

۳: مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے حدیث پڑھی مولانا مظہر نانوتوی صاحب سے۔

۴: مولانا مظہر نانوتوی نے حدیث پڑھی مولانا مملوک علی نانوتوی صاحب سے۔

۵: مولانا مملوک علی نانوتوی نے حدیث پڑھی مولانا رشید الدین کشمیری صاحب سے۔

۶: مولانا رشید الدین کشمیری نے حدیث پڑھی مولانا عبد العزیز دہلوی سے۔

۷: اور مولانا شاہ عبدالعزیز نے حدیث پڑھی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

سے۔

اس کے علاوہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور سند بھی ہے، جو حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی صاحب رحمہ اللہ کے واسطے کے علاوہ ہے۔حضرت مولانا سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کو، حضرت مولانا مظہر نانوتوی صاحب سے بھی حدیث کی اجازت حاصل ہے، چنانچہ اس ایک درجہ عالی سند کا خاکہ یہ ہے:

۱: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب نے حدیث (بخاری وترمذی) پڑھی شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی سے۔

۲: مولانا حسین احمد مدنی نے حدیث پڑھی مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب سے۔

۳: مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے حدیث پڑھی مولانا مظہر نانوتوی صاحب سے۔

۴: مولانا مظہر نانوتوی صاحب نے حدیث پڑھی مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب سے۔

۵: مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب نے حدیث پڑھی مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی صاحب سے۔

۶: اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے حدیث پڑھی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب سے۔

اِن اَسانید میں چھے اور سات وَاسطوں کا فرق صاف ظاہر ہے۔اِن اَسانید کے تفصیلی تکرار سے مضمون اَگرچہ کافی طویل ہوگیا، لیکن سہولت کے پیشِ نظر اسے برداشت کرلیا گیا ہے۔

اِن اَسانید کے علاوَہ حضرت مدنیؒ کی وہ اَسانید بھی ہیں، جو اُنہیں علماءِ حرم سے حاصل تھیں۔ چنانچہ آپ کو شیخ حسب اللہ شافعی مکی، مولانا سیّد اَحمد برزنجی مفتی شافعیہ، اور شیخ عبدالجلیل برّادہ رحمہم اللہ سے بھی اِجازتِ حدیث حاصل ہے۔(اِن اَسانید میں

سے سب سے عالی سند شیخ عبدالجلیل برّادہ کے وَاسطے سے بنتی ہے، جس کا تذکرہ آ بھی آ تا ہے)۔ اِن تمام شیوخ کا تذکرہ حضرت مولانا حسین اَحمد مدنی رحمہ اللہ نے اَپنی یک وَرقی سندِ اِجازتِ حدیث: ''الإجازة المُسندة'' میں اَپنے قلم سے خود کیا ہے۔

کچھ عرصہ قبل میں نے ''مجموعة إجازات ورسائل الإمام محمد عابد السندی'' کی تحقیق مکمل کی۔ جب مقدمہ لکھا تو اُس کے آخر میں اَپنی امام محمد عابد سندھی تک کی اَسانید کو بھی دَرج کر دِیا۔ عموماً جو اَسانید ہم سے لے کر شیخ محمد عابد سندھی تک پہنچتی ہیں، اُن میں ہمارے اور شیخ عابد کے دَرمیان پانچ وَسائط ہیں۔ بعض اَسانید ایسی ہیں جو چار وَسائط پر مشتمل ہیں اور تین وَسائط پر مشتمل صرف ایک سند کا علم ہو سکا۔ بحمد اللہ تعالیٰ مجھے اَپنے ایک عرب دوست کی وساطت سے یہ اِجازت بھی حاصل ہو گئی۔

اس کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ مراکش میں شیخ عبدالحیؒ بن عبدالکبیر کتانی کے بیٹے شیخ عبدالرحمٰن ابھی زِندہ ہیں جو معمرین میں سے ہیں، تقریباً اٹھانوے برس عمر ہے۔ وہ اَپنے وَالد صاحب سے رِوَایت کرتے ہیں اور اُن کے وَالد عبدالحیؒ کتانی ایک وَاسطے سے شیخ محمد عابد سندی کے شاگرد ہیں، جس کا ذِکر اُنہوں نے اَپنے خاصے ضخیم ثبت: ''فهرس الفهارس والأثبات'' میں کیا ہے۔ میرے دوست بیروت سے مراکش گئے، شیخ عبدالرحمٰن کتانی کی خدمت میں حاضر ہوئے جہاں اَپنے لیے اجازتِ حدیث لی، میرے لیے بھی طلب کر لی۔ شیخ نے زبانی اِجازت تو فوراً دے دِی، تحریری اِجازت کا بھی وَعدہ کر لیا کہ لکھ کر بھی دے دوں گا اور بعد میں اِجازت لکھ بھی دِی۔ چنانچہ اِس طرح میرے اور شیخ عابد سندھی کے دَرمیان صرف تین وسائط رہ گئے، جو انتہائی عالی سند ہے۔

اِنہی اَسانید کے سلسلے میں اُستاد محترم حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی نعمانی دَامت برکاتہم (مشرف تخصص فی الحدیث جامعہ بنورِی ٹاؤن) سے بھی اِستفسارَات کیے اُستاد جی نے اِتنی بات مزید بتائی کہ حضرت مدنیؒ کو بیک وَاسطہ، علامہ محمد عابد سندھی سے اِجازت حاصل ہے۔ یہ دَرمیانی وَاسطہ کون سے شیخ ہیں؟. باوجود ذہن پر زور دینے کے یاد نہ آ سکا۔ لیکن اُستاد جی کو اِتنا ضرور یقین تھا کہ ایسا یقیناً موجود ہے۔

کافی تتبع اور تلاش کے بعد ذہن اُستاد جی چشتی صاحب کے اُس مقالے کی جانب منتقل ہوا جو اُنہوں نے حضرت مدنیؒ کی یک ورقی سند پر لکھا تھا اس کی ورق گردانی کرتے کرتے پتہ چلا کہ وہ واسطہ شیخ عبدالجلیل برادہ ہیں اور اُستاد جی چشتی صاحب نے بڑے اِیجاز کے ساتھ موصوف کا ترجمہ لکھتے ہوئے اُن کے اَساتذہ کا تذکرہ بایں اَلفاظ کرَوایا ہے:

''موصوف کے نام وَر شیوخ حسب ذیل ہیں:

۱: احمد منۃ اللہ مالکی ازہری۔ ۲: شاہ عبد الغنی دہلوی۔ (ت: ۱۲۹۶ھ)۔ ۳: اسماعیل بن زین العابدین۔ (والد احمد برزنجی)۔ ۴: سخاوت علی ہندی۔ ۵: یوسف صاوی فریری مدنی۔ ۶: محمد عابد بن احمد سندھی انصاری۔ (۱۱۹۳ھ۔ ۱۲۵۷ھ)۔

(مجموعہ خطبات ومقالات شیخ الاسلام حسین احمد مدنی سیمینار، منعقدہ بہاولپور، صفحہ ۲۰۶)۔

ظاہر ہے کہ اِس عالی سند کی صحیح اور کما حقہ قدر دَانی علم حدیث کے طلباء اور علماء ہی کر سکتے ہیں، لیکن اس دَریافت سے یہ بھی پتہ چلا کہ وہ تمام علماء وطلباء ساتھی، جنہیں شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین اَحمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کسی شاگرد سے حدیث کی اِجازت حاصل ہے، اُنہیں یہ عالی سند بھی حاصل ہے کہ اُن کے اور شیخ محمد عابد سندھی کے دَرمیان صرف تین وَاسطے ہیں۔ بہرحال اس سلسلۂ حدیث کا خاکہ دَرج ذیل ہے:

۱: مولانا محمد جمشید علی خان نے حدیث (بخاری وترمذی) پڑھی مولانا سیّد حسین احمد مدنی سے۔

۲: مولانا حسین احمد مدنی نے حدیث کی اجازت لی شیخ عبدالجلیل برادہ سے۔

۳: شیخ عبدالجلیل برادہ نے حدیث کی اجازت لی رئیس علماء مدینہ منورہ شیخ محمد عابد سندھی سے۔

شیخ محمد عابد سندھی کی تفصیلی اَسانید، اُن کے ضخیم اور اِنتہائی قیمتی ثبت الحَصرُ الشَّارِدُ فِی أَسَانِیدِ مُحَمَّد عَابِد میں موجود ہیں۔

میرا دِن رَات کا اِشتغال چونکہ حدیث ومتعلقاتِ حدیث کے لکھنے لکھانے ہی کا

رہتا ہے اور اِرَادَہ بھی ہے کہ محدثین کرام کی اِتباع میں اَپنا ثبت مرتب کرلیا جائے، اِس لیے موضوع سے متعلق نکات اور شذرَات کو جمع کرنے کا سلسلہ عرصہ سے جارِی ہے۔ ممکن ہے کہ مولانا جمشید صاحبؒ کے تلامذہ میں سے کوئی اور صاحب بھی اِسی نکتے، یعنی مولانا جمشید صاحبؒ یا رَائے ونڈ مرکز کے اَساتذۂ حدیث کے سلاسل کو موضوع بنائیں اور بہت سے تفصیلی وتحقیقی نکات سامنے آئیں۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلیٰ اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ.

اِن سطور کی وساطت سے تمام قارئین سے اِلتماس ہے کہ اِس موضوع پر کسی کے پاس تفصیلی یا اِجمالی کسی بھی قسم کی معلومات ہوں، تو اِفادَۂ علمی سے دریغ نہ کریں اور رَاقم کو ماہنامہ دَارُالتقویٰ کے وَاسطے سے اِرسال فرمائیں، تاکہ اِس سلسلے میں ''وَتَعَاوَنُوْا عَلیٰ الْبِرِّ وَالتَّقْویٰ'' کا مصداق بن کر، حدیث کی اِشاعت کا ذَریعہ بنیں۔

یہ چند سطور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے زیرِ قلم آ گئیں، جن میں اَپنے ماضی کے کچھ وَاقعات کے ساتھ ساتھ نصابِ تعلیم، نظامِ تعلیم، علم حدیث اور علم الاسناد پر بھی کسی قدر لکھا گیا۔ میری رائے ونڈ میں پڑھنے کے زمانے کی ایک ڈَائری میں حضرت مولانا جمشید علی صاحبؒ کا شب جمعہ کے موقعہ پر کیا ہوا ایک بیان محفوظ ہے۔ ظاہر ہے کہ سننے کے دَورَان وہ حرف بحرف تو ضبط نہیں ہوسکتا تھا، لیکن مضمون کا خلاصہ جیسا کیسا ہوسکا لکھ لیا تھا۔ وہ بھی حضرتؒ کی یادگار کے طور پر اِس مضمون کے آخر میں ضمیمہ بنا کر ملحق کر دیتا ہوں۔ آخر میں مولاناؒ کی زِندگی کے مجموعی خاکے پر ایک مصرعہ یاد آ رہا ہے، جی چاہتا ہے کہ وہ قطعہ ہی نقل کر دوں:

حرصِ دُنیا سے نہیں، ہر صاحبِ عُزلت بَری
خانقاہیں اور ہیں، اور دِل کا کونا اور ہے
مدحتِ گفتار کو سمجھو نہ اَخلاقی سَند
خوب کہنا اور ہے، اور خوب ہونا اور ہے

مولانا رحمہ اللہ ویسے بھی صاحب عزلت نہیں تھے، چہ جائیکہ تبلیغی مرکز رَائے ونڈ جہاں اِنسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہر وَقت پاس ہی ہوتا تھا اور نہ ہی مولانا کی اَکثر

زِندگی کسی خانقاہ کے کونے میں بیٹھے گزرِی، ہاں دِل کا کونا مولانا کی فرودگاہ ضرور تھا اور نام وَر خطیب تو دَرکنار معروف معنوں میں مقرر بھی نہ تھے، لیکن اِس سب کے باوجود مولاناؒ اَپنی پورِی زِندگی میں ''خوب کہہ کر'' نہیں ''خوب ہوکر'' دِکھا گئے۔ ۱۹۲۸ء سے لے کر ۲۰۱۴ء تک چھیاسی اور قمری لحاظ سے تقریباً اَٹھاسی برس عمر پائی۔ سارِی زِندگی بے نفسی، خدا خوفی اور اِخلاص کے ساتھ اللہ کے دِین کو پھیلانے کی محنت میں لگے رہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اُنہیں جنت الفردوس میں اَعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہمیں صحیح رُخ پر اِخلاص کے ساتھ دِین کی محنت کرتے رہنے کی توفیق دے کر اُسے قبول فرمائے اور آخرت میں اَپنے مقرب اولیاء کے ساتھ حشر کا وَسیلہ بنائے۔ آمین۔

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلیٰ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ، وَعَلیٰ آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَأُمَّتِہٖ أَجْمَعِیْنَ.

وکتبہ: أحسن أحمد عبد الشکور

ضمیمہ مشتمل بر تحریر مولانا محمد عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

اِقتباس اَز پیش لفظ: پرویز کے بارے میں علماء کا متفقہ فتویٰ

جس طرح باغ کے خودرو پودوں میں بعض کا ضرر کم ہوتا ہے اور بعض کا زِیادَہ، اِسی طرح ان نوابت (یعنی خودرو وخودساختہ اَفکار وخیالات کے حامل اَفراد) میں بھی بعض کا ضرر کم تھا اور بعض کا زِیادَہ۔ ملل ونحل کی تارِیخ جن لوگوں کے سامنے ہے وہ بہ آسانی اَندازہ لگا سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے فرقِ باطلہ میں سے کس فرقہ کا اِس اُمت پر کتنا ضرر مرتب ہوا ہے۔ ان تمام فرقوں میں سب سے زیادہ جس فرقہ سے مسلمانوں کو نقصان پہنچا وہ فرقہ باطنیہ ہے، جس نے سارے اِسلام کی تحریف کر کے یکسر اُسے اِلحاد، زندقہ اور اباحیت کا ہم آہنگ بنانے کی مذموم کوشش کی، لیکن حاملینِ ملت نے فتنۂ باطنیہ کا بیخ و بن سے اِستیصال کر کے رَکھ دِیا اور ان کے تمام اَفکار وخیالات کا قلع قمع کر کے ملت کو اُس کے ضرر سے نجات دِی۔

انگریز کے عہد نحوست مہد میں یہاں جو تحریکیں اِسلام کو مسخ ومحرف کرنے کے لیے

اُٹھیں، اُن میں سے سب سے پہلی تحریک نیچریت کی ہے۔ پھر ایک طرف قادیانیت نے نئی نبوت کے رُوپ میں جنم لیا اور دُوسری طرف چکڑالویت نے اِنکارِ حدیث کا فتنہ برپا کیا۔ اس کے بعد خاکسار تحریک نے سر اُٹھایا اور پھر اُن سب تحریکوں کا سڑا ہوا ملغوبہ مسٹر پرویز کے حصہ میں آیا اور ان سب پر کمیونزم کا تعفن اور مستزاد ہوا۔ چنانچہ پرویزی لٹریچر میں کمیونزم کا پورَا معاشی ڈھانچہ اور اُس کی مذہب بیزارِی، نیچریت کی مادّہ پرستی، قادیانیت کا اِنکار وجود، چکڑالویت کا اِنکارِ سنت، خاکسار کی تحریف و تاوِیل سب خرابیاں یکجا موجود ہیں اور مسٹر پرویز کے قلم کی رَوَانی نے ان غلاظتوں میں اور اِضافہ کر دِیا ہے۔ **فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا عَلٰی رِجْسِهِمْ۔**

علماء کرام نے اَگرچہ فتنۂ پرویزی کے نمودار ہوتے ہی اُس کے خلاف آوَاز بلند کر دِی تھی، لیکن جب اس فتنہ کا زور بڑھنے لگا اور پانی سر سے اُونچا ہو گیا تو تمام علماء کی خدمت میں مسٹر پرویز کے عقائد ونظریات کے بارے میں ایک اِستفتاء پیش کیا گیا اور ہر مکتبِ فکر کے علماء نے بلا کسی اَدنیٰ اِختلاف کے ان عقائد ونظریات کے کفرِ صریح ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دِی اور صاف لکھ دِیا کہ جو شخص اِس قسم کے عقائد وخیالات کا اِظہار کرے، اُس کے کافر وملحد ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ علماء کرام کا جب یہ متفقہ فتویٰ شائع ہوا تو مسٹر پرویز جو سارِی عمر مسلمانوں کی کافرگری میں مشغول رہے اور اُن کو اَپنے خود ساختہ دِین کی طرف دَعوت دیتے رہے، اَپنی تکفیر پر اِس قدر سخت برہم ہوئے کہ یارَائے ضبط نہ رہا اور لگے علماء کی تحقیر کرنے کہ اُن کا تو کام ہی ہے لوگوں کو کافر بنانا۔ مسٹر موصوف سے غصہ میں اور کچھ نہ بن سکا تو وہی پرانا زنگ آلود حربہ نکال لیا، جو اُن سے پہلے اُن کے پیش رَو خاکسار اِستعمال کر چکے تھے اور خاکساروں کا بھی یہ حربہ اَپنا نہیں تھا، بلکہ وہ اُسے قادیانیوں سے مانگ کر لائے تھے۔

تفصیل اِس اِجمال کی یہ ہے کہ جس وَقت قادیانیوں کے خلاف تمام علماءِ اُمت کا متفقہ فتویٰ اُن کی تکفیر کے متعلق شائع کیا گیا، تو مرزا غلام احمد قادیانی کے مشہور چیلے محمد حسن اَمروہوی نے ایک رِسالہ اس مضمون کا مرتب کیا کہ تکفیر تو ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی

ہے، چنانچہ فلاں فرقہ نے فلاں فرقہ کے لیے یہ لکھا ہے اور فلاں شخص نے فلاں کو کافر کہہ دِیا ہے، لہٰذا اس فتویٰ تکفیر سے بالکل متأثر نہ ہونا چاہیے۔

پھر جب خاکساروں کے خلاف فتویٰ نکلا، تو اُنہوں نے بھی اَپنے مرکزِ نشر و اِشاعت ''اِدارہ علیہ ہندیہ'' سے ایک طویل مقالہ اسی مضمون کا شائع کیا اور اس میں وہ تمام باتیں بتمام وکمال دُہرائیں جو محمد حسن قادیانی کے رِسالہ میں مذکور تھیں۔ اَب مسٹر پرویز کے خلاف کفر کا فتویٰ شائع ہوا تو اُنہیں بھی بمصداق: **أَتَوَاصَوْا بِهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ** ''اَپنے پیش رووں کی یہی غوغا آرائی دِل سے پسند آئی اور لگے اُن کی لَے میں لَے ملانے۔ **تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ، قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ۔**

چنانچہ مسٹر موصوف نے ''اِدارہ علیہ ہندیہ'' کے مقالہ کی مدد سے (۱) فوراً ایک مقالہ ''کافرگری'' کے نام سے لکھا اور اُس کو جابجا شائع کیا تاکہ کسی نہ کسی طرح اس فتویٰ کی اَہمیت کم کر دِی جائے۔ حالانکہ سیدھی سادِی بات یہ ہے کہ اَگر کسی نے کسی کی غلط تکفیر کر دِی تو اُس سے یہ کب لازِم آتا ہے کہ دُنیا میں جب بھی کسی کی تکفیر کی گئی تو وہ غلط ہی کی گئی اور جب بھی کسی کی تکفیر کی جائے گی تو وہ ہمیشہ غلط ہی ہو گی۔ روزانہ ڈاکٹروں سے علاج میں غلطی ہو جاتی ہے، جج اَپنے فیصلوں میں غلطی کرتے رہتے ہیں، لیکن کتنا اَحمق ہے وہ شخص جو یہ کہنے لگے کہ ڈاکٹروں کا تو کام ہی ہے غلط علاج کرنا اور ججوں کا تو شغل ہی ہے ہمیشہ غلط فیصلے دینا۔

پھر ایک ہے کہ ایک دو ڈاکٹروں یا ایک دو ججوں کا غلطی کرنا اور ایک ہے تمام ڈاکٹروں اور تمام ججوں کا ایک فیصلہ پر متفق ہو جانا۔ جو شخص ان دونوں میں فرق نہ کرے وہ کتنا بے وقوف ہے۔ پھر جس طرح علاج کا ایک اُصول ہے، مقدمات کے جانچنے کا ایک طریق ہے، اِسی طرح کفر و اِسلام کے اِمتیاز کا بھی ایک معیار ہے۔ مسٹر پرویز کا کفر اِتنا وَاضح ہے کہ ہر عامی جو اِسلام کے مبادیات سے وَاقف ہو، اُن کے خیالات وعقائد پر مطلع ہونے کے بعد اُن کے کفر میں شک نہیں کر سکتا۔ چنانچہ مسٹر پرویز کے عقائد ونظریات آپ کے سامنے ہیں، آپ پڑھ کر خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ **اَللّٰھُمَّ**

أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا، وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَه، وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ۔

محمد عبدالرشید نعمانی ۹ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ

(پرویز کے بارے میں علماء کا متفقہ فتویٰ: صفحہ س،ع)۔

---

(۱): مسٹر پرویز نے اَپنے اس مقالہ کی تیاری کے سلسلہ میں ''اِدَارَہ علیہ ہندیہ'' کا جن اَلفاظ میں شکریہ اَدا کیا ہے، وہ یہ ہیں: .....''ہم نے ان فتووں میں سے پیشتر کو محترم پیر رَشید الدولہ صاحب، سجادَہ نشین حضرت شاہ دولہ صاحب گجرات کے ایک مقالہ سے لیا ہے، جسے اِدَارَہ علیہ ہندیہ اچھرہ لاہور نے شائع کیا تھا اور جس کا عنوان تھا: ''کفرزارِ اسلام'' یعنی مولوی کو غلط مذہب، نمبر ۱۰۔ حوالے بھی وہیں سے نقل کیے گئے ہیں۔ اس کے لیے ہم پیر صاحب کے شکر گزار ہیں''۔(طلوع اسلام۔اپریل ۶۲ء)۔

....

''چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لو ظننت ......اگر مجھے اس بات کا گمان ہو جاوے کہ کتے مدینے میں گھس کر ازواج مطہرات کے پیر پکڑ کر یا گھسیٹ کر لے جائیں گے تو بھی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نافذ کر کے رہوں گا۔ تو یہ بنیاد ہمارے لیے قیامت تک کے لیے عام ہوگئی کہ ہم حالات کے غلام نہیں، ہم حالات کے تابع نہیں، ہم تو احکام کے غلام ہیں، احکام کے تابع ہیں، ہر آن ہر گھڑی ہر حال میں اللہ کی منشاء اور اللہ کی مرضی اور اللہ کا حکم یہ ہے ہمارا اصل سرمایہ! کہ اللہ کی منشاء کیا ہے، مرضی کیا ہے، اللہ کیا چاہتے ہیں، ہمیں تو اللہ کی چاہت کو جان دینی اور اللہ کی منشاء پہ مرنا ہے اور سب کچھ قربان کرنا اللہ تعالیٰ کی منشاء اور مرضی پہچاننے میں خود لگنا اور اس کی دعوت دے کر دوسروں کو لگانا ہے، یہی ہمارا موضوع اور مقصود ہے، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لشکر روانہ کیا، مدینہ لشکر سے خالی، اللہ حالات کو دیکھ رہے ہیں کہ انہوں نے میرے نبی کو دیکھا، حالات کو نہیں دیکھا''۔

(شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحبؒ

حوصلہ وہمت کی ایک خاموش داستان

(ولادت ۱۹۲۸ء.........وفات ۲۰۱۴ء)

مفتی اسد اللہ خان

فاضل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ ومدرس جامعہ امداد العلوم الاسلامیہ مسجد درویش پشاور شہر

۱۷/ دِسمبر ۲۰۱۴ء کو میں لاہور جامعہ دَارُالتقویٰ، جامع مسجد الہلال، چوبرجی پارک لاہور گیا تھا، یہاں سے ماہنامہ نکلتا ہے، اِدَارَہ کا اِرَادَہ ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان رحمۃ اللہ علیہ پر مستقل ایک نمبر شائع کرے، ساتھیوں نے مجھ سے بھی مضمون لکھنے کی خواہش کی، جس کے لیے یہ مختصر مضمون پیش خدمت ہے۔

مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ میں ہر سال دورَۂ حدیث وَالے ایک کتاب چورِی چھپے شائع کرتے تھے، جس میں شیوخِ حدیث کے حالات اور دورہ کے ساتھیوں کے پتے ہوتے تھے، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء میں یہ کتاب ''المصابیح للأنام فی عالم الظلام'' کے نام سے چھپی ہے، جن صاحب نے حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات لکھے وہ دَاد کے قابل ہیں، پورَا مضمون ملاحظہ فرمائیں:

''تذکرہ اُستاذ بخارِی شریف: قدوَۃُ الصلحاء وَالعلماء وَالمبلغین حضرت الحاج الحافظ مولانا محمد جمشید علی خان صاحب زید مجدہم، شیخ الحدیث وصدرُ المدرّسین، مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ''۔

لکل زمان واحد یقتدی بہ وھذا زمان انت لاشک واحدہ

قلندرِ وَقت، زہدِ ابوذرؓ وسلیمانؑ کا منہ بولتا ثبوت، علم، دَعوت وتصوف کا بحر بیکراں، حکمت تھانویؒ اور مجاہداتِ مدنی کا مظہر، قرونِ سابقہ کے اَسلاف، صلحاء واتقیاء کی زِندہ جاوید مثال، اِخلاص وللّٰہیت کے پیکر، تبلیغی جماعت کے رُوحِ رَوَاں، اُستاذُ المحدثین حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب ۱۹۲۸ء میں قصبہ بھیسانی، تحصیل کیرانہ، ضلع مظفر نگر، یوپی (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ پرائمری تک اِبتدائی عصری تعلیم آبائی گاؤں میں

ہی حاصل کی اور حفظ قرآن کے لیے خانقاہ تھانہ بھون کے مدرسہ میں تشریف لائے۔

دِینی تعلیم:

حفظ قرآن کے بعد دَرسیات کے لیے مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد ضلع مظفر نگر حضرت تھانویؒ کے خلیفہ اَجل حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ کے زیر سایہ اِبتدائی تعلیم فارسی، صرف ونحو، اَدب، اُصولِ فقہ، شرح جامی، حسامی تک حاصل کی اور اسی مدرسے میں حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا۔ اُس کے بعد علوم وفنون کی تعلیم کے لیے ایشیاء کی عظیم دَرس گاہ اَزہر الہند، دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وَہاں تمام فنون کی تکمیل کے بعد ۵۲،۱۹۵۱ء میں دورَۂ حدیث میں شرکت فرمائی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین اَحمد مدنیؒ، اِمام الادب حضرت مولانا محمد اِعزاز علیؒ اور حضرت مولانا اِبراہیم بلیاوِیؒ اور دِیگر مشاہیرامت سے اکتسابِ فیض کیا۔

دَعوت وتبلیغ کی طرف آمد:

دورَۂ حدیث سے فراغت کے بعد ۱۹۵۲ء میں پاکستان ہجرت فرمائی اور دَارُالعلوم ٹنڈو الہ یار سندھ میں حضرت مولانا ظفر اَحمد عثمانیؒ کے زیرِ اہتمام اور دِیگر اکابر علماء ومشائخ کے زیرسایہ اَپنی تدرِیس کا آغاز فرمایا اور مسلسل بارَہ سال تک اِنتہائی جانفشانی کے ساتھ علوم وفنون اور حدیث شریف کا دَرس دیا۔ اُس وَقت حضرتؒ شب وروز دَرس وارشاد میں مصروف تھے اور ساتھ ہی ساتھ حضرت شیخ مولانا اَشرف علی تھانویؒ کی تحریک ''صیانۃ المسلمین'' میں شامل ہوکر ذِمّہ دَارَانہ حیثیت سے اُمت مرحومہ کی اِصلاح کے لیے عملی خدمات بھی اَنجام دے رہے تھے۔ لیکن مسبّب الاسباب کو آپ کی افادیت عام کرنا مقصود تھی۔ چنانچہ مجدِ دِتبلیغ حضرت مولانا محمد اِلیاسؒ کی تبلیغی تحریک کی دَعوت دَارُالعلوم ٹنڈو الہ یار تک پہنچی، دَورَانِ وضو تبلیغی جماعت کے ایک میواتی بھائی نے مسواک کے نہ ہونے کی وَجہ سے آہ بھری، اُس آہ نے مولانا کے دِل کو متأثر کردِیا اور اس رَاہ کا رَاہی بنادِیا۔

چشم ساقی تونے رَگ رَگ میں وہ بھردِیں بجلیاں
دُور تک اَب تیرے دِیوانے مچلتے جائیں گے

چنانچہ حضرت نے اِس وَاقعہ کے بعد اَپنے آپ کو رَائے ونڈ مرکز کی تبلیغی وتدرِیسی

خدمات کے لیے وَقف کردِیا اور باوجو پیرانہ سالی اور ضعف واَعذار کے ۱۹۶۴ء سے تاحال اِنتہائی تگ ودو اور مجاہدے اور ہمت سے مصروفِ عمل ہیں۔ ۱۹۹۷ء تک حضرت مختلف علوم وفنون اور تفسیر جلالین جیسی کتابوں کا دَرس دیتے رہے، ۱۹۹۷ء میں حضرت مولانا ظاہر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وَفات کے بعد حضرت صدر مدرّس کے عہدے پر فائز ہوئے اور ۱۹۹۹ء میں جب مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ میں دورَۂ حدیث شریف کا اِجراء ہوا تو آپ کے حصے میں بخارِی شریف آئی اور یوں آپ صدر مدرّس ہونے کے ساتھ ساتھ ''شیخ الحدیث'' کے عظیم منصب پر بھی جلوہ اَفروز ہوگئے۔

دَرس کا اہتمام اور کیفیتِ دَرس:

حضرت مدنیؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ ۳۶ رگھنٹے کے مسلسل سفر کے باوجود سبق کا ناغہ نہ فرماتے تھے، حضرت موصوف حضرت مدنیؒ کی اِتباع میں اِس سنت کو جارِی رَکھے ہوئے ہیں، حضرت کا دَرس تمام دُروس سے مختلف ہوتا ہے۔ چونکہ ہمارے مدرسے کا نظامِ درس ہی کچھ ایسے خطوط پر استوار ہے کہ ابتدائی درجات میں ہی عبارت کا حل کرنا، مطلب بیان کرنا، مشکل اَلفاظ کے معانی بیان کرنا طلباء ہی کے ذمہ ہوتا ہے، لہٰذا حضرت کے درس میں مشکل اَلفاظ وعبارَت کے مطالب، اِختلافِ اَئمہ اور اَحناف کی وَجہ ترجیح کا بیان کرنا قارِی کے ذِمّہ ہوتا ہے۔ تاہم کوئی تارِیخی وَاقعہ یا علم ہیئت یا سائنس یا علم جغرافیہ کا کوئی مسئلہ ہو تو حضرت اِنتہائی شرح وبسط کے ساتھ عام فہم اَلفاظ میں وَضاحت فرماتے ہیں۔

حضرت کے تلامذہ:

سینکڑوں تشنگانِ علم نے آپ سے اِکتسابِ فیض کیا۔ آپ کے تلامذہ مشرق ومغرب، شمال وجنوب، عرب وعجم، رُوس وافریقہ میں اِعلاءِ کلمۃ اللہ کی اِشاعت اور اِحیاءِ علومِ نبویہ کے لیے ساعی وکوشاں ہیں، غرض دُنیا کے جس خطے میں بھی مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ کا فاضل ملے گا اُس نے اُستاذِ محترم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہوگا، فللہ الحمد والمنۃ۔

حضرت کے اَسفار:

مولانا اَگر مدرسہ کا دِل ہیں، تو تبلیغ کی رُوح ہیں۔ چنانچہ مولانا کی صلاحیتیں اور توانائیاں دَعوت وتبلیغ کے لیے بھی ایسے ہی وَقف ہیں جیسے کہ دَرس وتدرِیس کے لیے

وَقف ہیں، پاکستان کے تمام چھوٹے بڑے شہر تقریباً حضرت کی قدم بوسی کر چکے ہیں اور افریقہ اور یورپ کے بعض ممالک اور عرب کے اکثر ممالک میں حضرت کے تبلیغی اَسفار ہو چکے ہیں۔

بیعت وخلافت:

مولانا کا بچپن حضرت مولانا اَشرف علی تھانویؒ کے گھر میں گزرا اور حضرت تھانویؒ کے خلیفہ اَجل حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ سے بیعت کی اور مجازِ بیعت بھی ہوئے۔

ایسی عظیم ہستی کا وجودِ مسعود ہی ہم لوگوں کے لیے باعث خیر و برکت ہے

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو ... گلشن تیری یادوں مہکتا ہی رہے گا

(المصابیح للأنام فی عالم الظلام، فضلاء مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ، سن ۱۴۲۵ھ بمطابق ۲۰۰۴ء، صفحہ نمبر ۲۵ تا ۳۰)۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب سے تلمذ:

مولانا اِبن الحسن عباسی صاحب مدظلہٗ اَپنی مشہور کتاب ''متاعِ وَقت اور کاروَانِ علم'' میں مولانا سلیم اللہ خان صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہاں سے فارِغ ہوئے تو اَپنی اِبتدائی مادرِ علمی ''مفتاح العلوم'' آئے اور تدریس شروع کی، یہ طلبہ کے لحاظ سے ایک چھوٹا سا وِیران مدرسہ تھا جو صرف چھ سات رِہائشی طلبہ پر مشتمل تھا۔ اس کی آب یاری شروع کی اور مسلسل آٹھ سال تک اس کو یوں سینچا کہ اس مختصر سے عرصہ میں اِبتدائی دَرَجات سے لے کر صحاح ستہ کے دورَہ حدیث تک سینکڑوں طلبہ پر مشتمل یہ ایک آباد اور شادَاب مدرسہ بنا۔ حتیٰ کہ اس کی معیارِی تعلیم کا شہرہ سن کر دَارُالعلوم دِیوبند اور جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے اَساتذہ بھی اَپنے بچے یہاں بھیجنے لگے، تبلیغی جماعت کے بزرگ حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب نے یہیں آپ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا اور جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاذِ حدیث وناظم تعلیمات مولانا شمس الحق صاحب نے بھی آپ سے یہاں پڑھا''۔ (متاعِ وَقت اور کاروَانِ علم ص ۲۹۳)۔

مولانا سلیم اللہ خان سے اُنھوں نے کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں، اس کی تفصیل مولانا ساجد اَحمد صدوِی صاحب (سابق اُستاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث جامعہ فارُوقیہ کراچی) نے ایک مجلس میں مجھے بتائی تھی، اِس بارے میں اُن سے رابطہ کیا جاسکتا ہے۔

اللہ کی زِیارَت کا وَاقعہ:

ہمیں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ مولاناؒ کو (خواب میں) اللہ تعالیٰ کی زِیارَت ہوئی ہے۔ بخارِی شریف پڑھتے ہوئے جب اس بحث پر پہنچے تو طلباء نے مولاناؒ سے اِس بارے میں سوال کیا۔ مولانا نے اِس بات کی تصدیق کی کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی زِیارَت نصیب ہوئی ہے۔ (فتح البارِی ۱۲/ ۳۸۷ میں حافظ اِبنِ حجرؒ نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی روٴیت کے بارے میں اِجماع نقل کیا ہے)۔

جنات کا مسئلہ:

عام طور پر تبلیغی حضرات میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق یہ بات بھی مشہور تھی کہ رَائے ونڈ تبلیغی مرکز میں جنات کے لیے اَلگ باقاعدہ نظام ہے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب کا وَہاں باقاعدہ بیان ہوتا ہے، میرے خیال میں یہ بات دُرست نہیں تھی، مولاناؒ چونکہ اَکثر خاموشی سے اَپنے کاموں میں مگن رہتے، جس کی وَجہ سے کچھ پر اِسرار معلوم ہوتے تھے، اِس لیے اُن کی طرف یہ بات منسوب کی گئی تھی۔

شعروشاعری سے دِلچسپی:

موصوف کا ذوق بہت لطیف تھا، اِس لیے شعروشاعری سے بہت دِلچسپی تھی، اَشعار کا ایک بڑا ذَخیرہ یاد تھا اور موقع بموقع اَشعار سناتے تھے۔ اُن کی شعروشاعری پر جناب مولانا احسن احمد عبدالشکور صاحب (فاضل رائے ونڈ متخصص بنورِی ٹاؤن) اَپنے مضمون میں تفصیلی روشنی ڈَالیں گے، اِس لیے میں اِس بارے میں زِیادَہ نہیں لکھتا۔ موصوف کے عام طور پر بیانات بھی سجع سے آرَاستہ ہوتے تھے، جس کا بہت لطف آتا تھا۔

مولانا کی ایک نایاب تحریر اور ایک مختصر اِنٹرویو

اَب یہاں حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مختصر اِنٹرویو نقل کیا جاتا ہے۔ بہاوَل پور میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین اَحمد صاحب مدنی نورَ اللہ مرقدہٗ کے تلامذہ کے بارے میں ایک سیمینار منعقد ہوا تھا، اُس موقع پر جن حضرات نے بیانات ومقالات لکھے تھے، اُن کو مرتب کر کے شائع کیا گیا، حضرت مدنی

رحمۃ اللہ علیہ کے جو تلامذہ شرکت نہ کر سکے، اِدارہ نے اُن کا انٹرویو لیا تھا، انٹرویو کے مروّجہ نظام میں تو اس کو اِنٹرویو نہیں کہا جاسکتا، اَلبتہ جن دونوں حضرات سے متعلق یہ اِنٹرویو ہے، اُن کے بارے میں دو تین اَلفاظ بھی قیمتی ہو جاتے ہیں:۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب مدظلہ العالی سے ملاقات

سوال: سنا ہے کہ آپ حضرت مدنیؒ کے شاگرد ہیں اگر ہیں تو کس سن میں فراغت پائی اور اَپنے اُستاذ کے بارے میں اَپنا آنکھوں دیکھا حال بیان فرما دیں تو بڑی مہربانی ہوگی، آپ نے حضرتؒ کو اَپنے زمانۂ طالب علمی میں اور شریعت میں کس حد تک محتاط پایا۔ آپ نے اَپنے دیگر اَساتذہ یا اُن کے ہم عصر بزرگوں سے سنا ہو حضرت مدنیؒ کے بارے میں؟

جواب: میں نے اُن (حضرت مدنیؒ) سے دورہ پڑھا ہے، ترمذی شریف پڑھی ہے، بخاری شریف پڑھی ہے، میں اُن کا شاگرد ہوں۔

سوال: آپ اَپنے ذَاتی مشاہدات کی روشنی میں حضرت مدنیؒ کے بارے میں کیا رَائے رَکھتے ہیں؟

جواب: بھائی اللہ وَالے تھے، قربانی وَالے تھے، جرأت وَالے اور ہمت وَالے۔ اللہ نے اُن کو سب کچھ دِیا تھا۔

سوال: شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین اَحمد مدنی رحمہ اللہ اور مجددِ تبلیغ حضرت مولانا محمد اِلیاس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کے آپس میں تعلقات پر کچھ یاد ہو تو فرمائیں؟

جواب: حضرت مدنیؒ اور حضرت مولانا محمد اِلیاس صاحبؒ کے آپس میں تعلقات کے بارے میں فرمایا: حضرت مدنیؒ جب نظام الدین آتے تو حضرت مولانا محمد اِلیاس صاحبؒ بہت اَدب کرتے اور جب حضرت جی مولانا محمد اِلیاس صاحبؒ آتے تو حضرت مدنیؒ بہت اَدب کرتے، ہم تو سب کو ایک ہی سمجھتے ہیں، دو نہیں ہیں۔ ایک دوسرے سے حد دَرجہ محبت تھی، ایک دُوسرے کا حد دَرجہ اَدب کرتے تھے۔ حضرت تھانویؒ بھی بہت اِحترام کرتے تھے۔ سب میں اِتنا اَدب تھا ایک دُوسرے کا۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے''۔

(خطبات ومقالات شیخ الاسلام سیمینار بمقام جامعہ سیّدنا اَسعد بن زُرارہ بہاوَل پور، سن ۱۴۲۶ھ/ مارچ ۲۰۰۵ء، ص: ۳۴۶)۔

مولانا جمشید صاحبؒ کا طرزِ تدریس

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دَرسِ بخاری

شریف ''سرد'' کے طریقہ پر تھا، جس میں زِیادہ طویل بحثیں نہیں ہوتی تھیں، کچھ اِس اَنداز میں ہوتا تھا جس اَنداز میں حضرت مولانا سیّد مناظر اَحسن گیلانی صاحبؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کے بخاری شریف پڑھانے کا اَنداز ذِکر کیا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے دَرس کی شان، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دَرس سے مختلف تھی......طالب علم حدیث پڑھتا جاتا اور آپ سنتے جاتے، دورہ میں ترجمہ بزبان اُردو کا قصہ ختم ہو جاتا تھا، اِس لیے کہ مشکاۃ میں حدیث کا متن طلبہ پڑھ چکے ہوتے۔ کہا جاتا ہے کہ دورہ میں شریک ہونے وَالے طلبہ ترجمہ کی ضرورَت سے بے نیاز ہو جاتے ہیں، اِس لیے بطورِ ''سرد'' کے ایک حدیث کے بعد دُوسری حدیث، دُوسری کے بعد تیسری حدیث گزرتی چلی جاتی، لیکن کبھی کبھی ''ہاں چلیے'' کے سوا شیخ الہندؒ کی زبانِ مبارک پر بمشکل کوئی لفظ آتا، گویا قطعی ایک خاموش دَرس تھا۔ جب کوئی ایسی حدیث آجاتی، جو بظاہر مفہوم کے لحاظ سے قطعی طور پر حنفی مذہب کے خلاف ہوتی اور پڑھنے وَالا طالب علم خود رُک کر دَریافت کرتا، یا دُوسرے طلبہ پوچھتے کہ حضرت یہ حدیث تو اِمام ابوحنیفہؒ کے قطعاً خلاف ہے، جواب میں مسکراتے ہوئے بے ساختہ شیخ الہندؒ کی زبانِ مبارک سے یہ اَلفاظ نکلتے: ''خلاف تو ہے بھائی! میں کیا کروں؟ ہاں آگے چلیے'' طالب علم عرض کرتا کہ حضرت! آخر اِمام صاحب کی طرف سے کوئی جواب اِس کا دِیا گیا ہے؟ ''تمہاری کتابوں میں کچھ لکھا ہوگا پڑھ لینا'' یہ فرما کر ٹال دِیا جاتا، طالب علم مصر ہوتا کہ آپ اَپنا خیال ظاہر کیجئے، فرماتے: ''بھائی بڑے بڑے علماء کے حواشی تو تمہاری کتابوں پر چڑھے ہوئے ہیں۔ اُن کو پڑھ لو'' طلبہ کا اِصرار جب حد سے تجاوز کر جاتا، تب نہایت مجمل اَلفاظ میں کچھ اِجمالی اِرشادَات فرما دیتے، اُس وَقت ان اِشاروں کی اَہمیت محسوس نہ ہوتی تھی، لیکن کم اَز کم اَپنی حد تک فقیر یہ کہہ سکتا ہے کہ زِندگی میں بعد کو پڑھنے پڑھانے، لکھنے لکھانے کے طویل مواقع ملے، بغیر مبالغہ کے عرض کر رہا ہوں کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ان اِجمالی اِشاروں کا وَزن روز بروز دِل میں بجائے کم ہونے کے بڑھتا ہی چلا گیا، ایک نہیں، خلافیات کے سلسلے میں بیسوں مسائل میں آخری تحقیقی بات وہی ثابت ہوئی، جن کی طرف حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اِجمالی اِشارے فرمادِیا کرتے تھے۔ خام علم

وَالے طلبہ پر ان پختہ باتوں کا اِبتداء میں کم اَثر ہوتا، وہ پھر اِعتراض کرتے، شیخ الہندؒ ذَرا زِیادَہ گہرے ہوجاتے اور یوں آہستہ آہستہ طالب علموں کو فکر وتحقیق کا خاص طریقے سے وہ عادِی بناتے، لیکن باہر سے دیکھنے وَالا شیخ الہندؒ کے اِس سیدھے سادے طریقۂ دَرس سے اگر متأثر نہ ہوتا، تو جو رَنگ تھا، ظاہر اِقتضاء اُس کا یہی ہوسکتا تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ کمالِ بے نفسی کے بغیر اس قسم کے دَرس کی ہمت عام مدرّسین میں شاید پیدا نہیں ہوسکتی، اس مناظراتی طریقۂ تدرِیس نے بالآخر مجھے اِس فیصلہ تک پہنچادِیا کہ یہ پیر سال خوردہ حد سے زِیادَہ ثاقب ذہن کا مالک ہے''۔ (اِحاطۂ دَارُالعلوم دِیوبند میں بیتے ہوئے دِن صفحہ ۱۰۷)

بخارِی شریف پڑھاتے وَقت چونکہ لمبی تقریریں نہیں ہوتی تھیں، اِس لیے پورِی بخارِی شریف ایک ہی اَنداز سے پڑھنے کا موقع ملا، اَلبتہ حضرت مولانا رحمہ اللہ بخارِی شریف پڑھانے میں ایک اور تبدیلی یہ کرتے تھے کہ رقائق اور آدَاب کے اَبواب پہلے پڑھایا کرتے تھے اور اس کی وَجہ یہ بتاتے تھے کہ عموماً پہلے اَحکامات کے اَبواب پڑھے جاتے ہیں اور پھر اخلاقیات کے اَبواب سے سرسری اَنداز میں گزرَا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ بھی بہت اَہم باتیں ہیں، اِس لیے اُن کو پہلے پڑھایا جاتا ہے۔

یہاں ایک ضرورِی بات عرض کی جاتی ہے کہ تبلیغی مدارِس میں مشکاۃ کے سال تک طلباء پر اُردو شروحات دیکھنے کی سخت پابندی ہوتی ہے، تاہم مشکاۃ اور دورے کے سال میں شروحات دیکھنے کی اِجازت مل جاتی ہے، چونکہ پابندی کے بعد اِجازت ملتی ہے اِس لیے طلباء بہت شوق سے شروحات خریدتے اور مطالعہ کرتے ہیں اور ہوتا یہ ہے کہ ہر کتاب کی تمام شرحیں عموماً دَستیاب ہوجاتی ہیں، اَساتذہ چونکہ زِیادَہ لمبی تقریریں نہیں کرتے اِس لیے دورہ کی کتابوں کی پڑھائی کے ساتھ ساتھ کئی شروحات کا مطالعہ ہوجاتا ہے۔

کچھ یادیں

۲۰۰۴ء میں ہم نے دورہ کیا تھا، ہمارے سال میں کچھ ساتھیوں کے بارے میں یہ مشورَہ ہوا کہ وہ ملک بھر کے دِیگر مدارِس میں دورہ کریں، تاکہ وَہاں تبلیغی کام بھی کریں، اور دِیگر مدارِس کے علماء کے ساتھ مرکز کے رَابطہ کا سبب بھی بنے، مجھے وہ وَقت اَچھی

طرح یاد ہے کہ مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ میں دورہ کی آرزو میں سات آٹھ سال گزار کر آخر میں یہاں سے جارہے تھے تو طرفین کے آنسو رَوَاں تھے، اُس دِن کی اَفسردگی کے عالم کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ صرف یہ عرض کرنا ہے کہ جب آج مولانا جمشید صاحبؒ سے پڑھی ہوئی بخارِی شریف کا نسخہ کھولا تو اُس میں یہ پرچی تھی ''جن لڑکوں کی دُوسرے مدارِس میں تشکیل ہوگئی ہے وہ چاہتے ہیں کہ ایک ایک حدیث پڑھنے کی اِجازت اُن کو مل جائے''۔ اُس کی پشت پر میری لکھائی میں لکھا ہوا ہے: ''۵/محرم ۱۴۲۵ھ کو اُن لڑکوں کے نام پکارے گئے، اُستاذِ محترم مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے اُس موقع پر یہ شعر پڑھا:

تمتع من شميم عرار نجد
فما بعد العشية من عرار

بخارِی شریف پڑھتے وَقت میں نے بعض باتیں نوٹ کی تھیں، جو بخارِی شریف کھولنے پر برآمد ہوئیں، جو بلا ترتیب نقل کردیتا ہوں:

(۱) فرمایا ''بارَات کو بارَات اِس لیے کہتے ہیں کہ وہ رَات کو لے جائی جاتی ہے۔'' (۲) اَکثر غصہ میں آکر یوں ڈانٹتے: ''عقل کا گھوڑا لگے کوڑا''۔ (۳) ''جس گھر میں آئے گا ڈولہ وہیں سے نکلے گا کھٹولہ (جنازہ)''۔ (۴) کارِ پاکاں رَا قیاس اَز خود مگیر، گرچہ مانند در نوشتن شیر وشیر۔ (۵) ''وَہاں کی بات اور ہے اور یہاں کی بات اور، اور یہ بات ہے قابلِ غور''۔ (۶) شریفوں سے ہے دنیا میں بہار، ہے شریفوں پر جہاں میں اِعتبار۔ (۷) دھوبی جب کپڑے دھوتا ہے اور کپڑوں کو اُٹھا کر مارتا ہے اُس وَقت آوَاز آتی ہے ''چھبا چھپ، چھبا چھپ'' تو ایک فلسفی اس آوَاز کو سن رہا تھا کہ آوَاز تو بڑی پیارِی ہے لیکن بے معنی ہے، اَگر بامعنی کلام کو خاص آوَاز میں بولا جائے تو اُس کا کیا مزہ ہوگا، تو وَہاں سے اَشعار کے اوزان شروع ہوگئے۔ (۸) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے کسی کو بھیجا کہ وہ کپڑا لے آؤ، تو وَاپس آیا اور کہا کہ وہ تولیہ ہے، تو مولانا نے فرمایا: تو لیا۔ (یعنی تو پھر لے آ)۔ (۹) ہر آن ہر گھڑی گرمی چھن چھن کے پڑی۔ (۱۰) بیان موزون کلام ہوتا کچھ اِس طرح: لق کا میدان، نیچے زمین اُوپر

آسمان، دَائیں بائیں ریگستان، پہاڑوں کے دَرمیان، پانی کا نہیں ہے کوئی نشان۔گل
گئے، سڑ گئے، مٹی بن گئے، پانی میں بہہ گئے۔داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا آیا موم
پایا۔(۱۱) حضرت تھانویؒ سے کسی نے کہا کہ جی کھٹّل تو فرمایا جھٹ مل۔(یعنی جلدی
مسل دو)۔(۱۲) ہندوستان میں ایک دریا ہے جمنا اور گنگا اور اُن کے دَرمیان کی جگہ کا
نام ہے ''دوآبہ''۔مشہور ہے کہ ''دوآبہ'' کا بیل بھی دُوسری جگہوں کے بیلوں سے زِیادَہ
سمجھدار ہوتا ہے، جمنا گئے جمنا داس گنگا گئے گنگا داس۔(۱۳) غالبًا فرمایا کرتے تھے کہ
ہمارے چچا کا نام الف خان تھا، جو حضرت تھانویؒ کی خانقاہ میں رہتے تھے، حضرت
تھانویؒ اُن کو از رَاہِ مذاق فرماتے تھے کہ تمہارا نام اِلف خان ہے؟ یا اُلف خان؟۔
(۱۴) دورَۂ حدیث سے فراغت پر دَستار بندی کا طریقۂ کار اِنتہائی سادگی سے ہوتا تھا،
لڑکے خود صاف یا نئے کپڑے پہنتے اور عمامہ کے ساتھ سبق میں شریک ہوتے، حضرت
حاجی محمد عبدالوہاب صاحب بیان فرماتے اور مولانا جمشید صاحب بخارِی شریف کی
آخری حدیث تلاوَت فرماتے تھے۔ مجھے اَچھی طرح یاد ہے ہمارے سال میں حاجی
صاحب نے بیان کیا اور مولانا جب آخری حدیث تلاوَت کر رہے تھے، تو چونکہ مولانا
کے بیان کا عام طرز مسجع ہوتا تھا اور بخارِی شریف کی آخری حدیث بھی مسجع ہے، جب
مولانا تلاوَت کر رہے تھے، حاجی صاحب کن انکھیوں سے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔
حدیث کے اَلفاظ اِس طرح پڑھتے: کلمتانُ، خفیفتانُ، حبیبتانُ، الی
الرحمنُ، ثقیلتانُ، فی المیزانُ ۔(۱۵) فضول باتوں سے پرہیز کرتے تھے،
صرف کام کی باتوں میں لگے رہتے تھے، تاہم سبق کے آخر میں طلباء پرچی پر لکھ کر مختلف
سوالات پوچھتے، تو مولانا ضرور پڑھتے اور جواب دیتے، اَگرچہ سوال کا سبق سے تعلق
نہ ہو۔ایک مرتبہ مولانا نے سبق میں کچھ یوں فرمایا کہ ''ہم جن اُستاذ سے سلّم پڑھتے
تھے'' میں نے فوراً پرچی بھیجی کہ آپ نے سلم کن اُستاذ سے پڑھی ہے؟ تو خلافِ معمول
مولانا نے یہ جواب دِیا کہ پھر پوچھوگے اُن کے کتنے بیٹے ہیں؟ (۱۶) ہم مولانا سے
بہت ڈَرتے تھے، سبق میں نہایت چوکنے بیٹھتے، کوئی طالب علم غافل ہوتا، بہت سختی سے

ڈَانٹتے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے مولانا کے ساتھ بات کرنے کی سعادَت حاصل کی ہو۔
میں نے رَائے ونڈ میں تین سال گزارے ہیں، پورے سال میں کوئی چھٹی طالب علم
کے لیے نہیں تھی، دَرمیان سال میں چھٹی کے لیے اَساتذہ کے مشورے میں حاضری دینی
پڑتی تھی، مولانا کے خوف سے میں نے کبھی چھٹی نہیں لی۔ایک مرتبہ کسی صاحب نے مجھے
کہا کہ مولانا جمشید صاحب کسی کاتب سے خط لکھوانا چاہتے ہیں تم چلو، رَائے ونڈ میں
اَساتذہ کی لکھائی کے کام کی سعادَت الحمدللہ بہت ملی ہے، میں بہت خوش تھا، وہ کوئی دُعا
وَغیرہ تھی اُس کو صاف کر کے لکھنا تھا، اِس لیے براہِ رَاست ملاقات وگفتگو کا موقع نہیں
ملا۔عشق ومحبت کے اُس زمانے کو آج بھی یاد کرتا ہوں تو شدتِ جذبات سے آنکھوں
میں آنسو آجاتے ہیں کہ اُن کی ملاقات اور زِیارَت کے لیے ہم کتنے خواب دیکھتے تھے۔

حضرت حاجی محمد عبدالوہاب صاحب مدظلہ العالی کا اُن سے عشق ومحبت:

تبلیغی جماعت میں حضرت حاجی محمد عبدالوہاب صاحب مدظلہٗ کو اللہ تعالیٰ نے جو
مقام عطا فرمایا ہے، وہ ہر کسی کے علم میں ہے۔لاکھوں لوگ اُن کی محبت کے دِیوانے
ہیں، جتنی محبت لوگوں نے حاجی محمد عبدالوہاب صاحب کو دِی، میں نے اَپنی زِندگی میں
اُن کا ثانی کسی کو نہیں دیکھا۔جتنی للّٰہیت، تقویٰ، طہارَت اُن میں دیکھی میری آنکھ نے
اُن سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔لیکن حاجی محمد عبدالوہاب صاحب کو سب سے زِیادَہ
حضرت مولانا جمشید صاحبؒ سے محبت تھی اور خود حضرت مولانا جمشید صاحبؒ کو حاجی محمد
عبدالوہاب صاحب سے حد دَرجے محبت تھی۔ رَائے ونڈ میں ان دونوں حضرات کی
جوڑِی بہت زِیادَہ خوب صورَت تھی حاجی محمد عبدالوہاب صاحب نے تو اَپنی سارِی زِندگی
تبلیغ کے نام کر دِی تھی، مولانا جمشید صاحب سال میں ایک دو دَفعہ صرف ایک دِن کے
لیے جاتے تھے، ایسے موقع پر حاجی محمد عبدالوہاب صاحب کو کئی دَفعہ بیانات میں سنا کہ یہ
دیکھو مولانا جمشید کو میرے پاس آجاتے ہیں کہ چھٹی دے دو۔اُن کا اَنداز اِنتہائی عشق و
محبت سے لبریز ہوتا تھا، گویا اُن سے ایک دِن کا فراق بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

مولانا جمشید صاحبؒ کا سب سے بڑا کارنامہ

اِس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا جمشید صاحبؒ اَپنی زِندگی میں نہ کوئی مصنف تھے، نہ تدرِیس کے میدان میں شہرت کے دَرجے پر فائز تھے، لیکن اُن کی جو خوبی سب سے زِیادہ ممتاز تھی، وہ اُن کی دَاعی کی حیثیت تھی۔ دَعوت وتبلیغ کا جو کام پورِی دُنیا میں جس طرز پر ہورہا ہے اُس کے بیان کی ضرورَت نہیں، کام کی اِبتداء سے لے کر اَپنے عروج کے دور تک کی اس پورِی تارِیخ میں مولانا جمشیدؒ کی پورِی زِندگی موجود ہے، اس دَورَان اُنہوں نے کتنی تکلیفیں جھیلیں، کتنے سفر کاٹے، یہ بہت بڑی دَاستان ہے، جس کی تفصیل کے لیے کئی جلدیں چاہیے، لیکن چونکہ ایک تو تبلیغی مزاج میں نہ اِن باتوں کو رِیکارڈ کیا جاتا ہے، بلکہ اس کی ہوا لگنے کو بھی اِخلاص کے منافی سمجھا جاتا ہے، اِس لیے یہ رِیکارڈ صرف اور صرف اللہ کے دَربار میں سربمہر موجود ہے، یا جن لوگوں نے ان کی زِندگی کے یہ اَدوَار دیکھے ہیں، اُن کے سینوں میں دَفن ہوجائے گا۔ یہ صرف مولانا جمشید صاحبؒ کا معاملہ نہیں، تبلیغی جماعت میں ہزاروں لوگوں کی زِندگیاں ایک دِلچسپ دَاستان ہیں، میں اللہ کا شکر اَدا کرتا ہوں کہ میں نے اُن کی زِندگی کو اَپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

وَاضح رہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اُوپر جو بھی معلومات دَرج کی گئیں، اُن سب کے بارے میں مکمل تارِیخی توثیق جتنی ہونی چاہیے، اس قدر نہیں ہوسکی، مندرجہ بالا معلومات میں غلطی کا قوی اِحتمال ہے، لیکن چونکہ اُن کے حالات دِیگر حضرات بھی لکھیں گے، اِس لیے دِیگر ذَرائع سے تصدیق وتوثیق کے بعد ہی ان کے بارے میں حتمی فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

....

’’باتیں اُن کی، یاد رہیں گی‘‘

مفتی محمد راشد ڈَسکوی
رفیق شعبۂ تصنیف وتالیف واُستاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

ماضی قریب کے بند دَرِیچوں میں جھانک کر دیکھیں تو وَہاں اَپنے اَکابر اَساتذۂ کرام کی سرپرستی، اُن کی رَاہنمائی، اُنگلی پکڑ کے چلانا، ہر مرحلے میں تربیت کرنا، قدم قدم پر سمجھانا نظر آتا ہے تو پیشانی اللہ تعالیٰ کے سامنے تشکر بھرے جذبات کے ساتھ جھک جاتی ہے، **الحمد للہ علیٰ ذٰلک، وجزاهم الله خيرا وأحسن الجزاء**۔ قابلِ صد اِحترام مشفق اَساتذۂ کرام کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہ کرتے تو معلوم نہیں ہماری زِندگی جانوروں کی طرح ہوتی یا اُن سے بھی بدتر ہوتی؟۔

۹/محرم الحرام/۱۴۳۶ھ کی رَات آٹھ بجے مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ کے طلبہ کی طرف سے صدمے سے لبریز یہ خبر آئی کی اُستاذِ محترم مولانا جمشید صاحب رحمہ اللہ اِس بےوَفا دُنیا کو داغِ مفارقت دیتے ہوئے سفرِ آخرت شروع کرچکے ہیں۔ إِنَّا لِلّٰـهِ وَإِنَّا إِلَيهِ رَاجِعُونَ۔ اِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهٗ مَاأَعْطٰى وَكُلُّ شَيْئٍ عِنْدَهٗ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى۔

بس پھر کیا تھا، یک لخت اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کی صحبت، معیت اور شاگردِی میں بیتے لمحات آنکھوں کے سامنے سے گزرتے چلے گئے، کچھ عرصے سے جارِی اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کے بیماری کے پُرمشقت اَیام بھی یاد آئے تو فوراً دِل سے آواز آئی کہ اللہ تعالیٰ نے اُستاذِ محترم کو دُنیا کی تکلیف دہ گھاٹیوں سے نجات دے کر اَپنے مہمان خانے میں سکون اور آرَام دینے کے لیے بلا لیا ہے، ساتھ ہی دِل ودماغ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے کہ اے اللہ! جس طرح تیرے اِس بندے نے تجھے رَاضی کرنے کی محنت میں زِندگی گزار دِی، انہی کے نقشِ قدم پر چلنے کی مجھے بھی توفیق عطا فرما، اے اللہ! تو نے اُنہیں جن خصائلِ حمیدہ سے نوازا تھا، اُن کا کچھ ذَرّہ مجھے بھی نصیب فرما اور اُنہیں اَپنی

شایانِ شان اَجرِ جزیل عطا فرما، آمین ثم آمین۔

اُستاذِ محترم رحمہ اللہ اتباعِ سنت، تقویٰ، تواضع، للّٰہیت اور اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وَسلم کے جس دَرد اور فکر وکڑھن کو اَپنے سینے میں لیے ہوئے تھے، وہ کسی سے مخفی نہیں، اِس مضمون میں اُن کے مناقب پر روشنی ڈالنا ہی مقصودِ اَصلی نہیں ہے (اگرچہ! ضمناً یہی کچھ سامنے آئے گا) بلکہ اِس تحریر سے مقصود اَپنی نسبت اُس عظیم ہستی کے ساتھ جوڑنا ہے کہ مجھے بھی اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کے سامنے کچھ لمحات بیٹھنے کا شرف حاصل ہے، یقیناً یہ مجھ جیسوں کے لیے قابلِ اِفتخار، باعث مسرت اور ذَخیرۂ آخرت ہے، نیز! اَپنے ہم سفر طلبہ ساتھیوں کے ذہنوں میں اُستاذِ محترم رحمہ اللہ سے متعلق وَابستہ یادوں کو تروتازہ کرنا ہے۔

مجھ سمیت دِیگر طلبہ کا ایک جم غفیر مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ کی قدیم عمارَت (جس کے خدوخال یا حدودِ اَربعہ کو بھی سمجھنا یا سمجھانا چاہیں تو شاید ممکن نہ ہو) کے دَارِ خامس میں بیٹھے ہوئے اِنتظار کے پُر مشقت لمحات سے گزر رَہا تھا، ہمیں بتلایا گیا تھا کہ اَبھی کچھ دیر بعد مدرسہ کے قواعد وضوابط اور پابندیاں پڑھ کے سنائی جائیں گی، جس میں تمام طلباء اور اُن کے سرپرستوں کی شرکت لازمی ہے۔ خیر! کچھ ہی دیر گزری تھی کہ اُستاذِ محترم شیخ الحدیث مولانا جمشید صاحب رحمہ اللہ تشریف لائے، اور جلوہ افروز ہوئے، اُستاذِ محترم کی بارُعب شخصیت اور جاہ وجلال کا اَثر تھا کہ پورے ہال میں ایسا سکوت اور فضا میں طمانینت تھی کہ سانس تک کی آواز اُس پُرسکون ماحول میں طلاطم پیدا کر رہی تھی، اُستاذِ محترم رحمہ اللہ نے کچھ دیر گفتگو فرمائی: جو لوحِ دِل ودماغ پر کچھ اِس طرح سے نقش ہوگئی کہ آج بھی اُن ہدایات کے نقوش پوری طرح تروتازہ ہیں، خلاصۃً کچھ باتیں یہ تھیں:

''بھائیو! تم سب اَپنی اَپنی اولادوں کو، اَپنے عزیزوں کو دِینی تعلیم کے حصول کی نیت سے دَاخل کروَانے آئے ہو، تو اَچھی طرح یہ بات سن لو اور اَپنے اَپنے دِل ودماغ میں بٹھا لو اور جا کر اَپنے گھر وَالوں کو سمجھا دو کہ آج کے بعد ہمارَا یہ بیٹا دُنیوی اِعتبار سے ہمارے کسی کام کا نہیں، ہم نے اسے دِین کے لیے فارِغ کر دِیا ہے''۔ پھر پوچھا! ''جی عزم کرلیا؟ اَچھا یہ بتاؤ! کہ جب کالے بالوں وَالی آئے گی اور دُنیا کمانے کو کہے گی، تو پھر کیا کرو گے؟'' فرمایا: بھائیو! ''اِس لیے دِین کی بنیاد پر رِشتہ تلاش کرنا ہے اور اُسے پہلے

سے ہی سمجھا دینا ہے کہ ہمارَا بیٹا تو ہمیشہ کے لیے دِین کے لیے وَقف ہو چکا ہے''۔

ہم سانس روکے اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کی اَپنے مخصوص لب ولہجے میں دِی جانے وَالی ہدایات سنتے رہے اور مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ میں تعلیمی سفر کے آغاز پر اَپنی نیت اور اِرَادوں کی تصحیح وعزم کرتے رہے، اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کا بیان کرنے کا مخصوص اَنداز، بات کے مطابق آواز کا اُتار چڑھاؤ، محاوروں اور قافیہ بندی کا برموقع اِستعمال، ایک ایک لفظ کو ٹھہر ٹھہر کے نہایت ہی شیریں اور میٹھے لہجے میں وَاقعہ کی ایسی آسان تفسیر وتشریح کرنا کہ سننے وَالے کے دِل ودماغ میں اُترتا چلا جاتا تھا، عوام الناس میں بیان ہو رہا ہو یا خواص میں، ہر جگہ اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کا یہی پُرکشش اُسلوب ہوتا تھا، ذیل میں اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کے ایک بیان کا کچھ ٹکڑا بلفظہٖ نقل کیا جاتا ہے، جس سے بخوبی اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کا مخصوص اَنداز سمجھا جاسکتا ہے، ملاحظہ ہو:

''اِس اُمت کو اِس بنیاد پر ڈال کر (جو آگے آرہی ہے) اللہ تعالیٰ نے صحابہ رَضی اللہ عنہم کو توفیق دِی (ملک) چلانے کی، حالات کچھ بھی ہوں، گھریلو، بیرونی، ملکی، قومی، علاقائی، طبقاتی؛ ہمیں حالات سے کوئی سروکار نہیں، ہمارَا تو کام؛ ایک ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کا حکم کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسلم کا سنت طریقہ کیا ہے'' کیونکہ حالات جو ہیں، یہ تو مخلوق ہیں، نہ تو اِن کا کچھ بگڑے اور نہ سدھرے، نہ ہم بگاڑ کو دیکھیں گے، نہ سدھار کو، ہم نے تو حکم کو دیکھنا ہے۔

یہی بنیاد اللہ رَبُّ العزت نے موسیٰ علیہ السلام کے ذَریعے سے دِی، طور پر بلایا، فرمایا: وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى۔ موسیٰ! تمہارے دَائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ تو اِس لیے نہیں پوچھ رہے کہ اللہ میاں کو معلوم نہیں، اُس کو تو معلوم ہے، تاکہ! موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے وہ بات نکلے جو اُن کے تجربے کی ہے اور اُن کے مشاہدے کی ہے، اور قیامت تک آنے وَالی نسلیں اِس کو سُنیں؛ چنانچہ! موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: هِيَ عَصَايَ، أَتَوَكَّؤُ عَلَيْهَا، وَأَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرٰى. یہ تو میری لاٹھی ہے، لکڑی ہے، بے جان ہے، پتے جھاڑتا ہوں بکریوں کے لیے اور ٹیک لگاتا ہوں، سہارَا لگاتا ہوں، بہت سے کام اِس سے نکلتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (یہ وہ)

فائدے (ہیں، جو) تم نے گنوائے، اَب یہ عصا تم پھینک دو، موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام؛ باوجودیکہ اُن کو سخت ضرورَت تھی رَات کو لاٹھی کی، حکم ہے: أَلْقِهَا يَا مُوسَىٰ۔ کہ عصا پھینک دو، پھینک دِی: فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ۔ ایک دَم، اَچانک سانپ بن کر لہرانے لگا، اَب موسیٰ علیہ السلام کی سوچ میں نہ گمان میں، رَات کا وَقت ہے، پہاڑ پر کھڑے ہیں اور یہ سانپ جا رہا ہے، تو موسیٰ علیہ السلام ڈرے اور پیٹھ موڑ کر بھاگے کہ اِس نے تو ذَرا سا بھی منہ لگا دِیا تو یہاں مرا پڑا رہوں گا اور وَہاں بی بی اِنتظار کرتی رہے گی: وَلَّىٰ مُدْبِرًا۔ پیٹھ موڑ کر بھاگے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہاں جا رہے؟ لَا تَخَفْ ڈرو نہیں: أَقْبِلْ اس کے سامنے آؤ: خُذْهَا۔ اسے پکڑو، ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه'' حکم ہے کہ سانپ کے سامنے سے آ کر پکڑو، اَب اَگر مشاہدے کو دیکھیں، تجربے کو دیکھیں، تو معذرَت کریں کہ یا اللہ! بیوی میری اَکیلی ہے، یہ سانپ ہے، ڈَس لے گا، مر جاؤں گا، یہ تو تھا مشاہدہ اور تجربہ؛ اور حکم کیا ہے کہ: أَقْبِلْ، وَخُذْ سامنے سے آ، پکڑ، تو موسیٰ علیہ السلام سارے مشاہدات اور تجربات ٹھکرا کر حکم اَدا کرنے کے لیے سامنے سے آئے اور وہ لہر کر یہ سامنے سے جا رہا تھا سانپ اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا حکم اَدا کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا، اُنگلیوں کے پورے سانپ کو لگتے ہی، لاٹھی کی لاٹھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حالات سے غیر متأثر ہو کر حکم پورَا کرنے کی بنیاد پر عملاً ڈَال دِیا، اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو، قیامت تک آنے وَالی نسلوں کو اَپنے اَحکام، پیغمبر علیہ السلام کی سنت اور طریقے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، اور حالات سے غیر متأثر ہو کر چلنے کی توفیق عطا دے۔

تو یہ بنیاد ہمارے لیے، قیامت تک کے لیے قائم ہو گئی کہ ہم حالات کے غلام نہیں، ہم حالات کے تابع نہیں، ہم تو اَحکام کے غلام ہیں، اَحکام کے تابع ہیں، ہر آن، ہر گھڑی، ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی منشاء اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اللہ تعالیٰ کا حکم؛ یہ ہے ہمارَا اَصل سرمایہ کہ اللہ تعالیٰ کیا فرما رہے؟ اللہ تعالیٰ کی منشاء کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی مرضی کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کیا چاہتے ہیں، ہمیں تو اللہ کی چاہت پر جان دینی ہے، اللہ تعالیٰ کی منشاء پر مرنا ہے اور سب کچھ قربان کرنا ہے اور سارے حالات سے قطع نظر کرنی ہے، اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء پہچاننے میں خود لگنا ہے اور اُس کی دَعوت دے کر دُوسروں کو لگانا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی محنت قیامت تک چلا دے، اس پر آنا ہے، اُمت کو اس پر لانا ہے، اس پر

جان کھپانی ہے، یہی ہمارَا موضوع اور مقصد ہے، ملک مقصد نہیں، مال مقصد نہیں، حالات مقصد نہیں، ہمارَا جو مقصد ہے، یعنی: اس کام کا جو مقصد ہے؛ دَعوت کا، وہ اللہ تعالیٰ کو رَاضی کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کو پہچاننا ہے اور اُس پر مرنا کھپنا اور جان دینا، حالات بگڑیں اور سدھریں؛ اِس کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے، آسمان بدل جائے زمین، سورج بدل جائے چاند ہمیں دیکھنے ہیں اَحکامِ خداوَندی۔''

بیان کا نمونہ آپ حضرات نے ملاحظہ فرما لیا، آپ کا پورَا بیان اِتنا پُرکشش اور اَپنے اَندر جاذبیت رَکھتا تھا کہ مجمع کا ہر فرد ہمہ تن متوجہ رہتا تھا، بالخصوص عرب حضرات تو آپ کے بیان کو بہت زِیادَہ پسند کرتے تھے اور خوب دِلچسپی سے سنتے تھے، اِس لیے اُردو بیانات کی طرح عربی بیانات میں بھی اُستاذِ محترم رحمہ اللہ قافیہ بندی کا خوب اِستعمال کرتے تھے اور اَپنے مخصوص لب و لہجے میں ہی وَہاں بھی بیان فرماتے تھے، تو عرب حضرات اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کے اِس اَنداز سے بھی خوب محفوظ ہوتے تھے۔

اَبھی چند دِن قبل رَائے ونڈ کے عالمی تبلیغی اِجتماع کے پہلے مرحلے میں حضرت مولانا طارِق جمیل صاحب نے اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کا ایک شعر سناتے ہوئے فرمایا:

''مولانا جمشید صاحب کی قبر کو اللہ نور سے روشن کرے، سینکڑوں دَفعہ سبق کے دَورَان اُن سے یہ شعر سنا: وہ تو بڑی لَے میں گا کے (یعنی: وَجد میں آ کر) سناتے تھے، میں تو سادَا (اَنداز میں) ہی سناتا ہوں۔

دُھن رے دُھنیے اپنی دُھن
پرائی دُھنی کا پاپ نہ پُن
تیری رُوئی میں چار بِنولے
سب سے پہلے اُن کو چُن

پُرانی اُردو ہے، مگر مطلب اِس کا یہ ہے کہ اَپنے عیب دیکھ اوروں کے عیب نہ دیکھ، اَپنی کمیاں دیکھ اوروں کی کمیاں نہ دیکھ، اوروں کی کمیاں دیکھتے دیکھتے ہمارے دِل نفرتوں سے بھر چکے ہیں۔''

زِندگی کے اِبتدائی اَیام میں حضرت تھانویؒ کے گھر بلوغت سے قبل خدمت کے

لیے جایا کرتے تھے، اُستاذِ محترم رحمہ اللہ خود فرماتے تھے کہ میں بچپن میں اسکول سے
وَاپسی پر حکیم الامت رحمہ اللہ کے ہاں چلا جایا کرتا تھا حضرت تھانویؒ کی بڑی اہلیہ کو بڑی
اماں اور چھوٹی اہلیہ کو چھوٹی اماں کہا کرتا تھا، جب بلوغت کے قریب ہوئے تو حضرت
تھانوی صاحبؒ کی بڑی اہلیہ نے کہا کہ ’’جمشید! اَب تو بڑا ہو گیا ہے، دستک دے کر آیا
کر اور اَپنے گھر میں بھی پردَہ کیا کر‘‘۔ اُستاذِ محترم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اُس
دِن سے ہی اَپنے گھر میں اَپنی بھاوجوں سے بھی پردَہ شروع کر دِیا، بھاوجوں سے پردَہ
کرنے میں اِبتداءً بہت دُشواری ہوئی، بھاوجیں اور وَالدہ ناراض ہوئیں، لیکن حضرتؒ
اَپنے فیصلے پر جمے رہے، یہاں تک کہ گھر میں حضرتؒ کی وَجہ سے پردَہ شروع ہو گیا۔

اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کی تواضع، ملن سارِی، مہمانوں کے ساتھ گھل مل جانا اور اللہ
کے رَاستے میں نکلنے وَالے مہمانوں کی خدمت، رَات کے وَقت چھپ کر بیت الخلاء
صاف کرنا ایسی مشہور ومعروف خصلتیں ہیں، جو کسی سے ڈَھکی چھپی نہیں، اِصلاحِ باطن،
وتزکیۂ نفس کے لیے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ اَجل حضرت مولانا مسیح
اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کا دَامن تھاما اور اِس لائن میں ترقی کی منازِل طے کرتے چلے
گئے، آپ کا ذِکر اللہ کے ساتھ شغف اِس قدر تھا کہ آپ کی ہر سانس کے ساتھ ’’اِلَّا اللّٰہ
‘‘ کی صدا جارِی ہوتی تھی، گویا اللہ کا نام ہر ہر سانس میں رَچ بس گیا تھا۔

ملاقات کے لیے آنے وَالوں کے ساتھ پورِی خندہ پیشانی، کشادَہ رُوئی اور
بشاشت کے ساتھ ملتے اور مرحباً، مرحباً، أهلاً وسهلاً کی صدا بلند فرماتے تھے،
اور اِس طریقے سے آنے وَالے کا اِستقبال کرتے تھے کہ آنے وَالے کا دِل خوشیوں
سے لبریز ہو جاتا تھا، پاس موجود جو بھی چیز کھانے پینے کی ہوتی تھی، بطورِ اِکرام مہمان کو
پیش کر دیتے، بارہا یہ دیکھا گیا کہ کسی مہمان نے کوئی ہدیہ پیش کیا، (قبولِ ہدیہ میں بھی
مولانا بہت اِحتیاط کرتے تھے اس کا تذکرہ آگے کیا جائے گا) اس کے بعد کوئی اور مہمان
آیا تو حضرت نے وہ ہدیہ ملی ہوئی چیز اُس آنے وَالے مہمان کو دے دِی، اِسی طرح
مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ میں اِمتحانات کے موقع پر تشریف لانے وَالے ممتحنین حضرات کا

خوب اِکرام فرماتے اور اُنہیں ہدایا سے نوازتے تھے، اِس کے علاوَہ اَسفار میں اَپنے
خدام کے کھانے پینے اور رَاحت وآرَام کا خیال رَکھنا بھی مولاناؒ کا وَصف خاص تھا۔

ہدایا کے بارے میں اُستاذِ محترم رحمہ اللہ بہت زِیادَہ محتاط رہتے تھے، خدام کو سختی
سے تاکید تھی کہ اَگر کوئی ہدیہ بھیجے تو لانے وَالے سے پورِی تحقیق کریں کہ کس نے بھیجا،
کس کے لیے بھیجا، بھیجنے وَالا کیا کام کرتا ہے وَغیرہ وَغیرہ۔ اور اَگر کوئی خود لے کر آتا تو
بڑے اَحسن اَنداز میں باتوں ہی باتوں میں تحقیق کر لیتے تھے، ایک بار اُستاذِ محترم رحمہ
اللہ کا ایک نابالغ شاگرد جو بیرونِ ملک کا رہنے وَالا تھا تقریباً آدھا کلو سے زائد عجوہ
کھجوریں لے کر آیا اور ہدیۃً خدمت میں پیش کیں، تو مولانا نے بڑے پیار سے فرمایا:
جاؤ بیٹا یہ کھجوریں خود اِستعمال کرو، یہ تمہارِی ہیں اور تمہارے ہی لیے ہیں، وہ بضد تھا کہ
نہیں آپ قبول کریں، تو بالآخر اُستاذِ محترم رحمہ اللہ نے اُسے فرما دِیا کہ بیٹا! تم نابالغ ہو،
اور نابالغ سے کوئی چیز لے کر کھانا جائز نہیں ہے، وہ طالب علم اَفسردَہ سا ہو کر باہر نکل گیا،
باہر جا کر خدام سے کہا کہ اُستاذ جی نے کیوں قبول نہیں کی؟ وَالد صاحب ناراض ہوں
گے کہ کیوں نہیں پہنچائی تھی، تو خدام نے پوچھا کہ کیا آپ کے وَالد صاحب نے مولانا
کے لیے بھیجی ہیں؟ تو اُس نے اِثبات میں جواب دِیا، خدام کے کہنے پر وہ طالب علم
دُوبارَہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ کھجوریں وَالد صاحب نے آپ
کے لیے بھیجی ہیں، اِس پر اُستاذِ محترم رحمہ اللہ نے تاکیداً اُس سے پوچھا کہ: کیا تمہارے
وَالد نے میرا نام لے کر مجھے دینے کے لیے کہا تھا؟ طالب علم نے جواب دِیا: جی ہاں،
تب جا کر اُستاذِ محترم رحمہ اللہ نے وہ کھجوریں وصول کیں۔

اِسی طرح اَگر کوئی شخص کسی برتن میں کھانے پینے کی چیز ہدیۃً لے کر آتا تو برتن کی
نوعیت دیکھ کر اَگر تو قیمتی ہوتا یا گھروں میں اِستعمال ہونے وَالا نظر آتا تو اُسی وَقت
دَریافت کر لیتے تھے کہ بھائی! برتن وَاپس کرنا ہے یا نہیں؟ جیسا جواب ملتا اُس کے مطابق
عمل کیا جاتا تھا، اِس کے علاوَہ اَگر کوئی پھلوں کا ہدیہ پیش کرتا تو دَریافت فرماتے کہ بھائی!
کہاں کے ہیں؟ اَگر جواب ملتا کہ اَپنے باغ کے ہیں تو پھر اُن کی بیع وشراء کا طریقہ بھی

معلوم فرماتے تھے اور اگر کوئی کہتا کہ بازار سے لایا ہوں، تو بہت اَچھا! کہہ کر رَکھ لیتے، لیکن اُس کے جانے کے بعد طلبہ یا مہمانوں وَغیرہ میں تقسیم فرما دیتے تھے، اَزخود اِستعمال کرنے سے گریز کرتے تھے، ایک بار کسی شخص نے ہدیہ دے کر کہا حضرت میرے لیے دُعا فرمادیں، تو بڑی شفقت سے فرمایا: ''بھائی! دعا؛ ہم تمہارے لیے کرتے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے، لیکن جب ہدیہ دِیا جائے تو اُس وَقت دُعا کے لیے نہیں کہنا چاہیے۔''

۱۹۵۰ء میں دَارُالعلوم دِیوبند میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین اَحمد مدنی، شیخ الادب حضرت مولانا محمد اِعزاز علی امروہوی دِیوبندی اور حضرت مولانا محمد اِبراہیم بلیاوِی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسی نابغہ روزگار ہستیوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور دورَۂ حدیث کی تکمیل فرمائی، فراغت کے فوراً بعد ملک پاکستان کی طرف ہجرت فرمائی، صوبہ سندھ کے ضلع ٹنڈوالہ یار میں وَاقع ایک بڑے مدرسہ ''دَارُالعلوم ٹنڈوالہ یار'' میں حضرت مولانا ظفر اَحمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے زیر سایہ اَپنے سفر تدرِیس کا آغاز فرمایا، بارہ سال تک اُسی جگہ شب و روز اِبتدائی کتب سے لے کر اِنتہائی کتب تک کی تدرِیس میں مشغول رہے، اُس وَقت معاشرے اور عامۃ الناس مسلمانوں کی دِینی زِندگی کی پستیوں کو دیکھتے دیکھتے دَعوت وتبلیغ کی طرف قلبی رُجحان بہت زِیادَہ بڑھ گیا، حتیٰ کہ ۱۹۶۴ء میں آپ نے تبلیغ میں سات چلے لگائے، اُس کے بعد آپ کا تقرر مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ میں ہوگیا، اِس سلسلے میں خاص بات یہ ہے کہ اُستاذِ محترم رحمہ اللہ جب ٹنڈوالہ یار سے چھوڑ کے رَائے ونڈ تشریف لائے تو وَہاں صحیح البخارِی پڑھاتے تھے، لیکن رَائے ونڈ میں آپ کی تدرِیس کی اِبتداء شعبۂ حفظ اور تعلیم الاسلام کی تدرِیس سے ہوئی، اُس وَقت سے لے کر ۱۹۹۷ء تک دَرجہ موقوف علیہ تک کی تمام کتب پڑھانے کا آپ کو موقع ملا، ۱۹۹۷ء میں مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ کے بڑے اُستاذ حضرت مولانا محمد ظاہر شاہ صاحب رحمہ اللہ تھے، اُن کی وَفات کے بعد اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کو بڑے استاذ کے رتبے سے پہچانا جانے لگا، پھر ۱۹۹۹ء میں جب دورَہ حدیث کی اِبتداء ہوئی تو شیخ الحدیث کے مرتبے پر بھی آپ کو ہی فائز کیا گیا، اُس وقت سے ۲۰۱۰ء تک مکمل بخارِی شریف اُستاذِ

محترم رحمہ اللہ ہی پڑھاتے رہے، پھر علالت کی بناء پر صحیح البخارِی کا ایک حصہ اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کے پاس ہی باقی رہا، جو اِمسال تک جارِی وسارِی تھا اور بقیہ حصے دِیگر کبار اَساتذہ میں تقسیم کر دِیئے گئے۔ اِس طرح آپ کے علومِ ظاہریہ اور باطنیہ سے فیض حاصل کرنے وَالوں کی تعداد ملک و بیرونِ ملک میں ہزاروں سے متجاوز ہوگئی، صرف اِمسال مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ سے دورَۂ حدیث شریف مکمل کر کے دَستارِ فضیلت حاصل کرنے وَالے آپ کے تلامذہ کی تعداد پانچ سو باسٹھ (۵۶۲) ہے، جن میں پاکستان کے علاوَہ بیرون ممالک (مثلاً: برونائی، سری لنکا، تھائی لینڈ، ملائشیا، اِنڈونیشیا، فلپائن، تُرکی، حبشہ، کمبوڈیا، چین، ناروے، سوڈَان، سعودِی عرب، تیونس، اُردن، رُوس، قطر، طائف، صومالیہ، مقدونیہ، البانیہ، جنوبی افریقہ، رُوس، کرغیزستان، تاجکستان، قازقستان اور اَفغانستان وَغیرہ) کے ننانوے (۹۹) طلبہ شامل ہیں، **وللہ الحمد!۔**

دَعوت وتبلیغ کے میدان میں بھی اُستاذِ محترم رحمہ اللہ نے خوب ترقی کی، تبلیغی مرکز رَائے ونڈ، پاکستان میں تبلیغی جماعت کی عالمی شوریٰ کے رُکن و اَمیر تبلیغی جماعت پاکستان محترم حاجی محمد عبدالوہاب صاحب مدظلہم کے بعد بڑی ہستی اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کو ہی تسلیم کیا جاتا تھا، مرکز میں ہونے وَالے روزانہ اور ماہانہ مشوروں میں حاجی صاحب دامت برکاتہم کے بعد آپ ہی ذِمہ دار ہوتے تھے اور بحیثیت اَمیر آپ کا ہی فیصلہ حرفِ آخر سمجھا جاتا تھا، جن اَیام میں حاجی صاحب دَامت برکاتہم شدید علیل رہے یا موجود نہ ہوتے تھے، بیانِ فجر کی ذِمّہ دَارِی آپ کی ہی ہوتی تھی، اس کے علاوَہ اللہ کے رَاستے میں جانے وَالی جماعتوں کو دِی جانے وَالی ہدایات اور وَقت لگا کر وَاپس جانے وَالے احباب میں اختتامی دعا اور مصافحہ بھی اکثر آپ کے ذمہ لگتا تھا، عصر کے بعد عوام الناس، پُرانوں اور علماء اور بیرون ممالک سے آنے وَالے مہمانوں میں بھی آپ بکثرت بیان کرتے نظر آتے تھے، نیز! صحت کے زمانے میں، پُرانوں کے دَس روزہ جوڑ، علاقائی اِجتماعات اور رَائے ونڈ کے سالانہ اِجتماعات میں بھی آپ کا بیان ضرور ہوتا تھا۔

۲۰۰۸ء میں جب بندہ نے اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کے پاس بخارِی پڑھی تو ''دِل''

اللہ کے سامنے تشکر بھرے جذبات کے ساتھ سجدہ ریز تھا کہ جو اِمتیاز مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ کے دورۂ حدیث کو حاصل ہے، وہ معاصر اِداروں میں کہیں کہیں ہی نظر آتا ہے، اِن سطور میں مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ کی اِسی اسنادِی اِمتیازِی حیثیت کو سامنے رَکھنا مقصود ہے، تاکہ ہمارِی طرف سے شکر نعمت وتحدیث بالنعمت وَالا معاملہ ہو سکے اور اِس وَقت مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ میں موجود زیرِ دَرس طلباء کرام پورِی ذِمّہ دَارِی، حاضر دماغی اور شرح وبسط کے ساتھ وَقت کے اُن عظیم شیوخ سے خوب سے خوب اِستفادہ کر سکیں۔

مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ میں موجودہ وَقت کے کبار مشائخ عظام، صاحب نسبت، عالی السند، علم وعمل کے جامع علمائے کرام کا بیک وَقت ایک جگہ صحاحِ ستہ کا دَرس دینا وَہاں کا طرۂ اِمتیاز ہے، تفصیل اِس اِجمال کی کچھ اِس طرح ہے کہ دِیگر جامعات میں سے کسی بھی اِدَارے کی طرف دیکھ لیجیے، اِس دور میں وَہاں صرف ایک یا زِیادہ سے زِیادہ دو شخصیات ایسی نظر آئیں گی جو عالی السند ہیں، مثلاً: ہمارے اِس دور میں سب سے عالی سند اُن حضرات کی ہے جو حضرت مولانا سیّد حسین اَحمد مدنی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں (اِس لیے کہ حضرت مدنیؒ اور حضرت شاہ وَلی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے دَرمیان صرف چار وَاسطے ہیں) اور یہ بات پورِی طرح جائزہ لینے کے بعد کہی جا رہی ہے کہ پورے پاکستان میں چند گنے چنے مدارِس ہی ایسے ہیں جہاں حضرت مدنی رحمہ اللہ کے شاگرد موجود ہوں، اُن اِدَاروں میں بھی اس ایک یا دو ہستیوں کے علاوہ اُن کے ہم پلہ عالی السند کوئی اور نظر نہیں آتا، الا ماشاء اللہ۔ لیکن مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ میں دیکھیے:

اُستاذِ محترم حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمہ اللہ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین اَحمد صاحب مدنی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے (یعنی: اُستاذِ محترم رحمہ اللہ اور حضرت شاہ وَلی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے دَرمیان صرف پانچ وَاسطے تھے)۔

اُستاذِ محترم حضرت مولانا نذرُ الرحمٰن صاحب دَامت برکاتہم العالیہ، حضرت مولانا سلطان محمود صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں جو علامہ اَنور شاہ کشمیری اور شیخ الہند رحمہما اللہ کے شاگرد ہیں (اِس طرح اُستاذِ محترم حضرت مولانا نذرُ الرحمٰن صاحب دَامت برکاتہم

العالیہ اور شاہ وَلی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے دَرمیان بھی صرف پانچ وَاسطے بنے)۔

اور اُستاذِ محترم حضرت مولانا محمد اِحسان الحق صاحب دَامت برکاتہم العالیہ، حضرت مولانا اَسعد اللہ صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں (اِس طرح اُستاذِ محترم حضرت مولانا محمد اِحسان الحق صاحب دَامت برکاتہم العالیہ اور حضرت شاہ وَلی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے دَرمیان بھی صرف پانچ وَاسطے بنے)۔

اور اُستاذِ محترم حضرت مولانا محمد جمیل صاحب دَامت برکاتہم العالیہ، حضرت مولانا محمد اِبراہیم صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں اور وہ حضرت مولانا سلطان محمود صاحب کے (اِس طرح اُستاذِ محترم حضرت مولانا محمد جمیل صاحب دَامت برکاتہم العالیہ اور حضرت شاہ وَلی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے دَرمیان صرف چھ وَاسطے بنے)۔

اِس خاص وَصف کو دیکھتے ہوئے شدید خواہش تھی کہ دورۂ حدیث تو رَائے ونڈ میں ہی ہونا چاہیے کہ چلو کچھ نسبت تو ہو، عملی میدان میں آگے بڑھنے کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے دے ہی دیں گے، اِن شاء اللہ۔ اَسباق کے پڑھانے میں اِن تمام مشائخ کا اَپنا اَپنا جداگانہ اَنداز تھا، اِس وَقت مقصود صرف اُستاذِ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان رحمہ اللہ کے اَندازِ تدرِیس کے بارے میں روشنی ڈَالنا مقصود ہے، اُستاذِ محترم رحمہ اللہ سبق پڑھانے کے لیے تشریف لاتے، تشریف فرما ہوتے ہی ''ہاں بھائی! چلو شروع کرو'' کہہ کے سبق کا آغاز فرماتے، نظر وَالی عینک آنکھوں پر ہوتی اور پورِی طرح سوفی صد کتاب کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے، گویا کہ دَائیں بائیں کسی اور طرف کا بالکل ہوش ہی نہیں رہتا تھا، ترتیب یہ ہوتی تھی کہ ایک طالب علم صحیح البخارِی کا ایک صفحہ پڑھتا تھا، طالب علم ایک حدیث پڑھ کے اُس کا ترجمہ کرتا اور اس وَقت اُستاذِ محترم رحمہ اللہ نے اس حدیث سے متعلق تشریحی یا وَضاحتی بات اِرشاد فرمانی ہوتی تو فرما دیتے تھے وَرنہ طالب علم ترجمہ کر کے آگے چلتا رہتا، اَلبتہ جیسے ہی وہ اِعراب یا ترجمہ کی غلطی کرتا تو اُستاذِ محترم رحمہ اللہ اُسی وَقت ''ہوں'' کہہ کر اُسے متوجہ کرتے، اَگر وہ غلطی ٹھیک کر لیتا تو ٹھیک وَرنہ اُستاذِ محترم رحمہ اللہ اُسے دُرست کر دیتے۔

سبق ختم ہونے کے بعد طلباء کی طرف سے سوالات کی پرچیاں پیش کی جاتی تھیں، ایک متعین طالب علم سوال اُونچی آواز میں پڑھ کے سناتا، اُستاذِ محترم رحمہ اللہ اُسی وَقت فی البدیہہ، اَپنے مخصوص اَنداز میں ٹھہر ٹھہر کے مسکت جواب اِرشاد فرما دیتے، اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کے بارے میں سنا ہوا تھا کہ آپ نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی زِیارَت کی ہوئی ہے، اِس بات کی تصدیق کی خاطر ایک بار (جب کہ سبق موجودَہ جدید مسجد کے تہہ خانے میں ہو رہا تھا) پرچی لکھی کہ اُستاد جی! آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ ''آپ کو خواب میں اللہ تعالیٰ کی زِیارَت ہوئی ہے'' کیا یہ بات صحیح ہے؟ اِس پر اُستاذِ محترم رحمہ اللہ نے ڈانٹ کر خاموش کرَوا دِیا، فرمایا: ''نالائق کہیں کے، ایسی باتیں نہیں پوچھتے۔'' بندہ حیران پریشان کہ یہ کیا بنی؟ اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کا مقصود اِس اَنداز سے جواب دینے سے اِس بات کی تردِید کرنا تھا، یا اِس طرح کی باتوں کے اِفشاء سے روکنا تھا؟ وَاللہ اَعلم بالصواب۔ خیر! پھر ایک دِن سبق کے بعد جب دیکھا کہ اُستاذِ محترم رحمہ اللہ بہت زِیادَہ خوش گوار موڈ میں ہیں تو بندہ نے دُوبارَہ اُسی سوال کی پرچی بھیج دِی، اَب کی بار اُستاذِ محترم رحمہ اللہ نے آہستہ سے فرمایا: ''الحمدللہ! ایک سے زِیادَہ بار۔''

اِس وَاقعے کے بارے میں اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کے خدام سے ایک اور وَاقعہ سنا کہ ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر دَریافت کیا کہ حضرت! آپ کے بارے میں سنا ہے کہ آپ کو خواب میں اللہ تعالیٰ کی زِیارَت ہوئی ہے؟ تو اُستاذِ محترم رحمہ اللہ نے اَپنے مخصوص لہجے میں فرمایا: ''بھائی! جو سنا ہے وہ ٹھیک سنا ہے، اِس طرح کی باتوں کے پیچھے نہیں پڑتے، جاؤ جا کے اَپنا کام کرو''۔

اِسی طرح اُستاذِ محترم رحمہ اللہ سے بیانات میں بارہا سنا کہ ''جس نے زُلفیں رَکھنی ہوں تو وہ چالیس سال کے بعد رَکھے۔'' چنانچہ! اِس کے بارے میں بندہ نے پرچی بھیجی کہ کیا زُلفیں چالیس سال کے بعد رَکھنا سنت ہے؟ اس کے جواب میں اُستاذؒ نے فرمایا:

''نہیں بھائی! زُلفیں رَکھنے کی سنت پر عمل کرنے کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں ہے، لیکن! موجودہ زمانے میں جب ہم نفس وشیطان کے آگے مغلوب ہوئے پڑے ہیں، تو

نام سنت کا اِستعمال ہوتا ہے، جب کہ وَہاں اِتباعِ نفس چھپی ہوتی ہے، چالیس سال سے قبل بناؤ سنگھار کا جذبہ غالب ہوتا ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ زُلفیں رَکھنے سے خوب صورتی میں اِضافہ ہوتا ہے، تو مقصود یہ ہوتا ہے اور نام سنت کا اِستعمال کرتے ہیں، دُوسری طرف چالیس سال کے بعد عام طور پر بناؤ سنگار کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے، اُس وَقت یہ کام کیا جائے گا تو پھر کسی قسم کا اِشکال نہیں، اَلبتہ! اَگر کسی کا مقصود وَاقعتاً اِتباعِ سنت ہی ہو تو ضرور رَکھے، خلاصہ یہ کہ ہمارا یہ کہنا حکمِ شرعی نہیں ہے، لیکن مصلحتاً اِس طرح بیان کر دِیا جاتا ہے۔''

اَلغرض! اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کے سمجھانے کا اَنداز اِنتہائی سادَہ اور آسان ہوتا تھا کہ کمزور سے کمزور ذہن وَالا بھی بات پورِی طرح سمجھ کر مطمئن ہو جاتا تھا، اَحکامِ شریعت میں مسئلہ تقدیر ایسا مسئلہ ہے کہ علماء کرام نے صاف صاف لکھا ہے کہ اِس مسئلہ کے بارے میں کھود کرید کرنا اور اُس کی بارِیکیوں میں اُلجھنا اور اس بارے میں زِیادَہ قیل وقال کے چکروں میں پڑنا جائز نہیں ہے، اِس مسئلہ پر بس اِجمالی اِیمان رَکھنے کا حکم ہے، اِس مسئلہ کے بارے میں اُستاذِ محترم رحمہ اللہ نے نہایت سادَہ اَنداز میں تفصیل بیان کی کہ الحمدللہ تشفی ہوگئی، اس کا خلاصہ ذیل میں لکھتا ہوں، فرمایا:

''پہلی بات تو سمجھو کہ ایک لفظ ہے تقدیر؛ اُس کے معنیٰ ''اَندازہ لگانا'' ہے۔ دُوسرا لفظ ہے، تجبیر؛ اُس کے معنیٰ ''جبر اور زِیادتی کرنا'' ہے۔ اور تیسرا لفظ ہے تخبیر؛ اُس کے معنیٰ ''خبر دینا'' ہے۔ اَب دُوسری بات یہ سمجھو کہ اِنسان کا اَندازہ غلط ہوسکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا اَندازہ غلط نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ تو ماضی، حال اور مستقبل کا علم بھی رَکھتا ہے، چنانچہ! اس کے علم محیط ہونے کی وَجہ سے اس کا اَندازہ بالکل ٹھیک بیٹھے گا، اُس میں غلطی نہیں ہوسکتی۔ یہ ہوگئی دو باتیں، اَب تیسری بات سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو اِختیار دِیا ہے کہ اِس دُنیا میں فرماں بردَارِی یا نافرمانی وَالی زِندگی میں سے جو زِندگی گزارنا چاہو، گزار کے آؤ، دُنیا میں تم پر کوئی جبر نہیں، لیکن قیامت وَالے دِن فرماں بردَاروں کو نافرمانوں سے جدا کر دِیا جائے گا، فرماں بردَار اللہ تعالیٰ کے مہمان خانے (جنت) میں ہوں گے اور نافرمان اللہ کی جیل (جہنم) میں ہوں گے۔

پھر فرمایا: اِن اِبتدائی باتوں کو اَچھی طرح ذہن میں بٹھائیں اور اس کے بعد ایک مثال سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بچے کو وجود دِیا اور اُس کی عمر مثلاً: تیس سال لکھ دِی کہ دُنیا میں یہ بچہ تیس سال زِندہ رہے گا، اَب تیسری بات ذہن میں لاؤ کہ اس بچے نے اَپنے اِختیار کے مطابق دُنیا میں تیس سال کی زِندگی گزارِی، حتیٰ کہ اَپنی زِندگی کے آخری لمحے میں یا آخری سانس میں وہ اَپنے اِختیار سے نماز پڑھ رہا تھا، سجدے کی حالت میں تھا کہ اُس کا وَقت پورَا ہوا اور فرشتے نے اُس کی رُوح قبض کر لی، تو اُس کا خاتمہ سعادَت کے ساتھ سجدے کی حالت میں ہوا۔ اَب وَاپس لوٹ کے اُس کی پیدائش کے وَقت کے پاس آجاؤ، جب فرشتے نے اُس بچے کے جسم میں رُوح ڈالی تو اللہ تعالیٰ نے اَپنے مستقبل کے علم میں دیکھتے ہوئے یہ دیکھ لیا کہ یہ بچہ اَپنے اِختیار کو اِستعمال کرتے ہوئے اَپنا آخری سانس سجدے کی حالت میں پورَا کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے اَپنے علم کی بدولت اَپنے اَندازے کو لوحِ محفوظ میں لکھ دِیا کہ یہ بچہ سعادَت کی موت اِس طرح حاصل کرے گا کہ سجدے کی حالت میں اِس دُنیا سے جائے گا، اُستاذِ محترم رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ تھا اللہ تعالیٰ کا اَندازہ جو غلط نہیں ہوسکتا، اسے کہتے ہیں تقدیر؛ یعنی: اللہ تعالیٰ کا اَندازہ۔ پھر فرمایا: میرے عزیزو! اَب بتاؤ کہ اُس بچے کی سجدے کی حالت میں موت؛ تقدیر میں یہی کچھ لکھا ہوا ہونے کی وَجہ سے ہوئی یا اُس کے اَپنے اِختیار کو اِستعمال کرنے کی وَجہ سے ہوئی؟ پھر خود ہی فرمایا کہ: اس کی یہ موت تقدیر میں لکھا ہوا ہونے کی وَجہ سے نہیں ہوئی، اِس لیے کہ اَگر ایسا کہیں گے تو یہ ''تجبیر'' یعنی: جبر کرنا ہوگا، جس کی وَجہ سے یہ کہا جائے گا کہ اِنسان تقدیر کے ہاتھوں مجبور تھا، حالانکہ اللہ نے تو اِنسان کو اِس دُنیا میں مجبور نہیں رَکھا بلکہ اِختیار دِیا ہے، لہٰذا یہ کہنا اللہ کی شان کے بھی خلاف ہے اور اللہ کے اُصول کے بھی۔ چنانچہ! لوگوں کی زبانوں پر جو یہ جملہ ہوتا کہ ''بھائی تقدیر میں ہی ایسا لکھا ہوا تھا، ہم کیا کر سکتے ہیں،'' تو اَچھی طرح سمجھ لیں کہ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ اِختیار تو بندے کا اِستعمال ہوا، لیکن یہ سب کچھ (یعنی: بندے کا اَپنے اِختیار کو اِستعمال کرنا) اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا اور اللہ نے اَپنے اِس اَندازے کو لکھ دِیا تھا، جو تقدیر کہلایا، لہٰذا محاورے میں اس اِختیارِی فعل کی نسبت اُس لکھی ہوئی تقدیر کی طرف کر کے بول دیتے ہیں، جس کا مطلب صرف اور صرف

یہ بنتا ہے کہ جو کچھ بھی ہوا ہے، وہ ہوا تو اس بندے کے اَپنے اِختیار سے ہے، اَلبتہ اس کے اَپنے فعل کو تقدیر میں لکھ دِیا گیا تھا۔ دو لفظوں میں خلاصہ سننا چاہو تو یہ بنے گا کہ اِنسان کے اَچھے اور بُرے اَفعال تقدیر میں لکھا ہوا ہونے کی وَجہ سے نہیں ہوتے بلکہ اس کے اَپنے اِختیار سے یہ سب کچھ ہوتے ہیں، جن کی خبر اللہ تعالیٰ نے عالم الغیب ہونے کی وَجہ سے معلوم کر کے لکھ کر دِی ہوتی ہے، اسے ہی تقدیر کہتے ہیں۔''

تقدیر سے متعلق اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کی اس گفتگو کو دیکھ لیں کہ کس آسانی سے مسئلہ کی ایسی تشریح کر دِی کہ اس کے بعد اس طرح کے سوالوں ''لو جی! اس میں چور کا کیا قصور ہے اس کی تقدیر میں ہی ایسا لکھا ہوا تھا، قاتل کا کیا قصور؟ اس کی تقدیر میں یہی لکھا ہوا تھا، زانی کو کیوں ملامت کرتے ہو، تقدیر کے خلاف کون کیا کر سکتا ہے؟ وَغیرہ وَغیرہ'' سے نجات مل جاتی ہے۔

اِسی طرح اَکثر اوقات ایسا ہوتا کہ سبق کے اِختتام پر طلبہ اُستاذِ محترم رحمہ اللہ سے فرمائش کرتے کہ اُستاذ جی! لیلیٰ مجنون کے اَشعار سنائیں، تو اُستاذِ محترم رحمہ اللہ اَپنے مخصوص لہجے میں پورے طرز سے لَے میں آکر وہ اَشعار سنا دیتے، ان اَشعار کا اَصل لطف تو اُنہیں ہی آسکتا ہے جنہوں نے اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کی زبانی یہ اَشعار سنے ہوں، لیکن دُوسروں کے لیے بھی فائدے سے خالی نہیں، اِس لیے کہ اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کا مقصود ان اشعار سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے وَالی مشکلات وتکالیف پر صبر کی طرف پھیرنا ہوتا تھا۔

اِسی طرح مطالبہ ہوتا کہ حضرت! ملا دوپیازہ اور بیربل کے وَاقعات سنائیں تو اُستاذِ محترم رحمہ اللہ اُن کے وَاقعات سنا دیتے، تو پورِی مجلس ایسے ہو جاتی، گویا پھلجھڑیاں پھوٹ پڑی ہوں، اَلغرض! اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کا سبق ہوتا یا بیان؛ شریک ہونے وَالا کسی طرح بھی بور نہ ہوتا تھا اور پورِی طرح ہشاش بشاش اُس دَرس یا بیان سے مستفید ہوتا تھا۔

اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کی خصوصیت یہ تھی کہ رَات نمازِ عشاء کے بعد حیاۃ الصحابہؓ کی

تعلیم کروانی ہوتی یا بخاری کا سبق پڑھانا ہوتا اس کا مطالعہ ضرور کرتے تھے حتیٰ کہ ایسا بھی دیکھنے میں آیا کہ سبق کے لیے طلبہ کو مسجد میں جمع کیا گیا، لیکن پھر بعد میں یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ میں مطالعہ نہیں کر سکا اِسی طرح ایک بار آپ کی نمازِ عشاء کے بعد ''حیاۃ الصحابہؓ'' کی تعلیم کروانی طے ہوئی لیکن کثیر مصروفیات کی بنا پر آپ مطالعہ نہ کر سکے تو فرمایا کہ: مولانا نذر الرحمٰن صاحب کو جا کر کہہ دو کہ آج میں مطالعہ نہیں کر سکا، آپ کروالیں۔

اَسباق کی پابندی کا یہ عالَم تھا کہ کبھی ناغہ نہ ہونے دیتے تھے، اَگر کبھی کہیں کا سفر دَرپیش ہوتا تو جانے سے قبل یا وَاپسی پر جو بھی وَقت ہوتا، طلباء کو بلوا لیتے اور سبق پڑھاتے، حتیٰ کہ دیکھا گیا کہ رَات کے دو بجے اور اِسی طرح تین یا چار بجے بھی سبق کے لیے طلباء کو بلوا لیتے تھے۔ معمولی تھکاوَٹ یا بیماری کی تو پرَواہ ہی نہیں ہوتی تھی۔

اَلغرض! حضرتؒ کی صفات، خصلتوں اور عادَات وخصائص کا ذہن میں اِس قدر ہجوم ہے کہ اُس کے اِستحصاء کے لیے شاید پوری کتاب بھی ناکافی ہو، لیکن فی الوقت اِسی پر اِکتفا کرتا ہوں کہ پہچاننے کے لیے پوری دیگ کو نہیں، چند دَانوں کو ہی چکھا جاتا ہے، ضرورَت ہے کہ اُن کے خصائل حمیدہ کو سامنے رَکھا جائے، دَعوت وتبلیغ، علمی وعملی میدان اور تقویٰ وَالی زِندگی میں اُن کی اِتباع کی جائے اور موجود حیات بزرگانِ دِین اور اَساتذہ کرام کی قدر کرتے ہوئے اُن کے وجودِ مسعود کو غنیمت سمجھ کر اُن کی صحبت سے خوب اِستفادَہ کیا جائے۔

اُستاذِ محترم رحمہ اللہ نے ۱۹۲۸م میں اِس دُنیا میں آنکھ کھولی اور ۳/نومبر/۲۰۱۴م میں اِنتقال ہوا، اُستاذِ محترم رحمہ اللہ زِندگی کے چھیاسی سال (اور قمری اِعتبار سے تقریباً ایک کم نوے یا نوے سال) اِس طرح گزار کے گئے ہیں کہ اُن پر فخر کیا جا سکتا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ بھی اُن سے رَاضی ہوں گے اور آخرت میں اُن کے ساتھ اِعزاز وِاکرام وَالا معاملہ فرمائیں گے، اِن شاء اللہ العزیز۔

اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کے پسماندگان میں صلبی اَولاد: دو بیٹیاں اور ایک بیٹا (ماشاء اللہ سب شادی شدہ اور صاحب اَولاد ہیں) اور رُوحانی اَولاد: لاکھوں فرزندان شامل

ہیں، جس طرح اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کی صلبی اَولاد تعزیت کی مستحق ہے، بالکل اِسی طرح آپ کے لاکھوں رُوحانی فرزندان بھی تعزیت کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر جمیل اور حضرت کا نعم البدل نصیب فرمائے۔

"إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ" "إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلُّ شَيْئٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى".

"أَعْظَمَ اللّٰهُ أَجْرَنا، وأَحْسَنَ اللّٰهُ عَزاءَ نا، وغَفَرَ لِمَيِّتِنا".

اُستاذِ محترم رحمہ اللہ کے صاحبزادے مولانا عبید اللہ خورشید صاحب علمی، عملی، تبلیغی اور رُوحانی لائن میں ماشاء اللہ ہو بہو اَپنے وَالد صاحب کے قدم بقدم ہیں، اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بھی خوب سے خوب اَخلاقِ کریمہ اور خصائل حمیدہ سے نوازا ہے، آپ مجموعی طور پر طلبہ کرام اور اَساتذہ کرام میں مقبول ترین شخصیت ہیں، طلباء کرام کی ایک بڑی اَکثریت فراغت کے بعد علمی، عملی، تدرِیسی وتبلیغی میدان میں آپ سے ہی مشاورَت رَکھتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اُنہیں تدرِیسی لائن میں بھی خوب مہارَت اور ملکہ عطا فرمایا ہے، مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ میں دَرجہ علیا تک کی کتب آپ کے زیر تدرِیس ہیں، اَب تک دَرسِ نظامی کی تقریباً تمام اَہم کتب کی تدرِیس کا تجربہ حاصل کر چکے ہیں، بندہ نے حضرت زید مجدہٗ سے ۲۰۰۷م میں تفسیر جلالین حصہ دوم پڑھی، ماشاء اللہ اَندازِ تدرِیس اور حلِ کتاب اور متعلقہ مباحث پر سیر حاصل گفتگو کرنا آپ کا وَصف ممتاز ہے، اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ، اللہ آنجناب کا مبارک سایہ تادیر ہمارے سروں پر بعافیت رَکھے اور جہاں اُن سے دِینِ متین کی مبارک خدمات لے، وَہاں ہم ضعفاء کو بھی اُن کے علوم اور صلاحیتوں سے خوب سے خوب اِستفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے، نیز! اللہ رَبُّ العزت سے دُعا ہے کہ وہ اُستاذِ محترم حضرت مولانا جمشید علی خان صاحب رحمہ اللہ کو اَپنے مہمان خانے میں اعلیٰ مقام میں جگہ مرحمت فرمائے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوس اور قرب نصیب فرمائے اور ہم ضعفاء کو اُن کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

....

مقالات
و
مضامین

مولانا جمشید علی رحمہ اللہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ نے ٹنڈو الہ یار میں دارُ العلوم اسلامیہ اشرف آباد کی بنیاد رکھی اور عالی المرتبت جلیل الشان علماء کو تدریس و تربیت کے لیے جمع کرلیا۔ مولاناؒ دارالعلوم کے بانی تھے، لہٰذا مہتمم بھی وہی قرار پائے، لیکن قیام؛ دارالعلوم کے بجائے کراچی میں رکھا، دارُ العلوم کے اَساتذہ میں حضرت مولانا عبد الرحمٰن کیمبل پورِیؒ، حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنورِیؒ، حضرت مولانا اشفاق الرحمٰنؒ، مولانا محمد مالکؒ، قاری عبد المالکؒ وَغیرہ بھی شامل تھے۔ علماء کا یہ اِجتماع دارُ العلوم کی طرف علماء کے رُجوع کے لیے مؤثر ثابت ہوا، مگر یہ رونق اور دِل کشی زِیادَہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی، اِختلافات پیدا ہوئے اور حضرت مولانا اشفاق الرحمٰنؒ کے علاوَہ (کہ اُن کا گھر ٹنڈو الہ یار میں ہی تھا) سب چلے گئے اور دارُ العلوم اَساتذہ اور طلبہ سے بالکل خالی ہوگیا، ایک سال تو اِسی طرح گزرا، اس کے بعد دارُ العلوم کی نشاءۃِ ثانیہ کی کوشش کی گئی۔ ہمارے اُستاذِ محترم حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کا پاکستان کا سفر ہوا تو حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ نے اُن کو دَعوت دِی کہ وہ دارُ العلوم کو سنبھالیں، اُستاذِ محترم نے غور وفکر کے لیے کہا اور ساتھ ہی اَحقر کی مدرسہ مفتاح العلوم میں تعلیمی اور اِنتظامی مصروفیت کا ذِکر فرمایا، تو حضرت مولانا احتشام الحق رحمہ اللہ نے کہا کہ اُن کو آپ فوراً بھیج دِیجیے تاکہ سال کے شروع میں اَسباق کا نظم قائم ہو جائے۔ حضرت الاستاذ وَاپس جلال آباد تشریف لائے تو مولانا احتشام الحق رحمہ اللہ کی ملاقات اور پیش کش کا ذِکر فرمایا اور ساتھ ہی اَحقر کا پاکستان کا سفر تجویز ہوا۔ اَحقر نے یہ سوچتے ہوئے کہ نئی

جگہ ہوگی، نیا ماحول ہوگا، اِس لیے تنہا جانے کے بجائے دو ساتھیوں کو ساتھ لینا چاہیے، حضرت سے اس کی منظوری بھی مل گئی، تو ایک ساتھی مولانا مفتی نصیر اَحمدؒ (جو ضلع میرٹھ بڑوت کے قریب رسّا ادریس پور مسلم جاٹ برادری سے تعلق رَکھتے تھے) مقرر ہوئے اُنہوں نے چار سال مجھ سے پڑھا تھا اور مفتاح العلوم سے ہی فارِغ ہوئے تھے۔

دُوسرے ساتھی مولانا جمشید علیؒ مقرر ہوئے (جو ضلع مظفرنگر کے لوہارِی، حسن پور کے قریب بھیسانی کے مسلم رَاجپوت برادری سے تعلق رَکھتے تھے) یہ دو سال میرے پاس پڑھتے رہے تھے۔ جلال آباد میں اُنہوں نے مختصر المعانی، میبذی، حسامی، ملاحسن، مقاماتِ حریری وَغیرہ کتابیں پڑھیں، پھر یہ دَارُالعلوم دِیوبند چلے گئے اور وہیں سے اُن کی فراغت ہوئی۔

ہم لوگ ٹنڈو الہ یار سال کی اِبتداء میں پہنچ گئے، اَحقر کو ابوداؤد اور خامسہ، سادسہ، سابعہ کے سبق ملے اور دونوں ساتھیوں کو رَابعہ تک اَسباق ملے، ایک سال پورَا ہونے کے بعد مولانا مفتی نصیر اَحمدؒ تو وَاپس چلے گئے اور پھر نہیں آئے۔ اور میں نے اہل وعیال کو پاکستان بلوا لیا اور مولانا جمشید علی صاحب رحمہ اللہ نے اہل وعیال کے ساتھ دو بھائیوں کو بھی بلا لیا۔ اُس کے بعد جب تین سال ہوئے تو اَحقر کراچی منتقل ہو گیا۔ صحت بھی متأثر ہو رہی تھی، دَارُالعلوم کا نظم بھی قابلِ رَشک نہ تھا، مولانا جمشید علی رحمہ اللہ کچھ عرصہ تو میرے چلے آنے کے بعد رہے، پھر وہ رَائے ونڈ منتقل ہو گئے اور وَہاں اللہ پاک نے اُن کو جو دِینِ اِسلام کی خدمت سے نوازا، وہ ہم جیسے بے عمل لوگوں کے وَہم وگمان سے بالا وبرتر ہے۔

اللہ تعالیٰ اُن کو اَپنی شانِ عالی کے مطابق بلند دَرَجات عطا فرمائے، آمین ثم آمین

سلیم اللہ خان
جامعہ فارُوقیہ کراچی
۷۔ربیع الاول۔۱۴۳۶
۳۰ر دِسمبر ۲۰۱۴

شیخ الحدیث مبلغِ اِسلام حضرت مولانا جمشید علی صاحبؒ

مولانا نور محمد تونسوی قادری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث مبلغِ اِسلام حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمہ اللہ ہمارے اکابر علماءِ اِسلام میں شمار ہوتے تھے۔ آپ اہل علم اور تبلیغی حلقوں میں جانی پہچانی شخصیت کے مالک تھے۔ تبلیغی اِجتماعات میں اَکثر وبیشتر اُن کے بیانات ہوا کرتے تھے۔ آپ کے بیانات مؤثر اور دِل نشین ہوا کرتے تھے اور بعض اوقات اُن کے بیانات سریلے ہو جایا کرتے تھے۔ بہرحال اُن کے بیانات سے عوام وخواص محظوظ ہوا کرتے تھے۔

بہت پرانی بات ہے کہ خان پور کٹورَہ کے نواحی شہر فیروزہ میں ایک تبلیغی اِجتماع منعقد کیا گیا تھا۔ مولانا کا اُس اِجتماع میں بیان ہوا جو نہایت پُر اَثر تھا۔ مولانا نے وَہاں ایک وَاقعہ یہ بھی بیان فرمایا کہ جنگل کے بھیڑیے ایک دَفعہ حضورِ اَکرم صلی اللہ علیہ وَسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم جنگل میں صحابہ کرامؓ کے بھیڑ بکریوں کو پکڑ کر لے جاتے ہیں اور کھا جاتے ہیں۔ اِس سے ہمیں شرم آتی ہے لہٰذا آپ صحابہ کرامؓ سے فرمائیں کہ وہ اَپنے مالوں سے ہمارے لیے کچھ نہ کچھ حصہ مقرر کر دیں تاکہ جانبین کو سہولت رہے۔ حضورِ اَکرم صلی اللہ علیہ وَسلم نے صحابہ کرامؓ کو بلا کر اُن سے مشورَہ کیا تو صحابہؓ نے فرمایا کہ اِس طرح ہم دینے پر رَاضی نہیں ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وَسلم نے بھیڑیوں کو فرمایا کہ میرے صحابہ اِس طرح دینے پر رضامند نہیں ہیں۔ لہٰذا تم کو جب موقع ملا کرے اُٹھا لیا کرو۔ تو بھیڑیے دوڑے اور جنگل میں چلے گئے اور کوں کوں کرتے جا رہے تھے۔ میرے بھائیو! یہ وَاقعہ بندہ عاجز نے اَپنے الفاظ میں بیان کیا اور غالبًا یہ وَاقعہ حیاۃُ الصحابہؓ میں بھی موجود ہے لیکن جس اَنداز سے اور جن اَلفاظ سے مولانا نے یہ وَاقعہ بیان فرمایا تھا وہ اِتنا دِلچسپ تھا کہ لوگ مزے سے عش عش کر اُٹھے۔

آج سے تقریباً تیس سال پہلے کی بات ہے کہ بندہ عاجز نے تبلیغی جماعت کے ساتھ ڈیرہ اِسماعیل خان کے نواحی علاقہ میں ایک چلہ لگایا تھا۔ ہماری جماعت کا ایک ساتھی جب بیت الخلاء کے آدَاب بیان کرتا تھا تو کہتا تھا کہ جب بیت الخلاء میں بیٹھیں تو سر پر ہاتھ رَکھ کر بیٹھیں۔ اَلبتہ اَب مجھے یاد نہیں کہ وہ دَائیں ہاتھ کا کہتا تھا یا بائیں ہاتھ کا

کہتا تھا اور وہ ساتھی اُس کی وَجہ یہ بیان کرتا تھا کہ ایک کافر نے اس کا مذاق اُڑایا کہ دیکھو جی مسلمانوں کا پیغمبر کہتا ہے کہ بیت الخلاء بیٹھ کر اِس طرح سر پہ ہاتھ رَکھ لو تو اس کافر نے بھی مذاقاً سر پر ہاتھ رَکھ لیا۔ چنانچہ وہ بیت الخلاء میں بیٹھے ہوئے سر پر ہاتھ رَکھے ہوئے تھا اور یہی کہہ رہا تھا کہ اَچانک اُس کے کسی دُشمن نے اُوپر سے پھندا ڈَالا۔ چونکہ اُس نے سر پر ہاتھ رَکھا ہوا تھا پھندا اُس کے گلے میں نہ پڑا بلکہ دَرمیان میں بازُو آجانے سے خالی پھندا باہر نکل گیا۔ تو وہ ساتھی بتاتا تھا کہ ایک کافر نے اس ہدایت پر عمل کیا اور اُس کی جان بچ گئی۔

لیکن بندہ عاجز کو وَاقعہ میں شبہ ہوا کہ یہ وَاقعہ کسی مستند کتاب میں نہیں ہے۔ چنانچہ جب ہم چلہ لگا کر رَائے ونڈ وَاپس آئے تو بندہ کے دِل میں مولانا جمشید علی صاحبؒ سے ملاقات کا اِشتیاق پیدا ہوا۔ چنانچہ ایک پرانے ساتھی کو ہمراہ لے کر مولانا کے کمرہ میں گیا۔ اُس وَقت مولانا ڈَاک کو دیکھ رہے تھے۔ بندہ عاجز نے سلام کیا اور مصافحہ کیا تو مولانا نے ناگوارِی کا اِظہار فرمایا اور وَجہ یہ بتائی کہ میں ڈَاک دیکھنے میں مصروف تھا پھر اُس وَقت میں نے مولانا سے بیت الخلاء کے اس اَدب کا تذکرہ کیا جو ہمارَا ساتھی بیان کیا کرتا تھا۔ تو مولانا نے مختصر سا جملہ اِرشاد فرمایا کہ بھائی یہ اُس سے پوچھیں جس نے یہ بیان کیا ہے۔ بندہ عاجز مولانا کے اِس جواب سے یہی سمجھا کہ یہ وَاقعہ ثابت نہیں ہے۔ وَاللّٰہُ أَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ۔ اور اَب بھی میں یہی سمجھتا ہوں کہ بیت الخلاء میں بیٹھتے وَقت سر پر ہاتھ رَکھنا بیت الخلاء کے آدَاب میں سے نہیں ہے اور ساتھ ساتھ کافر کا واقعہ جو بیان ہوا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ ہاں اَگر کوئی صاحب علم مجھے بتادیں کہ یہ وَاقعہ اور یہ اَدب صحیح ہے اور فلاں کتاب میں لکھا ہے تو بندہ عاجز کو ماننے میں کوئی عار نہیں ہے۔

یہ میری حضرت مولانا جمشید علی صاحبؒ کے ساتھ پہلی اور آخری ملاقات تھی۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا جمشید علی صاحبؒ کو اَپنی جوارِ رحمت میں جگہ عنایت فرمائیں اور اُن کی قبر کو جنت کا باغ بنائیں اور اُن کی قبر پر بارَانِ رحمت نازِل فرمائیں۔

اللھم برد مضجعه ووسع مدخله و اکرم نزله و اعذه من عذاب القبر و ادخله الجنة۔
آمین یا رب العالمین۔ بحرمة النبی الکریم صلی الله تعالی علیه و علی آله و اصحابه اجمعین

املاء: ابواَحمد نور محمد قادرِی تونسوی (۲۱۔۱۲۔۲۰۱۴)

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم
مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

محرم الحرام ۱۴۳۶ھ کی دسویں شب عشاء کے بعد لاہور سے ایک عزیز نے فون پر اِطلاع دِی کہ مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا جمشید علی خان صاحب اَبھی اَبھی لاہور جناح ہسپتال میں انتقال فرما گئے ہیں، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

کئی دِنوں سے اُن کی شدید ناسازِیٔ طبع کی اِطلاعات مل رہی تھیں، بالآخر وہی ہوا جو ہونا تھا، حق تعالیٰ کا صریح اِرشادِ گرامی: كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اِنکار ممکن ہی نہیں اور نہ ہی اس سے کسی متنفس کو مفر ہے، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا جمشید علی خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت فرمائیں، اُن کے درجات بلند ہوں اور اُن کے تمام جسمانی ورُوحانی پسماندگان کو صبر واَجر سے نوازیں، آمین۔

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحبؒ بڑے ہی خوش قسمت تھے کہ اُن کی سارِی زِندگی دَرس وتدرِیس، وَعظ وتبلیغ میں گزرِی، اُمت مسلمہ کو اُن کی زِندگی سے بے حد نفع ہوا اور اُنہوں نے اَپنی حیاتِ مستعار کا کوئی لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ دَراصل حضرت مرحوم کو اِبتداء سے ہی ایسا ماحول ملا اور اُن کی اِبتدائی تربیت ہی ایسے مرکز میں ہوئی جہاں سے لاکھوں مسلمانوں نے فیض پایا اور رُوحانی طور پر بلند مقام پر پہنچے، اِس سے میری مراد خانقاہِ اِمدادیہ اَشرفیہ تھانہ بھون ہے، جہاں اُنہوں نے اَپنے بچپن میں حضرت اقدس حکیم الامت مجدِدُ الملت حضرت مولانا اَشرف علی تھانوی نورَ اللہ مرقدہٗ سے براہِ راست تربیت حاصل کی اور انہیں خاص خدامی کا شرف حاصل ہوا، اس کے بعد وہ جلال آباد حضرت مسیح الامت مولانا شاہ مسیح اللہ خان جلال آبادِی قدس سرہٗ کی زیر تربیت تعلیم حاصل کرتے رہے، بالآخر مرکز علم وعمل دَارُ العلوم دِیوبند میں جاکر اُنہوں نے حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین اَحمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دِیگر اکابر سے فیض پایا اور ظاہری علوم میں بھی تکمیل فرمائی۔ بیعت کا شرف حضرت مسیح الامت قدس سرہٗ سے حاصل ہوا۔

۱۹۵۲ء میں دَارُالعلوم ٹنڈو الہ یار سندھ میں علامہ ظفر اَحمد عثمانیؒ کی زیرِ نگرانی ایک عرصہ تک تدرِیس کا سنہری موقع ملا، بالآخر ۱۹۶۴ء سے مرکزِ تبلیغ رَائے ونڈ سے وَابستہ ہو کر تا دَمِ آخر دَرس و تدرِیس اور وَعظ و اِرشاد اور دَعوت و تبلیغ میں اَپنی پورِی زِندگی لگا دِی۔ حق تعالیٰ آپ کی تمام خدمات کو قبول فرمائیں اور رفعِ دَرَجات کا سبب بنائیں۔

اَحقر کے وَالد ماجد حضرت مولانا مفتی سیّد عبدالشکور ترمذی قدس سرہٗ کا بچپن چونکہ تھانہ بھون میں گزرَا، جہاں آپ نے حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اَشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے زیرِ سایہ اور حضرت علامہ ظفر اَحمد عثمانی اور اَپنے وَالد ماجد حضرت مولانا مفتی سیّد عبدالکریم گمتھلوی رحمہم اللہ تعالیٰ کی زیرِ نگرانی تعلیم و تربیت پانے کا شرف حاصل کیا، اِس لیے خانقاہِ اَشرفیہ تھانہ بھون کے زمانۂ قیام میں اُنہیں کئی مرتبہ اَپنے والد صاحب اور حضرت علامہ ظفر اَحمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ موضع بھیسانی بھی جانا ہوا، حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا تعلق بھی اسی بھیسانی ہی سے تھا، حضرت والد صاحب کا تعلق حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم سے دارالعلوم دِیوبند میں پڑھنے کے زمانہ میں ہوا اور اُن کے ساتھ آپ کئی مرتبہ لوہارِی بھی گئے ہیں، جب کہ حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا تعلق حضرت مولانا دَامت برکاتہم سے بہت پہلے سے تھا بلکہ مفتاح العلوم جلال آباد کے زمانۂ قیام میں آپ نے حضرت مولانا دَامت برکاتہم سے بعض کتابیں بھی پڑھی تھیں۔ اِدھر حضرت علامہ محمد رفیق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جو حضرت وَالد صاحب کے دَرجہ قرآنِ کریم کے ساتھی تھے وہ بھی بھیسانی کے ہی رہنے وَالے تھے، اِس طرح ان حضرات کا آپس میں بچپن اور جوانی کے زمانہ سے ہی تعلق و تعارف تھا۔ تقسیم ہند کے بعد، بُعد مسافت کی وَجہ سے باہم ملاقات کی نوبت کبھی کبھی ہوتی تھی لیکن سابقہ قدیم تعلقات کا ہر ایک کو لحاظ رہتا تھا، اس لیے جب کبھی ملاقات ہوتی دیرینہ تعلقات کی جھلک اُس میں ضرور موجود ہوتی تھی۔

اَحقر کو خوب یاد ہے کہ جب حضرت علامہ ظفر اَحمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی سوانح ''تذکرۃُ الظفر'' کے نام سے شائع ہوئی اور جامعہ اَشرفیہ لاہور میں ملاقات کے موقع پر

وَالد صاحب نے اُنہیں اس کا ایک نسخہ پیش فرمایا تو اُنہوں نے کتاب دیکھتے ہی فوراً چوم کر سر پر رَکھ لی، مولانا مرحوم سے اُنہیں جو عقیدت و محبت تھی یہ اُس کا اِظہار تھا اَحقر اس طرزِ عمل سے بڑا متأثر ہوا، وَالد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ پر بھی اس کا خاص اَثر ہوا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ چونکہ بڑے جید عالم اور فاضل تھے، اِس لیے دَعوت و تبلیغ کے ساتھ وہ ہمیشہ دَرس و تدرِیس بھی کرتے رہے اور تقریباً اُنہوں نے تمام اَہم کتابوں کی تدرِیس فرمائی۔ آخر میں دورَۂ حدیث شریف کی اَہم ترین کتاب **اصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ** جامع صحیح بخارِی شریف بھی پڑھاتے رہے، اَحقر کو رَائے ونڈ میں ایک مرتبہ اُن کے حلقہ دَرس میں بیٹھنے کا موقع ملا، اُس وَقت وہ اُصولِ فقہ کی اَہم کتاب ''حسامی'' پڑھا رہے تھے، سبق کے بعد ملاقات ہوئی، چونکہ وہ اَحقر کے جدِ اَمجد حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے وَاقف تھے اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ احقر کے جد امجد کے امام الدعوۃ وَالتبلیغ حضرت مولانا محمد اِلیاس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے خاص تعلقات تھے، اِس لیے اَحقر کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آئے اور بڑی دُعائیں دِیں۔

اِسی طرح برادَرِ مکرم مولانا سیّد عبدالصبور صاحب ترمذی مرحوم جب کچھ عرصہ کے لیے جماعت میں گئے اور کئی روز اُن کا رَائے ونڈ تبلیغی مرکز میں قیام ہوا تو حضرتؒ نے اُن کا بڑا خیال رَکھا اور حضرت جد امجدؒ کی نسبت سے بڑی شفقت اور پذیرائی فرمائی۔ برادَرِ مرحوم ہمیشہ حضرت مولاناؒ کے اس اِخلاص بھرے طرزِ عمل کی تعریف فرماتے تھے۔

رَائے ونڈ میں سالانہ اِجتماع کے علاوہ بھی کئی مرتبہ جانا ہوا، وَہاں حضرت مولانا جمشید صاحبؒ کے علاوہ حضرت مولانا محمد اِنعام الحسن صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ اور دِیگر اَکابر کی زِیارَت کا موقع بھی ملا، فقیہِ وَقت حضرت مفتی جمیل اَحمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہمراہ بھی ایک مرتبہ وَہاں جانے کی سعادَت حاصل ہوئی اور وَہاں کے تمام بزرگوں کی زِیارَت کا موقع ملا، حق تعالیٰ سب پر رحم فرمائیں اور مولانا مرحوم کی خدمات کو قبول فرما کر اُن کو دَرَجاتِ عالیہ سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

انفاس کی خوش بو

مفتی شکیل احمد

اس عظیم اُستاذ کی نارَاضگی لحہ لحہ جان پر قیامت بنتی جارہی تھی، وَجہ معلوم نہ تھی کہ یہ مجسم شفقت آخر کس وَجہ سے خفا ہے؟ تین دِن تک یہ ہستی خفا رَہی، بالآخر جماعت کے ساتھیوں کی مدد سے یہ عقدہ کھلا کہ اُستاذِ محترم سے سوال کرتے ہوئے جوش سے ہاتھ حدیث کی کتاب ''ابوداؤدشریف'' پہ لگ گیا، جوش کی وَجہ سے مجھے اس کا اِحساس تک نہ ہوا، لیکن محترم اُستاذ نے اُس کو محسوس کیا اور اس بے اَدبی کی وَجہ سے اُستاذِ محترم تین دِن سے چیں بجبیں تھے، حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمہ اللہ نے دَارُالعلوم دِیوبند میں دورۂ حدیث کی اَہم کتاب ''ابوداؤدشریف''، مجسم شفقت اور عظیم اُستاد حضرت مولانا محمد اِعزاز علی صاحب امروہوی رحمہ اللہ سے پڑھی تھی۔

''صبح کا وَقت تھا، جب میں تھانہ بھون پہنچا، دَروَازہ پہ دَستک دِی، اَندر سے کتابی چہرہ وَارِد ہوا، کہاں سے آئے ہو اور کس کام سے آنا ہوا؟ اس بزرگ نے اِستفسار کیا، طالب علم ہوں، دَارُالعلوم دِیوبند میں پڑھتا ہوں، اَساتذہ نے بھیجا ہے، طالب علم نے اَدب سے جواب دِیا، کیسے آئے ہو؟ اُس نوُرانی بزرگ نے سوال کیا۔ حضرت پیدل آیا ہوں، طالب علم گویا ہوا، میری ظاہری حالت سے وہ بزرگ پہچان گئے کہ طالب علم پیاسا ہے، اَندر تشریف لے گئے، کچھ دیر بعد جلوہ گر ہوئے، ہاتھ میں پانی کا کٹورَا تھا، پانی زِیادَہ تھا، بظاہر لگتا تھا کہ گھر کی خواتین نے ڈَال دِیا، بزرگ نے شفقت ومحبت سے ڈُوبے ہوئے لہجے میں کٹورَا میری طرف بڑھاتے ہوئے پانی پینے کو کہا، میں بزرگ کے سامنے

بیٹھ کر پانی پینے لگ گیا، تین سانس میں پانی پیا، پانی بچ گیا، اس مقدار سے زِیادَہ پینا میرے بس میں نہیں تھا، وَاپس کرتا ہوں تو ڈَرتا ہوں کہ میرا جھوٹا کون پیے گا؟ گراتا ہوں تو بزرگ کی ڈَانٹ کا ڈَر ہے، میں اِسی سوچ و بچار میں تھا اور بزرگ کھڑے، ٹکٹکی باندھے میری فراست وذَہانت کا اِمتحان لے رہے تھے، آخر خدا نے ذہن میں ڈَالا کہ میرے قریب ہی ایک پودَا تھا، وہ پانی میں نے اُس میں ڈَال دِیا، تاکہ پانی ضائع نہ ہو، مولانا جمشید صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میری اس ذہانت سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ بہت مسرور ہوئے اور مجھے شاباش دِی۔''

حضرت مولانا محمد جمشید علی صاحبؒ نے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ علی گڑھی کے مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں تعلیم حاصل کی، اُسی مدرسہ میں حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب حفظہ اللہ بھی زیرِ تعلیم تھے اور آپ سے اُوپر وَالے دَرَجات میں تھے اور اُس وَقت یہ رِوَاج تھا کہ چھوٹے دَرَجات کے طلبائے کرام اَپنے سے اُوپر وَالے طلبائے کرام سے پڑھتے تھے، یہیں مفتاح العلوم جلال آباد میں حضرت نے مولانا سلیم اللہ خان صاحب حفظہ اللہ سے کچھ کتابیں پڑھیں، ایک مرتبہ مولانا سلیم اللہ خان صاحب حفظہ اللہ جماعت میں کچھ وَقت لگانے کے لیے رَائے ونڈ مرکز تشریف لائے اور اَپنا نام صرف اِتنا لکھوایا ''سلیم اللہ، کراچی'' حضرت کی جماعت میں تشکیل ہوگئی، بعد میں مولانا جمشید صاحبؒ کو معلوم ہوا تو نصرت کے لیے تشریف لے گئے، وَہاں جاکر دیکھا تو مولانا سلیم اللہ خان صاحب حفظہ اللہ برتن دھو رہے ہیں، جب جماعت کے ساتھیوں کو معلوم ہوا کہ مولانا سلیم اللہ خان صاحب تو ہمارے شیخ کے بھی اُستاذ ہیں، پھر تو پاؤں پڑگئے، لیکن حضرت شیخ حفظہ اللہ کی بے نفسی کہ جماعت والوں کو بھی آپ کی عظمت کا علم نہ ہوا اور خود برتن دھورَہے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ نفوسِ قدسیہ صدی پون صدی ہمارے دَرمیان گزار کر تشریف لے جاتے ہیں، لیکن زِندگی میں اُن کی زِیارت، خدمت، صحبت، معیت اور اُن سے حصولِ علم کے لیے ہم کوشش نہیں کرتے اور اُن کی حیاتِ مبارکہ میں کچھ پیسے خرچ کر کے اُن سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے سفر نہیں کرتے اور اُن کی

وَفات پراُن کے چہرے کی زِیارَت پہ سارَاز وروزَر خرچ کردیتے ہیں۔

ڈُوبتی شعاعوں سے تمازت نہ مانگ
بٹتی ہے سر عام عالم شباب میں

نماز کا وَقت ہے اور ٹنڈ والہ یار میں ایک میواتی اِضطراب و پریشانی کے عالم میں ہے، رونے جیسا منھ بنایا ہوا ہے، حضرت مولانا جمشید صاحبؒ نے پریشانی کا سبب پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ وضو کرنا ہے اور مسواک گم ہوگئی ہے۔ مولانا جمشید صاحبؒ نے پوچھا کہ پریشان کیوں ہو؟ تو کہنے لگا کہ مسواک کے ساتھ وضو سے ستر نمازوں کا ثواب ملتا ہے، مسواک کے بغیر وضو سے میری ستر نمازیں ضائع ہوجائیں گی، مولانا جمشید صاحبؒ نے پوچھا! کیا تم عالم ہو؟ نہیں! جماعت میں آیا ہوا ہوں، حضرتؒ فرماتے تھے کہ: ''میں نے سوچا کہ ہم علماء ہیں اور لوگوں کو مسواک کی فضیلت بتاتے ہیں، مگر ہمیں مسواک کا اِتنا اہتمام نہیں جتنا اس جاہل کو ہے، بس یہی بات میرے تبلیغ میں لگنے کا سبب بن گئی۔''

حضرت مولانا جمشید صاحبؒ نے ۱۹۵۱ء میں ٹنڈ والہ یار میں پڑھانا شروع کیا اور اِبتدائی دورِ تدریس میں صرف ونحو ومنطق وَغیرہ کی بنیادِی کتب پر خوب محنت فرمائی، ایک مرتبہ جامعہ اَشرفیہ لاہور میں حضرت مولانا محمد موسیٰ خان صاحب رُوحانی بازِی رحمہ اللہ کی ملاقات کے لیے تشریف لائے، حضرت مولانا رُوحانی بازِیؒ بڑی عقیدت ومحبت اور نیازمندی سے ملے اور عرض کیا کہ حضرت! میرے لیے دُعا فرمادیں، حضرتؒ نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھادِیے، حضرت مولانا رُوحانیؒ عرض کرتے جاتے، حضرتؒ میرا نام لے کر دُعا فرمائیں، لیکن حضرت دُعا میں کہتے! اے اللہ! تمام اُمت کے مسئلے حل فرما دے! حضرت رُوحانیؒ نے اَپنے بیٹے عزیر کے لیے عرض کیا کہ حضرت! اِس کے لیے بھی دُعا فرمادیں، حضرت دُعا فرماتے اے اللہ! تمام اُمت کی اولاد کو نیک بنا، دُوسرے دِن حضرت رُوحانیؒ نے دَرس گاہ میں فرمایا کہ کل میرے پاس ایک بہت بڑے بزرگ عالم تشریف لائے تھے، جو پورِی اُمت کی بات کرتے ہیں، فرمایا یہ صفت اَنبیائے کرام علیہم السلام کی ہے کہ وہ پورِی اُمت کی فکر کرتے ہیں، حضرت رُوحانیؒ نے آپ کو پانی نوشِ

جاں کرنے کے لیے دِیا، حضرتؒ کا بچا ہوا پانی حضرت رُوحانیؒ نے خود نوش فرمایا اور باقی پانی گھر کے اَندر بھیج کر فرمایا کہ تمام اہل خانہ ایک ایک گھونٹ بطورِ تبرک پی لیں۔

حضرت رُوحانیؒ کی بھی کمالِ تواضع تھی کہ جن کے علوم وکتب کو دیکھ کر بعض حضرات نے کہا! ماضی قریب میں اُن کی مثال نہیں ملتی، بذاتِ خود اِتنے عظیم محدث، صاحب سلسلہ بزرگ اور جلیل القدر عالم ومصنف ہیں، لیکن تواضع اور بے نفسی کا یہ عالم ہے کہ اَپنے ایک معاصر دوست کے سامنے بچھے جارہے ہیں۔

نہ علم کا غرہ نہ بزرگی کا گھمنڈ
اَب ڈُھونڈ اُنہیں چراغِ رُخِ زیبا لے کر

پھر حضرت رُوحانی بازِیؒ کی نمازِ جنازہ بھی مولانا جمشید صاحبؒ نے پڑھائی۔

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحبؒ کی طبیعت میں جلال تو تھا ہی، لیکن لطافت و ظرافت، بذلہ سنجی، نقطہ آفرینی اور مقفّٰی ومسجّع عبارَات کا اِستعمال بھی طبع مبارک کا جز تھا۔

جامعہ خیر المدارِس ملتان کے بزرگ اُستادِ حدیث حضرت مولانا منظور اَحمد حفظہ اللہ تشریف لائے، کیلے پیش خدمت کیے گئے، مولانا منظور اَحمد صاحب نے ایک کیلا تناول فرمایا، اِس پر مولانا جمشید صاحبؒ نے بطورِ ظرافت فرمایا، کیلا اکیلا نہیں، دودو۔ اِس پر مولانا نے دُوسرا کیلا بھی تناول فرمایا، لیکن حضرتؒ نے خود ایک کیلا کھایا، مولانا منظور اَحمد صاحب نے فرمایا، حضرتؒ آپ نے خود تو ایک کیلا لیا ہے، مجھے آپ فرمارہے تھے کیلا اکیلا نہیں، حضرت مولانا جمشید صاحبؒ نے مسکرا کر فرمایا! میرا مطلب تھا، کیلا اکیلے نہیں کھانا چاہیے، میں اکیلے نہیں کھارہا، بلکہ دِیگر احباب بھی ساتھ کھارہے ہیں۔

رَاقم کو یاد ہے کہ کافی عرصہ پہلے مجلس صیانۃ المسلمین لاہور کے سالانہ اِجتماع میں جامعہ اَشرفیہ لاہور میں تشریف لائے، حضرت مولانا حکیم محمد اَختر صاحبؒ سے گرم جوشی سے معانقہ کیا اور دونوں بزرگوں نے لفظ ''جمشید'' پر ظریفانہ تکلم فرمایا، حضرتؒ ایک عرصہ تک مجلس صیانۃ المسلمین کا کام بھی بڑی سرگرمی سے کرتے رَہے، سبق میں قلت لہ یاقال لہ کا ترجمہ جب کوئی طالب علم، میں نے اُس کو کہا یا اُس نے ''اُس کو کہا'' سے

کرتا تو اس پر بہت خفا ہوتے اور فرماتے کہ ''اُس کو کہا'' کی بجائے ''اُس سے کہا''، سے ترجمہ کرو اور فرماتے ! 'قال' کے بعد جب لام آئے تو 'مِن' کا ترجمہ ساتھ لائیں۔

حضرتؒ نے عرصۂ دَراز تک مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ میں جلالین اور شرح عقائد پڑھائی اور جلالین کی تکمیل پر طلبائے کرام کو نصائح کرتے ہوئے فرماتے کہ یہ وہ نصائح ہیں جو مولانا اِعزاز علی صاحبؒ نے ہمیں فرمائیں، آپ نے ابوداؤد شریف شیخ الادب حضرت مولانا محمد اِعزاز علی صاحبؒ سے اور بخاری شریف شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین اَحمد مدنیؒ سے پڑھی، مولانا اِعزاز علی صاحبؒ میں بھی اَدب کا مادہ بہت تھا، وہی صفت اَدب حضرتؒ میں بھی بہت تھی، سبق میں جب کوئی اِدھر اُدھر متوجہ ہوتا تو اُسے ڈانٹتے کہ یہ سبق کی بے اَدبی ہے، رَائے ونڈ میں آپ کی نشست کی طرف کوئی پشت کر کے نہیں گزرتا کہ یہ بھی بے اَدبی ہے، اِس لیے آپ کی نشست پر کپڑا چڑھا ہوتا ہے۔

آپؒ نے ساری زِندگی سادگی میں ہی گزار دِی، چمڑے کا بنا ہوا مصلّٰی ہی آپ کی جائے نماز اور وہی بستر تھا اور اُسی پر جلوہ اَفروز ہو جاتے۔

آپ کی تدفین کے بعد آپ کے اکلوتے بیٹے، شاگرد اور مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ کے اُستاذِ حدیث جناب مولانا عبید اللہ خورشید صاحب حفظہ اللہ فرمانے لگے کہ: ''اَب میری اِصلاح کون کرے گا؟ حضرت وَالد صاحب آخر عمر تک ذَرا ذَرا سی بات پہ روک ٹوک کرتے اور پوچھ گچھ کرتے، سبق پر گرفت کرتے، بیان کی اِصلاح فرماتے۔''

ایک مرتبہ کچھ اہلِ عرب حضرات نے ہدیہ دِیا، اس پر گرفت فرمائی، یہ ہدیہ کہاں سے آیا؟ کس نے دِیا؟ کیوں دِیا؟ آپ نے کیوں لیا؟ اِس طرح اُن کی ایک مرتبہ کی اِصلاح عمر بھر کے لیے مشعل رَاہ بن جاتی۔

جناب مولانا طارِق جمیل صاحب حفظہ اللہ جو آپ کے شاگردوں میں سے ہیں اُن سے متعلق سنا ہے کہ مولانا حفظہ اللہ نے فرمایا، میں ایک مرتبہ مولانا جمشید صاحبؒ کی خدمت میں شہد لے کر گیا، حضرتؒ میرے اُستاد تھے، میں رَائے ونڈ میں اُن کے پاس پڑھتا تھا، مجھ سے فرمانے لگے! کہاں سے لائے ہو؟ میں نے عرض کیا میرے اَپنے باغ

کا ہے، پھر پوچھا تمہارے باپ نے اَپنی زَمین میں سے اَپنی بہنوں کو حصہ دِیا ہے؟ میں نے سوچا، بات شہد کی ہے اور مجھ سے باپ کی ورَاثت کا پوچھ رہے ہیں، میں نے کہا، میرے وَالد صاحب کی کوئی بہن نہیں تھی، پھر فرمانے لگے کہ تمہارے دَادا نے اَپنی بہنوں کو حصہ دِیا تھا؟

میں نے کہا جتنا اللہ نے مجھے مکلّف بنایا ہے، آپ بھی مجھے اُتنا ہی مکلّف سمجھیں۔ کہنے لگے اَچھا اَچھا، ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ پھر پوچھا یہ بوتل بھی ہدیہ ہے یا صرف شہد ہدیہ ہے؟

جن کو آخرت کا خوف ہوتا ہے وہ ایسی ہی تحقیق کرتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحبؒ چھوٹے تھے اور بچپن سے ہی حضرت مولانا اَشرف علی تھانویؒ کے گھر آنا جانا رہتا تھا اور حضرت تھانویؒ اُن کی اِصلاح بھی فرماتے اور دِیگر حضرات کی اِصلاح کو بھی آپ ملاحظہ فرماتے تھے۔ پھر جلال آباد میں حضرت تھانویؒ کے عظیم خلیفہ حضرت مولانا مسیح اللہ خان شیروَانیؒ سے تلمذ اور بیعت کا تعلق رَہا، گو حضرتؒ سے خلافت نہ ملی، لیکن اِس قدر جز رسی کے ساتھ فکرِ آخرت اور خوفِ خدا اُنہی نفوسِ قدسیہ کی صحبت و معیت کی دین ہے، مولانا طارِق جمیل صاحب حفظہ اللہ، مسجد تبلیغی مرکز رَائے ونڈ کے حالیہ اِمام مولانا معاذ صاحب، مولانا عبید اللہ خورشید صاحب، رَائے ونڈ کے بزرگ اُستاد حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب اور دِیگر سینکڑوں مبلغین علمائے کرام آپ کے شاگرد ہیں اور آپ کی فکر اور مہم کے اَمین و وَارِث ہیں۔

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوش بو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

....

ایک داعی بے مثال کا تذکرہ

مولانا شفیق احمد بستوی، فاضل دیوبند

جب رَاقم السطور نے پہلی مرتبہ اُس مردِ قلندر کو دیکھا جو اِس تحریر کا موضوع اور زیر نظر توصیفی مقالہ کا موصوف ہے تو شعور و وِجدان نے کچھ یوں محسوس کیا کہ ''یہ کوئی درویش معلوم ہوتے ہیں، سادَہ وَضع ایسی کہ کپڑے کی گول ٹوپی سر پر بالکل ہی عمومی کیفیت کی، کرتا بالکل ڈِھیلا ڈھالا اور لنگی بجائے اِزار'' یہ مجموعۂ پیراہن اپنے ظاہری منظر سے یہی باوَر کراتا تھا کہ موصوف جیسے ظاہری ٹیپ ٹاپ سے قطعی مستغنی لیکن دِل کے دھنی شخص محسوس ہوتے تھے، چنانچہ مجلس چاہے چند افراد کی ہو یا ہزاروں کا مجمع ہو، آپ بلاتکلف کبھی دورانِ گفتگو اپنی ٹوپی ہاتھ سے سر کے دائیں بائیں گھماتے تو چونکہ گول تھی اور کپڑے کی ہوتی اِس لیے وہ کسی بھی کریز یا زاویہ کی پابند نہیں ہوتی تھی جو موصوف کی سادَہ لباسی کا ایک عکس تھا۔

گفتگو کرتے ہوئے جملہ کی تکمیل کرتے اور جب سانس کے ختم پر وَقفہ فرماتے تو عموماً آخری لفظ کو ایسے مد کے ساتھ تلفظ فرماتے کہ سامعین کے لیے ایک گونہ دِل جمعی و دِلچسپی کا عنصر اس میں شامل ہو جاتا تو دوسری طرف موصوف کی عزیمت و اِستقامت کا برجستہ اِظہار ہوتا تھا کہ وہ کسی سے متأثر و مرعوب ہوئے بغیر اپنی بے لوث و بے تکلف گفتگو کا سیدھا سادَہ تسلسل برقرار رَکھتے، گھنی اور سفید ڈَاڑھی، دَرمیانہ قد، پختہ گندمی رَنگ، کبرسنی کے باعث معتدل بھارِی بدن، ضعف و نقاہت سے متصف جسم، میل جول میں اپنائیت کا بھرپور مظاہرہ اور فنائیت فی اللہ و دِین و دعوت میں اِستغراق کی منہ بولتی تصویر۔ یہ ایک مختصر سا قلمی اور تصورَاتی عکس ہے مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ کے شیخ الحدیث

اور دعوت و تبلیغ کے عالمی رہنما حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جنھوں نے اپنی پورِی عملی زِندگی دعوت و تبلیغ کے پلیٹ فارم سے گویا خالق زندگی یعنی اللہ تعالیٰ کو تفویض فرمادِی تھی۔ شب و روز ہمہ تن مشغولیت کا صرف ایک ہی محور تھا کہ بس دِین و دعوت کی محنت سے وابستگی رَہے، وَاقعی اُن کی زندگی کے شب و روز کا مشاہدہ کر کے ہی فرمانِ بارِی تعالیٰ ''اِنَّ صَلٰوتِی وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ '' کا مصداق سمجھ میں آتا ہے کہ صبح کو دیکھیں تو تبلیغی مرکز رائے ونڈ میں قائم مدرسہ عربیہ میں مختلف اِسلامی علوم کی تدرِیس میں مشغول ہیں، جن میں حدیث شریف کی معروف ترین کتاب صحیح بخارِی شریف شامل ہے، دُوپہر کو دیکھیں تو تبلیغی مرکز رَائے ونڈ کے اِجتماعی اعمال میں اِنہماک کے ساتھ اللہ کے رَاستے میں نکلے ہوئے مسلمانوں کی دِینی، علمی خدمات و رہنمائی میں مصروفِ عمل نظر آتے ہیں، شام ہو تو یہی مشغلہ، رَات ہو تو بس یہی ایک دُھن لگی رہتی کہ بندگانِ خدا کی تعلیم و تربیت اور دَعوت و تبلیغ کے منہج پر اُن کی بھرپور ہمدردِی ہوتی رہے اور لوگ دِین کو عملی زِندگی میں سیکھ سیکھ کر اپنانے وَالے کیسے بن جائیں۔

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان علیہ الرحمۃ نے اَپنی تمام مشغولیات کو ''الدین النصیحۃ'' کا عملی پیکر بنایا ہوا تھا، آپ کی جلوت ہو یا خلوت، آرَام و اِستراحت کی کیفیت ہو یا دَرس و تدرِیس کی مشغولیت، اِنفرادی عمل کا شغل ہو یا اِجتماعی عمل میں شرکت بہرصورَت آپ بندگانِ خدا کی ہمدردِی کے لیے خود کو ہمہ تن اور ہمہ وَقت گویا وَقف رَکھتے تھے اور اِس طرح آپ اِس شعر کا سچا مصداق تھے۔

میری زِندگی یہی ہے کہ سبھی کو فیض پہنچے
میں چراغِ رہ گزر ہوں مجھے شوق سے جلالو

میرے ہم زلف جناب محی الدین خان صاحب بیرونِ ملک وَقت لگانے اللہ کے رَاستے میں نکلے ہوئے تھے، وَاپس تشریف لائے تو رَائے ونڈ پہنچ کر معلوم ہوا کہ چند یوم بعد کراچی کی ایک عدالت میں چل رَہے ایک کیس کے معاملہ میں پیشی ہے جب کہ

اَبھی وَقت پورَا نہیں ہوا تھا، تبلیغی مرکز رَائے ونڈ کے بزرگوں سے مشورہ کے لیے گئے اورعرض کیا کہ ایسی صورت میں صرف کیس کی سماعت میں حاضری کے لیے کراچی جاسکتے ہیں کہ نہیں؟ جواب ملا کہ اِس قسم کے اُمور کا مشورَہ مولانا جمشید صاحب ہی دیں گے، لہٰذا اُن کو حضرتؒ کے پاس بھیج دِیا گیا، یہ حضرتؒ کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت مولاناؒ تو طلباء کو سبق پڑھارَہے ہیں اِس لیے واپس چلے آئے احباب نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ کہا کہ مولانا جمشید صاحب تو سبق پڑھارَہے ہیں ایسی کیفیت میں تو بات نہیں ہوسکتی اِس لیے وَاپس آگیا ہوں، کچھ دیر بعد پھر گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مولانا جمشید صاحب اُسی سبق پڑھانے کی جگہ پر ہی لیٹے ہوئے ہیں اور گہری نیند سو رہے ہیں یہ دیکھ کر پھر واپس ہولیے ساتھیوں نے پھر پوچھا کہ کیا جواب ملا؟ کہا کہ مولانا جمشید صاحب تو سو رہے ہیں اُن کو جگانا بے ادبی محسوس ہوا اِس لیے پھر واپس آگیا ہوں ساتھیوں نے اُن سے کہا کہ آپ جائیں اور حضرت کو جگادیں کیونکہ حضرت نے خود ہی کہہ رکھا ہے کہ کوئی بھی کام ہوتو بے تکلف آجایا کرو، اگر میں سورہا ہوں تو جگادِیا کرو، کوئی حرج کی بات نہیں، چنانچہ محی الدین خان صاحب کہتے ہیں کہ ''میں مولانا جمشید صاحب کی خدمت میں تیسری بار حاضر ہوا تو بدستور نیند میں اِستراحت کرتے ہوئے پایا، مگر ہمت کر کے پہلے تو سلام کیا مگر نیند کی وجہ سے غالبًا حضرت کو سلام کا پتہ نہیں چلا تو چپکے سے قدموں میں بیٹھ کر ہلکے ہلکے ہاتھوں سے پاؤں دَبانے شروع کیے تو حضرت کی نیند کھل گئی، اُٹھ کر بیٹھ گئے اور پوچھا کیسے آئے؟ عرض کیا کہ ابھی وَقت پورَا ہونے میں کئی دِن باقی ہیں مگر چند یوم بعد کورٹ میں پیشی ہے، ایسی صورت میں مجھے گھر جانا چاہیے یا نہیں؟ یہ سنتے ہی حضرتؒ نے چند لمحوں کے لیے سر جھکا کر خاموشی اِختیار فرمائی، اُس کے بعد مخاطب ہوئے، آپ کا گھر جانا صرف کیس کی تارِیخ پر حاضری کے لیے مناسب نہیں ہے، لہٰذا آپ یکسوئی کے ساتھ اپنا وَقت پورا کریں اور اَپنے مسئلہ کے لیے اللہ سے دُعا کرتے رہیں میں بھی دُعا کرتا ہوں کہ آپ کا یہ مسئلہ حل ہوجائے۔ حضرت مولانا جمشید صاحبؒ کے یہ چند جملے سن کر بالکل ہی دِل مطمئن ہوگیا اور دِل میں جو

خیالات کیس کے بارے میں آرہے تھے وہ یک دَم ہی ختم ہوگئے''۔

حضرت مولانا جمشید علیہ الرحمۃ رَائے ونڈ مرکز میں اِس قسم کے پیچیدہ مسائل و اُمور کے حل کے لیے گویا فیصلہ کن رَائے کا اِختیار رَکھتے تھے اوران ہی کی رَائے کو دِیگر اَکابر تبلیغ بھی تسلیم کرتے تھے۔

بے لوث خدمات اور اِخلاص وللّٰہیت کے ساتھ دَعوت وتبلیغ کی محنت کے لیے پورِی زِندگی اللہ کی رَاہ میں وَقف کرنا اور ہمہ وَقت تن دَہی کے ساتھ اُمورِ دِینیہ میں اِنہماک و اِنشغال رَکھنا یہ سب ایسی کیفیات ہیں جن کا نتیجہ یہ تھا کہ بصیرت کا نور اور مؤمنانہ فراست پورِی فعالیت کے ساتھ رُوبہ عمل تھی۔ چنانچہ مختلف الاحوال لوگوں کے لیے پیش آمدہ اُمور واحوال میں جو رَائے مشورَہ حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب علیہ الرحمۃ بیان فرماتے تھے آگے چل کر لوگوں کو اُسی میں خیر مضمر محسوس ہوتی تھی۔

حضرت علیہ الرحمۃ کا تعلق پیدائش سے لے کر تعلیم وتربیت کے مراحل تک دوآبہ کے اُس مردم خیز علاقہ سے ہے جس کی مثال پورے برصغیر میں نہیں ملتی، اسی علاقہ میں دِیوبند، سہارنپور، گنگوہ، نانوتہ، جلال آباد، تھانہ بھون، کاندھلہ، شاملی، انبہٹہ، جھنجھانہ، کیرانہ، مظفرنگر، میرٹھ، پھلت اور باغپت جیسے مشہور ومعروف شہر، قصبات اور بستیاں وَاقع ہیں جہاں ایسے ایسے حضرات اور شخصیات نے جنم لیا جن کی خوبیوں اور کمالات کے تذکروں سے کتب ورَسائل کے ہزاروں صفحات ہی نہیں بلکہ بڑی بڑی جلدیں بھری پڑی ہیں۔ دوآبہ اُس دَرمیانی خطہ کو کہا جاتا ہے جو دَریائے گنگا اور دَریائے جمنا کے درمیان ہے اور یہ خطہ دہلی کی مضافاتی آبادِی شاہدرہ سے شروع ہوکر مغربی سمت میں انبالہ تک وسیع وعریض علاقہ پر مشتمل ہے، اسی خطہ سے شاہ وَلی اللہؒ سے مولانا جمشیدؒ تک ہزاروں اکابر علماء صلحاء پیدا ہوئے، مولانا جمشید علیہ الرحمۃ بھی مظفرنگر کے مشہور قصبہ بھیسانی میں پیدا ہوئے یہ قصبہ حضرت حکیم الامت مولانا اَشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ کے گویا عاشقوں کا قصبہ کہا جاسکتا ہے ویسے تو حضرت تھانویؒ کی شخصیت ہر دِل عزیز تھی اور ہر طرف اللہ تعالیٰ نے اُن کی محبوبیت ومقبولیت کا سکہ بٹھایا ہوا تھا، اس قصبہ بھیسانی

میں بڑے بڑے جید علماء کرام بھی پیدا ہوئے جن میں محدث بھی ہیں، دَاعی بھی ہیں، مبلغ بھی ہیں اور فقیہ و مفسر بھی، میرے خیال میں ان ہستیوں کا تذکرہ گرچہ صرف ناموں کی صورت میں ہی ہو، مضمون کی طوالت کا سبب ہوگا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان علیہ الرحمۃ پاکستان کے قیام سے تقریباً بیس سال قبل یعنی کہ ۱۹۲۸ء میں پیدا ہوئے، جب سن رشد کو پہنچے تو اِبتدائی تعلیم وتربیت کے لیے اللہ نے گہوارۂ تھانوی مقدر فرمایا، حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانویؒ کے سایۂ تربیت و عاطفت میں کچھ عرصہ گزارا تو باضابطہ دَرسِ نظامی کی تعلیم کے لیے حکیم الامتؒ کے خلیفہ حضرت مولانا مسیح اللہ خان شیروانیؒ کے مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں دَاخل ہوئے اور درجات وسطیٰ کی تعلیم یہیں مکمل فرمائی اسی عرصۂ تعلیم میں آپ نے حضرت الشیخ صدر وِفاق مولانا سلیم اللہ خان صاحب دَامت برکاتہم سے بھی اِستفادَہ کیا، کہ وَہاں یہ معمول تھا کہ منتہی دَرجات کے طلباء مبتدی دَرجات کے طلباء کواُن کے بعض اسباق بطورِ مراجعہ کے پڑھایا کرتے تھے اِسی نوعیت کا اِستفادہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب سے آپ نے کیا تھا ہم سنتے تھے کہ مولانا جمشید صاحب حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے شاگرد ہیں تو اُس کی نوعیت دراصل یہ تھی۔

دَرسِ نظامی کے دَرجاتِ علیا کی تعلیم کے لیے حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب علیہ الرحمۃ نے اَزہر ہند دَارُالعلوم دِیوبند کا قصد کیا اور ۵۱-۱۹۵۰ء میں وَہاں دَاخل ہوئے اور دورۂ حدیث شریف کی مکمل تعلیم وَہیں حاصل فرمائی اس دوران اُن کو مادَرِ علمی دِیوبند کی پُرفیض علمی و رُوحانی فضا میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت شیخ الادب مولانا محمد اِعزاز علی صاحب امروہویؒ، حضرت جامع المعقول والمنقول علامہ محمد اِبراہیم صاحب بلیاوِیؒ، حضرت مولانا عبدالاحد دِیوبندیؒ اورحضرت مولانا بشیر اَحمد گلاؤٹھی علیہم الرحمۃ جیسی عبقری شخصیات سے اِستفادۂ علم وعمل کا موقع میسر آیا۔

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحبؒ اَپنی تعلیم سے فراغت کے بعد ہی ہجرت کر

کے پاکستان تشریف لے آئے تھے اور اَپنی عملی وتدرِیسی زندگی کا آغاز دَارُالعلوم ٹنڈو الہ یار میں کیا، جو کہ قیامِ پاکستان کے بعد وجود میں آنے وَالی نہایت عظیم الشان دَرس گاہ تھی، جہاں دَارُالعلوم دِیوبند کے بعض بڑے اَکابر فضلاء کرام بھی ہجرت کے نتیجے میں تشریف لے آئے تھے، جس کی بابت لوگوں کی زبانوں سے عموماً یہ جملہ سننے کو ملتا تھا کہ پاکستان میں دَارُالعلوم ٹنڈو الہ یار کی حیثیت گویا دَارُالعلوم دِیوبند ثانی کی سی ہے، جہاں بیک وَقت کئی اَکابر علماء کرام تشریف فرما تھے جس میں حضرت علامہ ظفر اَحمد عثمانیؒ (صاحب اِعلاء السنن)، حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھیؒ، حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ، حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنورِیؒ (صاحب معارِف السنن)، حضرت مولانا قاری عبد المالکؒ، حضرت مولانا عبد الرحمٰن کامل پوریؒ، حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ اورحضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم کے نامِ نامی بہت نمایاں ہیں۔

اِس اِدَارہ میں مولانا جمشید صاحبؒ نے تقریباً بارَہ سال تک تدرِیسی خدمات اَنجام دِیں اور یہیں قیام کے دورَان ایک ایسا وَاقعہ مولاناؒ کے مشاہدہ میں آیا جس نے مولاناؒ کی زِندگی میں ایک نیا دِینی اِنقلاب برپا کردِیا، جو کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دَفعہ ایک جماعت مدرسہ میں آئی جس میں ایک میواتی کو دیکھا کہ وہ وضوخانہ میں بیٹھا پریشان ہے، بے چین ہے گویا کہ کسی غم نے اُسے بے چین کررَکھا ہو۔ مولاناؒ نے اُس سے اس بے چینی کا سبب پوچھا تو اُس نے حسرت ویاس کے لہجے میں کہا کہ ''مجھے وضو کرنا ہے اور میری جیب سے مسواک کہیں گم ہوگئی ہے''۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ صرف ایک مسواک کے گم ہوجانے پر اِس اَفسوس کی کیا بات ہے؟ اُس نے کہا ''مسواک کے ساتھ جو وضو ہوتا ہے اُس وضو سے نماز پڑھنے کا ثواب ستر گنا بڑھ جاتا ہے، اِس لیے میں پریشان ہورَہا ہوں کہ مجھے تو پھر ایک ہی نماز کا ثواب مل پائے گا''۔ حضرت مولاناؒ فرماتے ہیں کہ اُس ایک عام سے دِیہاتی شخص کی بات سن کر اور اُس کا یہ جذبہ دیکھ کر مجھے بڑا اِحساس ہوا کہ ایک عام آدمی جماعت میں لگنے کے سبب اَعمال اور ان فضائل کے حصول کے لیے اِس قدر بے چین ہے اور ہم اہل علم ہو کر بھی اس عظیم سنت کا اِس قدر

اہتمام نہیں کر پاتے۔

اِس وَاقعہ کے بعد ہی حضرت مولانا علیہ الرحمۃ نے عزم کیا اور سات چلّے کی نیت سے جماعت میں نکلے اور ایسے نکلے کہ پوری زِندگی ہی اللہ کے رَاستے کے لیے وَقف کرڈَالی اور تبلیغی مرکز رَائے ونڈ ہی میں مقیم ہوگئے اور یہاں مرکز میں قائم مدرسہ عربیہ میں دَرسِ نظامی کی بڑی بڑی کتب کی تدرِیس فرمائی اور تا بقائے حیات آپ وَہاں ''شیخ الحدیث'' کے عالی منصب پر فائز رَہے۔

تبلیغی مرکز رَائے ونڈ سے مستقل وَابستگی کی برکت سے مولانا علیہ الرحمۃ کی شخصیت ایسی نافع خلائق بن گئی تھی کہ آپؒ کو اَگر منبع فیاض قرار دِیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ تعلیم و تدرِیس، دَعوت و تبلیغ اور اللہ کے رَاستے میں چلنے وَالوں نیز مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے وَالوں کی تربیت و اِصلاح کی ہمہ جہت محنت نے آپ کو شبانہ روز مشغولیت میں اِس طرح گھیر لیا تھا کہ آپ ہمہ تن یا تو مشغول رہتے یا مصروفیات کے لیے وَقف رہتے تھے۔ حضرت مولاناؒ کی اس ہمہ جہت مشغولیات کو دیکھ کر خیال آتا کہ یا اللہ! یہ کب آرَام کرتے ہوں گے، کب بال بچوں کے لیے وَقت نکالتے ہوں گے، کب تدرِیس کے لیے مطالعہ کرتے ہوں گے؟ مگر اللہ نے اُن کے اوقات میں ایسی برکت رَکھی تھی کہ اُن کے سارے مشاغل جارِی رہتے اور تمام اِنفرادِی اور اِجتماعی تقاضے بھی پورے ہوتے رہتے تھے، کیونکہ اللہ نے ہی اُن کے جملہ اُمور کو اَپنی قدرَتِ خاصہ سے ایسا سمیٹا ہوا تھا کہ کوئی پریشانی یا کلفت اُنہیں محسوس نہیں ہوتی تھی اور یہ حقیقت میں اِس حدیث پاک کا سچا مصداق ہے جس میں فرمایا گیا ''من کان اللّٰہ کان اللّٰہ لہ''۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب علیہ الرحمۃ نے کردَار و عمل سے بھرپور زِندگی گزارِی، ہزاروں تلامذہ کو اور لاکھوں اِنسانوں کو اَپنے علم و عمل سے مستفید فرمایا اور اَپنے مابعد علمی و عملی فیوض و برکات کا ایک لامتناہی سلسلہ چھوڑ کر دَارِ فانی سے دَارِ باقی کی طرف بروزِ دوشنبہ مؤرّخہ ۹ رمحرم ۱۴۳۶ھ (۳ رنومبر ۲۰۱۴ء) رَوانہ ہوئے۔

خدا رَحمت کند اِیں عاشقانِ پاک طینت رَا۔

اِک مردِ خود آگاہ

مولانا محمد اسمٰعیل ریحان

اُنہوں نے میوات کے ایک دِیہاتی کو وضو کرتے دیکھا۔ اُس شخص نے ہاتھ دھوئے اور پھر جیب میں ہاتھ ڈَالا۔ ساتھ ہی اُس کے منہ سے نکلا: ''آہ! میری مسواک۔'' وہ حیران ہوئے۔ اُس سے پوچھا: ''کیا ہوا؟'' بولا: ''میری مسواک غائب ہے۔'' فرمایا: ''تو کیا ہوا۔ دُوسری مسواک لے لینا۔'' کہنے لگا: ''مسواک کا غم نہیں۔ غم اِس کا ہے کہ مسواک کی سنت چھوٹ گئی۔ مسواک کے ساتھ وضو کرکے نماز پڑھنے کا جو ثواب ہے اُس سے محروم ہوگیا۔''

وہ عالم فاضل اور مدرّس تھے۔ اُن کے علم وتقویٰ کی اَپنے علاقے میں خوب شہرت تھی، مگر اس میواتی کی اِتباعِ سنت کا جذبہ دیکھ کر اُنہیں اَپنا ہر کمال ہیچ محسوس ہوا۔ سوچ میں پڑ گئے ایک عام آدمی اور سنت کی اِتنی فکر! آخر کیسے؟ دِل میں ہل چل مچی تو پوچھ ہی لیا کہ یہ تڑپ کہاں سے سیکھی؟ جواب ملا: ''مولانا محمد اِلیاس صاحبؒ کی محنت سے۔'' پھر کیا تھا۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اسی جماعت سے وَابستہ ہوگئے۔ اللہ کے دِین کی دَعوت لے کر نکل پڑے۔ شہر شہر، کوچہ کوچہ اور بستی بستی دَعوت دِی۔ اس دَوران ایسی قربانیوں کی مثال پیش کی کہ خود اکابرِ تبلیغ اُن کے اِیثار، وَلولے اور اِخلاص کے گرویدہ ہوگئے۔

اُن کی زِندگی اَب تبلیغ کے لیے وَقف تھی۔ رَائے ونڈ مرکز سے وَابستہ ہوئے۔ اسی کے مدرسے میں تدرِیس کی خدمت سنبھال لی۔ اس سے قبل وہ علوم وفنون کی اَعلیٰ کتب پڑھاتے تھے۔ رَائے ونڈ کے مدرسے میں اُنہیں نورَانی قاعدہ پڑھانے کی خدمت سونپی گئی۔ بخوشی یہ خدمت قبول کی۔ ایک مدت تک نورَانی قاعدہ ہی پڑھاتے رہے۔ اس اِخلاص وللّٰہیت پر اللہ نے اُنہیں وہ عزت دِی کہ آخر اس بین الاقوامی شہرت یافتہ عظیم الشان دَرس گاہ کے شیخ الحدیث اور صدر مدرّس بن گئے۔ یہ رَائے ونڈ مرکز کے رُوحِ رَوَاں، اَمیرِ دَعوت وتبلیغ پاکستان حضرت حاجی محمد عبدالوہاب صاحب دَامت برکاتہم کے دَست رَاست، حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحبؒ تھے جو ۳ رنومبر کو

لاکھوں عقیدت مندوں کو سوگ وَار چھوڑ کر اَپنے رَبّ کے حضور پہنچ گئے۔ اُن کی عمر ۸۵ر برس کے لگ بھگ تھی۔ وہ ۱۹۲۸ء میں یوپی کے قصبے کیرانہ مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ مقامی اسکول میں پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔ بچپن میں ایک مدت تھانہ بھون میں بھی گزارِی۔ حضرت حکیم الامت مولانا اَشرف علی تھانویؒ کے گھر کے خادِم کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ پھر قرآن مجید حفظ کر کے مدرسہ مفتاح العلوم مظفر نگر میں حضرت تھانویؒ کے خلیفہ حضرت مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادِیؒ کے ہاں درسِ نظامی میں داخلہ لیا۔ علومِ عالیہ کی تحصیل کے لیے آپ ۱۹۵۱ء میں دَارُالعلوم دِیوبند پہنچے۔ دورَۂ حدیث میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین اَحمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد اِبراہیم بلیاوِیؒ اور حضرت مولانا اِعزاز علیؒ جیسے اَکابر و مشائخ سے فیض حاصل کیا۔ ۱۹۵۲ء میں آپ ہندوستان سے نقل مکانی کر کے پاکستان تشریف لے آئے۔ دَارُالعلوم ٹنڈو الہ یار میں تدرِیس شروع کی۔ یہاں ۱۲ر سال کی تدرِیس کے دَوران آپ کے علم و فضل کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی۔ پھر ۱۹۶۴ء میں وہ وَاقعہ پیش آیا جس نے آپ کو تبلیغ کے لیے وَقف کر دِیا۔

اُس وَقت حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ حیات تھے۔ آپ کو اُن کی صحبت بھی حاصل رہی۔ ۱۹۶۵ء میں حضرت جیؒ کی وَفات کے بعد حضرت مولانا محمد انعام الحسن کاندھلویؒ اَمیر تبلیغ مقرر ہوئے تو آپ کو تبلیغی اَسفار اور اِجتماعات میں ان کا بے حد قرب نصیب رہا۔ سال ہا سال تک علومِ اِسلامیہ کے مطالعے اور تدرِیس نے اُن کے سینے کو علم تفسیر و حدیث کا گنجینہ بنا دِیا تھا۔ اِس لیے صحاحِ ستہ سمیت کتنی ہی کتب کا خاصا حصہ اُنہیں زبانی یاد تھا۔ اِبتداء میں اُن کے تبلیغی بیانات علمی جواہر سے لبریز ہوتے۔ آیات و اَحادِیث کے متون کا تانتا باندھ دیتے۔ آخر حاجی محمد عبدالوہاب صاحب نے اُنہیں نصیحت کی کہ تبلیغ کے بیانات ایسے عام فہم ہونے چاہییں کہ ہر شخص اُنہیں سمجھ سکے۔ کسی کو یہ خیال پیدا نہ ہو کہ میں تبلیغ نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد مولانا جمشید صاحبؒ کے بیانات کا اَنداز تبدیل ہو گیا۔ بیانات میں اُنہوں نے سجع بندی اور ترنم کے ساتھ ایسی خوب صورتی پیدا کی کہ کیا شہری کیا دِیہاتی، سبھی اُن کے بیان کے دَوران خود کو بھول جاتے۔ حضرت حاجی محمد عبدالوہاب صاحب دَامت برکاتہم اُن سے بہت محبت کرتے تھے۔

اُنہیں پیار سے ''مُنّا'' کہہ کر یاد کرتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب ان کے اس منفرد طرزِ بیان پر فرمایا کرتے تھے: ''ہمارا مُنّا سُر میں بیان کرتا ہے۔'' بیان کے دَوران ''أَللّٰہُ اَکْبَر کَبِیْرًا، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا، سُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا'' کی پکار سماں باندھ دِیا کرتی تھی۔ ایک بار دِینی مدارِس و مراکز کے گرد گھیرا تنگ کیا جا رہا تھا۔ جگہ جگہ پوچھ گچھ کی جا رہی تھی۔ ایک تفتیشی آفیسر رَائے ونڈ مرکز بھی آیا۔ اُسے حضرت مولانا محمد جمشید علی صاحبؒ کے پاس بھیج دِیا گیا۔ آفیسر نے کھڑے کھڑے کچھ سوالات شروع کر دِیے اور پوچھا: ''آپ کا تعلق کس فرقے سے ہے؟'' حضرت نے بے ساختہ کہا: ''ہم ہیں سب کے، سب ہیں ہمارے، ہم ہیں رَبّ کے، رَبّ ہیں ہمارے۔'' وہ آفیسر دم بخود رہ گیا۔ یہ کہتے ہوئے وَاپس گیا کہ ایسا سچا اور اَچھا جواب میں نے کہیں نہیں سنا۔

حضرت مولانا جمشید صاحبؒ کی دُعائیں اَکثر قبول ہوتی تھیں۔ اِس لیے مستجاب الدعوات مشہور تھے۔ ایک بار بعض حکومتی اَعلیٰ اَفسران نے رَائے ونڈ مرکز کے اَکابر کو ہراساں کرنے کی کوشش کی۔ حاجی محمد عبدالوہاب صاحب مدظلہم نے فرمایا: ''ہم مُنّے کو کہہ دیں گے، وہ ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرے گا اور....'' یہ سن کر اُن لوگوں پر اِتنی دہشت طارِی ہوئی کہ معذرَت کرتے ہوئے وَاپس چلے گئے۔ حضرت کی دُعائیں قبول ہونے کے وَاقعات بکثرت ہیں۔ چند دِن پہلے ایک وَاقعہ سنا۔ ایک دوست بے اولاد تھے۔ ہر تدبیر آزما کر دیکھ لی، مگر بے سود۔ کسی نے کہا: ''حضرت سے جا کر دُعا کرالیں۔'' وہ گئے۔ اَپنا دُکھڑا بیان کیا۔ حضرت نے ہاتھ اُٹھائے اور زیرِلب کچھ پڑھا۔ چار پانچ سیکنڈ کی دُعا تھی۔ بہت جلد وہ دوست اولاد کی دولت سے مالا مال ہو گیا۔ جو بھی دُعا کرانے آتا، حضرت رحمہ اللہ اِسی طرح زیرِلب دُعا کرتے اور اَکثر و بیشتر اُس کا کام بن جاتا۔

مولانا جمشیدؒ علمی لحاظ سے بہت بلند مقام پر تھے۔ رَائے ونڈ کی دَرس گاہ میں اُن کا دورِ تدرِیس کئی عشروں پر محیط ہے۔ اُن کے ہزاروں شاگرد ہیں جن میں مولانا طارِق جمیل جیسے عالمی شہرت یافتہ مبلغ بھی شامل ہیں۔ اُن کے تلامذہ کہتے ہیں کہ وہ مشکل سے مشکل اَحادِیث کے مطالب کو بہت جامع و مانع اَلفاظ میں بیان فرما دِیا کرتے تھے۔

طلباء کی اِیمانی و عملی تربیت پر بہت زور دیتے تھے۔ اُن کے اخلاق و عادَات پر نگاہ

رَکھتے تھے۔ لایعنی کلام اور بے فائدہ باتوں سے سخت نفرت تھی۔ طلبہ اگر سوال وجواب میں ضرورَت سے زائد بات کرتے تو اس پر بھی ٹوکتے اور کہتے: ''لایعنی کلام کی عادَت کی وَجہ سے اَصل مطالب بیان کرنے کی صلاحیت کو زنگ لگ جاتا ہے۔ جب کام کی بات مختصر اَنداز میں کہنے کی عادَت ڈالی جائے تو گفتگو میں مطالب کو سمیٹنے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔'' حضرتؒ رَائے ونڈ شوریٰ کے مرکزی رُکن تھے، نہایت مردم شناس تھے وہ اس حدیث کا مصداق تھے: ''اِتَّقُوْا فَرَاسَةَ الْمُوْمِنِ فَاِنَّه يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ۔'' ترجمہ: 'مؤمن کی فراست سے ڈرتے رہو کہ وہ اللہ کی دِی ہوئی روشنی سے دیکھتا ہے (مشکاۃ)' یہی وَجہ تھی کہ بیرونِ ملک جماعتوں کی تشکیل کے لیے مبلغین کے چناؤ کے بعد آخری فیصلہ اُنہی کا ہوتا تھا۔ وہ رَوانگی کے لیے نامزد جماعتوں پر ایک نگاہ ڈالتے اور کچھ اَفراد کو اُن کی اِیمانی فراست مسترد کردیتی۔ یہ حتمی فیصلہ ہوتا تھا جس کے بعد باقی حضرات کی بیرون ممالک تشکیل ہوجاتی۔ حضرتؒ کی زِندگی نہایت سادَہ تھی۔ معمولی لباس پہنتے، سادَہ اور قلیل غذا پر اِکتفا کرتے۔ رَائے ونڈ مرکز کے جس حجرے میں قیام رہا وہ بھی بالکل سادَہ تھا۔ دیکھ کر قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہوجاتی تھی۔ سنن ومستحبات کے نہایت پابند تھے۔ تلامذہ کو بھی اس کی بار بار تاکید کرتے کہ سنتوں اور مستحبات کا خیال رَکھا کریں۔ دَرس کے دَوران کوئی سوال پوچھتے اور کوئی طالب علم جواب دینے کے لیے بایاں ہاتھ کھڑا کردیتا تو اُسے تنبیہ کرتے کہ دَایاں ہاتھ اُٹھایا کرو۔

دُنیا میں بہت سے لوگ آتے اور چلے جاتے ہیں، مگر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی حیات قابلِ تحسین اور وَفات قابلِ رَشک ہوتی ہے۔ اس پُرفتن دور میں مولانا جمشید مرحوم اُن خوش قسمت لوگوں کی صف اَوّل میں شامل تھے جن کی محنت کا محور ہی یہ رہا کہ اُمت کا تعلق اَپنے رَبّ سے جڑ جائے۔ سب کی زِندگیاں تبدیل ہوجائیں اور مسلمانوں کو پھر نشاۃِ ثانیہ نصیب ہو۔ اُن کی مساعی جمیلہ سے ہزاروں ایسے لوگ تیار ہوئے جو دُوسروں کو دِین کی طرف دعوت دینا ہی اَپنی زِندگی کا مقصد بنا چکے ہیں۔ یہ ایسا صدقہ جاریہ ہے جس کے اَجر وثواب کا اِس دُنیا میں اَندازہ لگانا مشکل ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو دُنیائے فانی کے بجائے آخرت کی اس سرمایہ کاری میں حصہ لیں۔

مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ کے شیخ الحدیث
مولانا محمد جمشید علی خانؒ

مولانا سیّد محمد زین العابدین، کراچی

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے اِنسان نکلتے ہیں

عرصہ تک بیماری کو مغلوب کیے رہنے کے بعد بالآخر اُس سے مغلوب ہوکر بروزِ پیر مؤرّخہ ۹رمحرم الحرام ۱۴۳۶ھ (۳رنومبر ۲۰۱۴ء) کو مغرب کے وَقت حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے شاگردِ رَشید، مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ کے شیخ الحدیث اور دَعوت وتبلیغ کے عالمی رہنماء حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب نے دَاعی اَجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

اُن کی وَفات کی خبر سن کر دِل ودماغ ماضی کے اُن لمحات کے عکسی مشاہدات میں کھوگیا جو یادوں کے دریچوں سے نمایاں ہوکر میرے پردۂ ذہن پر منعکس ہورہے تھے کہ ۲۰۱۱ء کا سال تھا جب میں نے تبلیغی ترتیب پر ایک سال کا وَقت لگایا تھا، اس دَوران متعدد بار کئی دِنوں کے لیے رَائے ونڈ مرکز میں قیام ہوا کرتا تھا، وَہاں حضرت مولانا جمشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی متعدد مرتبہ زِیارَت ہوئی، کئی بار اُن کی دُعا میں شریک ہونے کی سعادَت بھی حاصل ہوئی اور معدودے چند مرتبہ اِنفرادِی ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا۔ مولانا جمشید صاحبؒ اِس دورِ قحط الرجال میں اُن لوگوں میں سے تھے، جن کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا، وہ اِتباعِ سنت کا پیکر تھے، وہ مجسمہ خیر وفلاح تھے، اُن کی دِینی خدمات، اُس میں اِنہماک، لگن، جہدِ مسلسل اور زِندگی کی سادگی کو دیکھ کر حضراتِ سلفؒ کی زِندگیوں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا تھا۔ اُنہوں نے کم عمری میں ہی حکیم

الامت حضرت تھانویؒ کی صحبت اُٹھائی تھی اور علمی فیض شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے حاصل کیا تھا، جب کہ تبلیغی تربیت حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ سے پائی تھی، ایسی شخصیت کا اِنتقال پورِی ملت کا خسارہ ہے۔ اور پیدا ہونے وَالا خلا وَاضح طور پر محسوس ہوتا ہے، حق تعالیٰ اَپنے فضل سے ہم پر رحم فرمائے، وَرنہ صورَتِ حال بہت عجیب ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہی دور ہے جس میں علم اُٹھایا جا رہا ہے۔ پے در پے ایسی شخصیات رُخصت ہو رہی ہیں جو پورِی ملت کے لیے ڈھارس اور سرمایہ ہوتی ہیں۔ بہت ہی دُعاؤں، اِستغفار اور اُمت کو اَپنے اَعمال دُرُست کرنے کی ضرورَت ہے۔

حضرت مولانا جمشید علی صاحبؒ کی شخصیت بڑی منفرد شخصیت تھی، جو کئی اللہ وَالوں اور اَپنے وَقت کے جید علماء کی محنتوں سے تیار ہوئی تھی، وہ کامل الاستعداد عالم تھے، وہ کامیاب مبلغ اور عمدہ مدرّس تھے، غرض وہ وہ تھے جس کی تبلیغی جماعت کو آج اَشد ضرورَت ہے۔ وہ جب بیان کرتے تو موتی رولتے تھے، اُن کا کئی گھنٹوں کا بیان قافیے دَر قافیوں پر مشتمل ہوتا تھا اور وہ بھی مکمل ہم وزن ''قافیے'' اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ بات بھی برجستہ اور دوٹوک فرماتے تھے، کم از کم میں نے اَب تک اُن کا ایسا بیان نہیں سنا۔
اُن کا بیان کچھ اِس طرح کا ہوتا (بیان کا ایک اِقتباس ملاحظہ ہو):

''اللہ رَبُّ العزت نے محض اَپنے اِرادہ اور قدرَت سے سات آسمان، زمین، سورج، چاند، ہوا، آگ، پانی، مٹی، درندے، پرندے، چرندے، لکڑ، پتھر، لوہا، پیتل، تانبا، سردِی، گرمی، روشنی، اَندھیرا، اِنسان، جنات، فرشتے، چوپائے، غرض ہر مخلوق تالاب، ندی، نالی؛ محض اَپنے اِرادہ اور قدرَت سے بنادِی۔

زمین کا اِرادہ کیا تو بن گئی، آسمانوں کا اِرادہ کیا تو بن گئے، سورج، چاند، ستاروں کا اِرادہ کیا تو وہ ہوگئے، غرض یہ کہ فرشتے ہوں یا جنات، اِنسان ہوں خواہ حیوانات، یہ سب کے سب اَپنے بننے میں اللہ کے اِرادہ اور قدرَت کے محتاج ہیں۔

خود بنے نہیں، اُن کی حیات اُن کے اَپنے ہاتھ میں نہیں، اُن کی موت اُن کے اَپنے اِختیار میں نہیں، عزت، ذِلت، صحت، بیمارِی، کامیابی، ناکامی؛ یہ سب کچھ اللہ کے قبضہ اور قدرَت میں ہے۔ اور اللہ نے پورِی زمین کے سارے اِنسان، قیامت تک کی نسلیں

اور سب زمان، ہر ایک کی دُنیا میں مرنے سے پہلے، قبروں میں اُٹھنے سے پہلے، قیامت کے دِن میں پل صراط پر چلنے سے پہلے، پل صراط پر جنت میں پہنچنے سے پہلے، ہر جگہ کی کامیابی، سب کی، نہ ملک کے ساتھ جوڑی ہے، نہ مال کے ساتھ رَکھی ہے، نہ مادی اَسباب پر رَکھی ہے، ہر جگہ کی کامیابی اللہ رَبُّ العزت نے ہر موقع اور حال کے اَپنے اَحکام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسلم کے طریقہ اور اَعمال کے ساتھ وَابستہ فرمائی ہے۔ اور ہر موقع اور ہر حال کے اللہ رَبُّ العزت کے اَحکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسلم کے طریقہ پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اَدا کرنا اس کا اِختیار اللہ رَبُّ العزت نے ہر ہر اِنسان کو اَپنے پاس سے غیبی خزانہ سے عطا کیا ہے۔ جو اِنسان بھی اِیمان لانے کا اِرادہ کرے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے توفیق کا دَروَازہ کھول رَکھا ہے۔

بھائی! جس کے پاؤں میں لیتھڑا نہیں، جس کے بدن پہ چیتھڑا نہیں، جس کی جیب میں ٹھیکرا نہیں، وہ بھی دِین کا کام کرسکتا ہے اور اُس کے لیے سارِی دُنیا میں پھر سکتا ہے۔''

اُن کو اللہ تعالیٰ نے برجستگی بھی خوب دِی تھی، ایک بار شوریٰ کے مشورہ کے دَورَان رَائے ونڈ مرکز میں ایک پولیس وَالا آیا اور باہر ہی سے مولانا جمشید صاحب کو کہا کہ ''مولانا! فلاں مکتب فکر کے بارے میں آپ کی کیا رَائے ہے؟'' تو فوراً برجستگی سے فرمایا ''بھائی! ہم رَب کے ہیں، رَب ہمارے ہیں، ہم سب کے ہیں، سب ہمارے ہیں''۔ چپ کر کے چلا گیا۔

ایک مرتبہ ایک دِیہاتی آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ''حضرت! آپ لوگ کہتے ہیں کہ جو اللہ کے رَاستے میں نکلتا ہے، اُس کے مال ومتاع کی حفاظت اللہ خود فرماتے ہیں، میں نکلا، پیچھے میری بھینس مرگئی؟'' فرمایا ''تجھے کیسے پتہ چلا؟'' کہنے لگا ''میں نے موبائل کے ذَریعہ گھر رَابطہ کیا تھا''، فرمایا ''تو تو اللہ کے رَاستہ میں تھا ہی نہیں تو تو گھر میں تھا، اَگر سو فی صد اللہ کے رَاستہ میں ہوتا تو کبھی ایسا نہ ہوتا، تو نے کیوں رَابطہ کیا گھر؟''۔

ایک مرتبہ جناب پرویز مشرف کے دور میں حکومتی آڈیٹروں کی ایک ٹیم مدرسہ عربیہ رائے وَنڈ کا آڈٹ کرنے کے لیے آئی، تو چونکہ مشورہ اور حضرت حاجی محمد عبدالوہاب

صاحب دَامت برکاتہم کے حکم سے طے تھا کہ حکومتی ایجنسیوں سے بات مولانا جمشید صاحب کریں گے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے اور جاتے ہی فرمایا ’’ہاں بھائی! کیا چاہتے ہو؟‘‘ وہ کہنے لگے کہ ہم آپ کے مدرسہ کا آڈِٹ لینے کے لیے آئے ہیں، مولاناؒ نے فرمایا ’’تم نے ہمیں کیا دِیا ہے، جو ہم سے لینے آئے ہو؟‘‘۔

قابلِ ذِکر ہے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ عادتاً بہت ہی نرم طبیعت کے تھے، لیکن دِین کے معاملہ میں سخت تھے، جب بھی حکومتی سطح پر دَعوت وتبلیغ کے کام میں کوئی رُکاوَٹ ڈَالنے کی کوشش کی گئی تو صاف کہتے تھے کہ ’’بھائی! یہ اللہ کے رَاستہ کا کام ہے اُس کے مد مقابل آؤ گے تو اَپنا حشر دیکھو گے‘‘۔

اِسی طرح ایک مرتبہ ریلوے کے کوئی بڑی سطح کے ذِمّہ دَار صاحب رَائے ونڈ مرکز آئے اور کہنے لگے کہ ’’ہم ہر ہر ٹرین کا رَائے ونڈ پر اسٹیشن بنا دیتے ہیں تا کہ آپ کی جماعت کے لوگوں کو سہولت ہو‘‘۔ فوراً جلال میں فرمایا ’’ہمیں کوئی ضرورَت نہیں ہے، ہمارَا تو ہر ساتھی لاہور جائے گا وہاں سے ٹرین پکڑے گا، مجاہدے اور قربانی سے دِین پھیلا ہے، ہمیں آپ کی کسی سہولت کی ضرورَت نہیں‘‘۔ غرض ایسی صفات وَالے اِنسان تھے جو لوگوں کے دِلوں میں بستے تھے۔

مولانا محمد جمشید علی خان صاحبؒ کی پیدائش ۱۹۲۸ء میں قصبہ بھیسانی تحصیل کیرانہ ضلع مظفر نگر یوپی (انڈیا) میں ہوئی، اِبتدائی عصری تعلیم پرائمری تک آبائی گاؤں میں ہی حاصل کی پھر حفظِ قرآن کے لیے دینی مدرسہ میں داخل ہوئے۔

حفظِ قرآن کے بعد درسیات کے لیے مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد ضلع مظفر نگر، حضرت تھانویؒ کے خلیفہ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ کے زیر سایہ ابتدائی تعلیم فارسی، صرف ونحو، ادب اور اُصولِ فقہ پھر شرح جامی، حسامی تک حاصل کی اور اسی مدرسے میں حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا، جب کہ وہ خود آخری درجات کے طالب علم تھے، اس کے بعد علوم وفنون کی تعلیم کے لیے ایشیاء کی عظیم دِینی درس گاہ دارالعلوم دیو بند تشریف لے گئے اور وہاں تمام فنون کی تکمیل

کے بعد ۵۲۔۱۹۵۱ء میں دورہ حدیث میں شرکت فرمائی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، امام الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ اور حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور دیگر مشاہیر امت سے اکتسابِ فیض کیا۔

ہمارے دوست مولانا محمد عمار فاضل رائے ونڈ نے بتایا کہ ایک بار رائے ونڈ مرکز حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ تشریف لائے اور دورانِ ملاقات حضرت مولانا جمشید صاحبؒ سے پوچھا کہ ’’مولانا! آپ نے بخاری شریف حضرت مدنیؒ سے پڑھی تھی؟‘‘ حضرت مولانا جمشید صاحبؒ نے فرمایا جی سن ۵۰ء،۵۱ء میں پڑھی تھی، حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے جواباً فرمایا ’’بارک اللہ‘‘۔

دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد ۱۹۵۲ء میں پاکستان ہجرت فرمائی اور دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار سندھ میں حضرت مولانا احتشام الحقؒ کے زیر اہتمام اور دِیگر اکابر علماء ومشائخ کے زیر سایہ اپنی تدریس کا آغاز فرمایا اور مسلسل بارہ سال تک اِنتہائی جانفشانی کے ساتھ علوم وفنون اور حدیث شریف کا درس دِیا۔

یوں تو آپ شب وروز درس وتدریس اور اِرشاد واِصلاح میں مصروف تھے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تحریک ’’مجلس صیانۃ المسلمین‘‘ میں شامل ہو کر ذمہ دارانہ حیثیت سے شریک ہوتے تھے، لیکن مسبب الاسباب کو آپ کی افادیت عام کرنا مقصود تھی، چنانچہ مجدد تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی اِیمانی تحریک کی جماعت دعوت وتبلیغ کے لیے دارالعلوم ٹنڈوالہ یار تک پہنچی، ایک دن دورانِ وضو تبلیغی جماعت کے ایک میواتی بھائی نے مسواک کے نہ ہونے کی وجہ سے آہ بھری، اس آہ نے مولانا کے دِل کو ایسا متأثر کیا کہ آپ تبلیغی کام کے ہو کر رہ گئے۔

چنانچہ آپ نے اس واقعہ کے بعد اپنے آپ کو رائے ونڈ مرکز کی تبلیغی وتدریسی خدمات کے لیے وقف کر دِیا اور باوجود پیرانہ سالی اور ضعف واعذار کے ۱۹۶۴ء سے تا وفات مرکز سے وابستہ رہے۔ ۱۹۹۷ء تک آپ مختلف علوم وفنون اور تفسیر جلالین جیسی کتابوں کا درس دیتے رہے، ۱۹۹۷ء میں مولانا ظاہر شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد

آپ صدر مدرس کے عہدے پر فائز ہوئے اور ۱۹۹۹ء میں جب مدرسہ عربیہ رائے ونڈ میں دورۂ حدیث کا درجہ شروع ہوا تو آپ کے حصے میں بخاری شریف آئی اور یوں آپ صدر مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ شیخ الحدیث کے عظیم منصب پر بھی جلوہ افروز ہوئے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ ۳۶ ر گھنٹے کے مسلسل سفر کے باوجود سبق کا ناغہ نہ فرماتے تھے، آپ بھی اپنے اُستاذ حضرت مدنیؒ کی اس سنت کو جاری رکھے ہوئے تھے، آپ کا درس تمام حضرات کے دروس سے مختلف ہوتا تھا کیونکہ مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کا نصاب ہی کچھ ایسے خطوط پر استوار ہے کہ اِبتدائی درجات میں ہی عبارت کا حل کرنا، مطلب بیان کرنا، مشکل الفاظ کے معانی بیان کرنا طلباء ہی کے ذمہ ہوتا ہے، لہٰذا آپ کے درس میں مشکل الفاظ وعبارت کے مطالب، اختلافاتِ ائمہ اور احناف کی وجہ ترجیح کا بیان کرنا طالبِ علم کے ذمہ ہی ہوتا ہے، تاہم کوئی تاریخی واقعہ یا کوئی علم ہیئت یا سائنس یا علم جغرافیہ کا کوئی مسئلہ ہوتو آپ اِنتہائی شرح وبسط کے ساتھ عام فہم الفاظ میں وضاحت فرماتے تھے۔

سینکڑوں طلباءِ علومِ نبوت نے آپ سے اکتسابِ فیض کیا، آپ کے تلامذہ مشرق و مغرب، شمال وجنوب، عرب وعجم، روس وافریقہ میں اعلاءِ کلمۃ اللہ کی اِشاعت اور احیاء علوم نبویہ کے لیے مصروف عمل ہیں، غرض دنیا کے جس خطے میں بھی مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کا فاضل ملے گا، اس نے آپ سے ہی زانوئے تلمذ تہہ کیا ہوگا۔

آپ کا وجودِ مسعود اگر مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کا دِل تھا تو آپ کا وجود تبلیغ کے لیے روح تھا، غرضیکہ آپ کی صلاحیتیں اور کاوشیں دعوت وتبلیغ کے لیے بھی ایسے ہی وقف رہیں جیسے کہ درس وتدریس کے لیے وقف تھیں، پاکستان کے تمام چھوٹے بڑے شہر تقریباً سب ہی جگہ آپ دعوت کے کام کے لیے گئے تھے نیز افریقہ اور یورپ کے بعض ممالک اور عرب کے اکثر ممالک میں آپ کے تبلیغی اسفار بھی ہوئے تھے۔ رائے ونڈ مرکز کے روزانہ کے اعمال، ہدایات، کارگزاری، واپسی کی بات، علماء میں بیان، عربوں میں بیان، عشاء کی تعلیم اور جانے والی جماعتوں کی آخری دعاء تک ہر ہر عمل

مشورہ سے آپ کو دیا جاتا رہا۔ جب کہ عربوں میں جو آپ کا بیان ہوتا تھا اس میں فصیح عربی میں خطاب فرماتے، سنا گیا ہے کہ عرب حضرات آپ کا بیان سن کر جھومنے لگتے تھے۔ یہی حال آپ کے اکلوتے صاحبزادے مولانا عبیداللہ خورشید صاحب مدظلہٗ کا ہے کہ اس وقت رائے ونڈ مرکز میں ان سے فصیح و بلیغ عربی بولنے، سمجھنے اور سمجھانے والا دوسرا کوئی نہیں، جس کا مشاہدہ راقم الحروف کو بھی ہوا اور مولانا محمد اشفاق صاحب جلال پوری ناظم مدرسہ امام ابو یوسف شادمان ٹاؤن سمیت بہت سے علماء جب رائے ونڈ تشریف لائے تو وہ بھی مولانا خورشید صاحب کی عربی گفتگو سن کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اور برجستہ کہنے لگے کہ تبلیغی والوں کے پاس بھی اتنے کامل الاستعداد علماء موجود ہیں؟۔ بلاشبہ یہ مولانا جمشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قربانی اور جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ وہ خود تو دنیا سے چلے گئے لیکن ایسی باصلاحیت اور فاضل ونیک اولاد چھوڑ گئے کہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود بھی یہیں کہیں موجود ہیں۔

اُن کا کبھی کبھی اجتماعِ رائے ونڈ میں اور اجتماعِ کراچی میں اکثر بیان ہوتا تھا، بیان میں کئی بار فرمایا کہ ''میں بیان کرتا ہوں تو مجھے تکلیف ہوتی ہے اور اگر نہ کروں تو بھی مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ بیان کرنے سے تکلیف اس لیے ہوتی ہے کہ میں اس قابل نہیں ہوں اور نہ کروں تو تکلیف اس لیے ہوتی ہے کہ اُمت دعوت کے کام سے محروم نہ ہوجائے''۔

ان کا بچپن حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے گھر میں گزرا تھا اور یہ واقعہ بھی ان کے حوالہ سے مشہور ہے جو راقم نے کئی بزرگوں سے سنا کہ ''آپ کم عمری میں حضرت تھانویؒ کے مختلف پیغامات اُن کے گھر پہنچانے کے لیے حضرت کی دونوں اہلیاؤں کے پاس جاتے تھے، جب آپ بلوغت کی عمر کو پہنچے تو حضرت تھانویؒ کی بڑی اہلیہ نے آپ سے کہا کہ جمشید! اب تم بڑے ہوگئے ہو، لہٰذا اب نامحرموں سے پردہ کیا کرو، اور بتلایا کہ نامحرموں میں کون کون آتا ہے، تو جب مولانا جمشید صاحب گھر گئے تو باہر ہی سے والدہ کو کہا کہ بھابیوں سے کہہ دیں مجھ سے پردہ کرلیں، بھابیاں ہنسنے لگیں کہ ہم نے اس کو گودوں میں کھلایا اب یہ ہم سے پردہ کرے گا، لیکن مولانا باہر ہی کھڑے رہے اور

والدہ سے کہا کہ میں واپس مدرسہ چلا جاؤں گا، گھر میں داخل نہ ہوں گا اگر انہوں نے پردہ نہ کیا، بالآخر چار و ناچار مولانا کی ہدایت پر عمل ہوا تو گھر میں داخل ہوئے‘‘۔

بیعت وسلوک کی منزلیں طے کرنے کے لیے اوّل اوّل آپ حضرت تھانویؒ کی صحبت میں رہے، پھر حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ (خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ) سے تعلق جوڑا اس حوالہ سے آج حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ کے خلیفہ و داماد اور بھانجہ مولانا وکیل احمد شیروانی صاحب دامت برکاتہم سے راقم کی گفتگو ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ ’’مولانا جمشید صاحبؒ فنافی الشیخ تھے، ان کا حضرت مسیح الامتؒ سے گہرا اور مضبوط تعلق تھا، ہندوستان میں ہوتے ہوئے تو باقاعدہ حضرت کی صحبت میں رہے، جب پاکستان تشریف لے آئے تو یہاں سے بھی شیخ سے بھرپور تعلق رکھا‘‘۔ یہی وجہ تو تھی کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ اُمت کے لیے راتوں کو اُٹھ کر اللہ سے اِلتجائیں کرنے والے تھے، وہ تہجد میں اٹھ کر روتے تھے، کڑھتے تھے، غمزدہ ہوتے تھے اور دن کو فکرمندی کے ساتھ دعوت وتبلیغ اور درس وتدریس میں مصروفِ عمل رہتے تھے۔ ایسی عظیم ہستی کا وجود مسعود ہی ہم لوگوں کے لیے باعثِ خیر وبرکت تھا۔ لیکن وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا۔

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی دوستانہ اور محبانہ تعلق تھا، جب کراچی اجتماع میں تشریف لاتے تے خانقاہ اِمدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال کراچی آنا ضروری تھا اور کافی دیر حضرت حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خلوت میں محو گفتگو رہتے اور یہ دو طرفہ تعلق تھا، حضرت حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی بہت ہی محبت کا اِظہار فرماتے تھے، حضرت حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب لاہور خانقاہ تشریف لے جاتے تو وہاں بھی حضرت مولانا جمشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ قدم رنجہ فرماتے۔

ہماری مسجد کے امیر صاحب نے بتلایا کہ مولانا جمشید صاحبؒ کے کمرہ میں ایک بار میری خدمت لگی تو کبھی ایمرجنسی میں مولاناؒ کو نیند سے جگانے کا مرحلہ بھی تھا، میں نے اس حوالہ سے ان سے دریافت کیا تو فرمایا کہ ’’آپ کو جس وقت مجھے جگانا ہو میرے قریب بیٹھ کر ذکر شروع کردیں، میں جاگ جاؤں گا‘‘۔ امیر صاحب نے مزید فرمایا کہ

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے ان کے قریب بیٹھ کر ذکر اللہ شروع کیا ہو اور مولاناؒ فوراً بیدار نہ ہوئے ہوں اب دیکھ لیا جائے کہ مولاناؒ کس پائے کے بزرگ تھے!۔

مولاناؒ ہر دل عزیز شخصیت تھے۔ آپ کی شخصیت سادگی، دعوتِ دین کے درد، تواضع وانکساری اور علمی رسوخ کا پیکر مجسم تھی۔ اُن کا اندازِ گفتگو دِل موہ لینے والا تھا۔ عرب دنیا سے تبلیغ میں وقت لگانے کے لیے آنے والے مہمان خاص طور پر علماء کرام مولانا جمشید صاحب سے بہت زیادہ محبت کا اظہار کرتے تھے۔

مولانا رحمہ اللہ نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ رائے ونڈ مرکز میں گزارا۔ آپ نے دین کی دعوت کی نسبت سے دنیا بھر کے اسفار فرمائے۔ اس وقت پوری دنیا میں مولاناؒ کے تلامذہ کی تعداد یقیناً ہزاروں میں ہوگی۔ آپ کافی عرصے سے علیل تھے اور برین ہیمرج کے باعث لاہور کے ایک مقامی ہسپتال میں زیر علاج تھے، جہاں نو اور دس محرم کی درمیانی شب میں انتقال فرما کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ مولانا کا جسد خاکی لاہور سے جب رائے ونڈ مرکز لایا گیا تو لوگوں کی بڑی تعداد رائے ونڈ میں جمع ہوگئی تھی۔

تبلیغی کام کی یہ خصوصیت ہے کہ اخبار واشتہار اور ابلاغ کے مروّجہ ذرائع سے اجتناب کرنے کے باوجود عام بیانات میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ جمع ہوجاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مولاناؒ کی نماز جنازہ میں کسی طویل اِنتظار اور اِعلانات کے بغیر محض سینہ بہ سینہ اِطلاعات سے مولاناؒ کے عقیدت مندوں، تلامذہ اور علماء کرام کی بڑی تعداد دعوت وتبلیغ کے مرکز رائے ونڈ میں جمع ہوگئی تھی۔ یاد رہے کہ صرف ایک ماہ قبل راولپنڈی کے تبلیغی جماعت کے امیر جناب قاضی عبدالمجید صاحبؒ کے اِنتقال پر تقریباً ایک لاکھ کے لگ بھگ افراد اُن کی نمازِ جنازہ میں شریک ہوئے تھے۔

مولانا جمشیدؒ کے بیٹے مولانا عبیداللہ خورشید ان کی زندگی میں ہی مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے صف اوّل کے اساتذہ کرام میں شمار ہونے لگے تھے تاہم تبلیغی جماعت میں مروّجہ موروثی سسٹم نہیں، بلکہ کام اور خدمات کی بنیاد پر ذمہ داریاں تفویض کی جاتی ہیں۔

آپؒ نے پسماندگان میں ایک بیٹا مولانا عبیداللہ خورشید، دو بیٹیوں اور کروڑوں

چاہنے والوں کو سوگ وار چھوڑا ہے۔ مولانا جمشیدؒ کی رحلت پر دنیا بھر کے تبلیغی مراکز، مساجد، مدارس اور خانقاہوں میں خصوصی دعائیں کی گئیں اور تمام اہم دینی اور سیاسی رہنماوں کی جانب سے تعزیت کا اظہار بھی کیا گیا۔

معلوم ہوا کہ آپ کا جنازہ جو ۱۰؍محرم بعد ظہر اِجتماع گاہ رائے ونڈ میں صاحبزادہ مولانا عبید اللہ خورشید صاحب نے پڑھایا، لاکھوں کا مجمع تھا، جو ان شاء اللہ عند اللہ مقبولیت کی علامت ہے۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ مولانا جمشید صاحب علیہ الرحمۃ کی کامل مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرما کر ہم سب کو عملاً دین دار بنادے۔

....

''رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا آپ تشریف لے گئے، اب یہ اس قدر عظیم سانحہ اور حادثہ اُمت کے لیے تھا کہ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسی ہستی محبت کی شدت میں حال یہ تھا کہ تلوار لے کر کھڑے ہوگئے کہ اگر کسی کی زبان پہ یہ بات آئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے موت پائی تو گردن اُڑادوں گا۔ وہ تو اپنے رب سے ملنے گئے ہیں۔ ایسی سچی محبت تھی اور ایسا غم طاری ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ جیسے صحابی رسول کہہ رہے ہیں کہ کسی زبان پر یہ بات آگئی تو گردن اُڑادوں گا، لا الٰہ الا اللہ. حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گئے اور کپڑا ہٹایا اور دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، باہر آئے صحابہ رضی اللہ عنہم پر پریشانیوں کے پہاڑ ٹوٹے پڑے تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا **وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسول افأمن مات او قتل انقلبتم على اعقابكم** اب جو یہ آیت پڑھی تو صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے ابھی یہ آیت نازل ہوئی ہے۔''

(شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

اُستاذِ مکرم حضرت شیخ جمشید رحمہ اللہ تعالیٰ

مفتی محمد رفیق صاحب

دارالافتاء والتحقیق، جامعہ دارالتقویٰ، لاہور

أولئک ابائی فجئنی بمثلھم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

تبلیغی جماعت کے حدی خواں، مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے صدر مدرس، سادگی کے پیکر، تقویٰ کے خوگر، مردِ قلندر، حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے صحبت یافتہ، حضرت مدنی رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید، حضرت مولانا مسیح اللہ خان رحمہ اللہ کے مجاز حضرت مولانا جمشید علی صاحب دامت برکاتہم العالیہ جواب رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ ہو چکے ہیں ہمارے بڑے اساتذہ میں سے تھے۔ بندہ نے حضرت مولانا رحمہ اللہ سے ''جلالین'' اور ''بخاری شریف'' پڑھی ہے۔ بندہ کو حضرت مولانا رحمہ اللہ سے شناسائی تو حفظ کے زمانے سے تھی (جو تقریباً سن ۹۰ء کا زمانہ تھا) اور بندہ ابھی تک بچپن ہی کے مراحل میں تھا۔ کیونکہ بندہ نے حفظ قرآن مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے شعبہ مکتب ہی میں کیا۔ اور یہ شناسائی حضرت مولانا رحمہ اللہ کی وفات تک رہی۔ اس عرصے میں حضرت مولانا رحمہ اللہ کی زبان مبارک سے کیا کچھ سنا اس کا احصاء اب کہاں ہوسکتا ہے؟ البتہ یادداشت کے مطابق جو پہلا واقعہ حضرت مولانا رحمہ اللہ سے وابستہ ہے وہ یہ ہے:

میں اور میرے گاؤں کے ایک اور ساتھی محمد اکرم (جو کہ اب مولوی صاحب بن چکے ہیں اور وہ بھی مولانا رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں) مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے شعبہ مکتب میں حفظ کر رہے تھے۔ عصر کی نماز کا وقت تھا، جن لوگوں نے پرانا مرکز دیکھا ہے انہیں معلوم ہے کہ رائے ونڈ میں وضو خانہ کے ارد گرد کا حصہ چھتا ہوا تھا، بعد میں اس چھتے ہوئے حصے اور مسجد کے سائبان کی چھت کے درمیان سیڑھیوں کے ذریعے اتصال ہو گیا تھا اور اس پر طلباء کے سونے اور اسباق کا بھی معمول ہو گیا تھا، لیکن جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس وقت مسجد کے سائبان کی چھت کے ساتھ اس حصے کا اتصال نہیں ہوا تھا۔

مکتب کے پاس پانی کی ایک سبیل ہوا کرتی تھی اور اسی کے پاس سے لوہے کی دو تین قدمچوں کی سیڑھی اس چھتے ہوئے حصے پر چڑھنے کے لیے لگی ہوئی تھی۔ حفظ کے زمانے کی بات ہے کہ ایک مرتبہ عصر کی نماز کھڑی ہو گئی اور ہم دونوں کو نہ جانے کیا سوجھی کہ بجائے مسجد میں نماز پڑھنے کے اس چھتے ہوئے حصے پر جا کر نمازِ عصر شروع کر دی یعنی انفرادی نہیں بلکہ جماعت کے ساتھ۔ کیونکہ آواز تو ہم تک بھی آ رہی تھی۔ حالانکہ اس چھت پر ہم دو نمازیوں کے علاوہ اور کوئی نمازی نہ تھا۔ اور اس وقت تک ہمیں اتصال اور عدم اتصال کے مسئلے کا کچھ علم نہ تھا، بہر حال نمازِ عصر کا سلام پھرا اور مسجد کے سائبان کی چھت سے حضرت مولانا رحمہ اللہ کی ''شی'' کی آواز آئی جو اگر چہ بمع ہمارے قاری صاحب کے بہت سے لوگوں نے سنی لیکن ہمیں اپنی دھن میں مشغول ہونے کی وجہ سے کچھ علم نہ ہوا، اور ہم اپنی سوچوں میں نیچے اتر آئے۔ ادھر سے جب حضرت مولانا رحمہ اللہ نے دیکھا کہ ان تک آواز نہیں پہنچی تو انہوں نے ہمیں بلانے کے لیے ایک طالب علم کو بھیجا جس کا چہرا اور نام مجھے آج تک یاد ہے اور اس کا نام ہے مولوی عبد الکریم ایرانی، جنہوں نے ''فضائل اعمال و صدقات'' کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ اس طالب علم نے آکر ہمیں کہا کہ مولانا جمشید صاحب بلا رہے ہیں۔

یہ سنا تو ہم گھبرا گئے کہ پتہ نہیں کیوں بلایا ہے اور اب کیا ہو گا؟ بہر حال ابھی تک ہمارا دھیان اس طرف گیا ہی نہیں تھا کہ ہم سے کوئی غلطی بھی ہوئی ہے۔

ہم سہمے سہمے حضرت مولانا رحمہ اللہ کے پاس چلے گئے۔

مولانا رحمہ اللہ نے نہ تو ہمیں مارا اور نہ ہی ڈانٹا، صرف اتنا پوچھا کہ کس قاری صاحب کے پاس پڑھتے ہو۔ ہم نے اپنے قاری صاحب کا نام بتا دیا۔

پھر مولانا نے اس طالب علم کو مخاطب کر کے کہا ان دونوں کے ان کے استاد کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہو کہ ان کی نماز نہیں ہوئی (بوجہ عدم اتصال) یہ اپنی نماز دوبارہ پڑھیں۔

وہ طالب علم ہمیں ہمارے قاری صاحب کے پاس لے گیا اور مولانا کا پیغام قاری صاحب کو دے کر اور ہمیں قاری صاحب کے حوالے کر کے واپس ہو گیا۔ قاری صاحب کو تو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ کیا گل کھلا کر آ رہے ہیں۔

قاری صاحب نے نماز لوٹانے کا تو بعد میں کہا اور ڈنڈے سے خبر پہلے لی کہ کم بختو! تمہیں کس نے کہا تھا کہ تالابوں والی چھت پر جا کر نماز پڑھو۔ بہر حال اتصال صفوف کا مسئلہ تو کم از کم اسی وقت سے دماغ میں بیٹھ گیا۔

۲۰۰۰ء میں بندہ دورۂ حدیث سے فارغ ہوا فراغت کے بعد تخصص کا ارادہ بنا، جو حضرات مدرسہ عربیہ رائے ونڈ میں پڑھے ہیں یا وہاں کے نظامِ تعلیم و تربیت سے واقف ہیں وہ اس سے بھی بخوبی واقف ہیں کہ مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے طالب علم کے لیے اساتذہ کے مشورہ کے بغیر کوئی قدم اٹھانا ایک جرمِ عظیم سمجھا جاتا ہے اور بہر حال اس میں طالب علم کا فائدہ بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا تخصص کرنے کے لیے مشورہ سے اجازت لینا ضروری تھی، میں اور میرے دیگر ساتھی جن کا تخصص کا ارادہ تھا اجازت لینے کے لیے مشورہ میں حاضر ہوئے درخواست پیش کی گئی کہ یہ طلباء تخصص کرنا چاہتے ہیں مولاناؒ پر چونکہ دعوت کے کام کا غلبہ تھا اس لیے فرمایا: لوگ جہنم میں جا رہے ہیں اور تمہیں تخصص کی پڑی ہوئی ہے، اسی طرح کے دو چار ترغیبی جملے (جواب پوری طرح تو یاد نہیں) اور ارشاد فرمائے، اور پھر پوچھا کہ ہاں اب کیا ارادہ ہے؟ تو کچھ ساتھیوں نے عرض کی کہ حضرت جیسے آپ فرمائیں، تو حضرت نے جزاک اللہ، ماشاء اللہ، اللہ قبول فرمائے یہ

دعائیں دیتے ہوئے اور سال لگانے کی ترغیب دیتے ہوئے ہمیں فارغ کر دیا۔

جب ہم مشورے سے اُٹھ کر باہر آئے تو آپس میں لے دے شروع ہوگئی، بعض ساتھی جن پر تخصص کرنے کا غلبہ تھا اور بندہ بھی ان میں شامل تھا وہ دوسرے ان ساتھیوں کو جنھوں نے مشورے میں کہا تھا کہ جی حضرت جیسے آپ فرمائیں۔ کہنے لگے کہ اگر تم لوگوں نے مشورے میں یہی بات کہنی تھی تو پھر مشورے میں جانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ حضرت کی منشا تو تمہیں پہلے سے ہی معلوم تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال اس کے بعد آپس میں یہ طے ہوا کہ جن ساتھیوں کا پختہ ارادہ ہے صرف وہ مشورے میں جائیں، چنانچہ تقریباً پانچ یا چھ ساتھی دوبارہ مشورے میں گئے اور دوبارہ تخصص کرنے کی اجازت چاہی۔ اب پوری تفصیل تو یاد نہیں، لیکن بہر حال اجازت مل گئی اور ہم پانچ ساتھی تخصص کے لیے کراچی روانہ ہوگئے۔

کراچی جا کر معلوم ہوا کہ یہاں تو سند کے بغیر (اور وہ بھی وفاق کی سند) داخلہ ہی نہیں ملتا۔ جبکہ ہمارے پاس نہ تو وفاق کی سند تھی اور نہ ہی مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کی سند، کیونکہ اس وقت مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کی نہ تو سند چھپی تھی اور نہ ہی ابھی تک سند دینے کا دستور تھا، بہر حال ہم نے دو چار مدرسوں سے معلومات لیں اور ان کے سامنے اپنی ساری صورتِ حال رکھی کہ ہماری فراغت مدرسہ عربیہ رائے ونڈ سے ہے اور وہاں ابھی تک سند دینے کا دستور نہیں، تو ہم سند کہاں سے لائیں؟ اس پر ہمیں اتنی رعایت مل گئی کہ چلو تم اپنے دورۂ حدیث کے نمبرات جو کہ تصدیق شدہ ہوں وہی لے آؤ۔

چنانچہ ہم نے پھر دوبارہ رائے ونڈ اپنے اساتذہ سے رابطہ کیا اور عرض کی کہ اس کے بغیر ہمیں داخلہ ہی نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے اساتذہ کو کہ انہوں نے شفقت فرماتے ہوئے ہمارے دورۂ حدیث کے نمبرات بمع تصدیق کے بذریعہ فیکس ہمیں بھجوا دیے اور ہمیں داخلہ مل گیا۔ لیکن چونکہ ہم نے تخصص کی اجازت لینے میں ذرا زور لگایا تھا اس لیے ہمارے دل میں اس کی پریشانی تھی کہ کہیں ہمارے اساتذہ کرام اور بالخصوص استاذِ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب ہم

سے ناراض تو نہیں، اس لیے ہم ساتھیوں نے وہاں سے معافی کا کوئی عریضہ بھیجا یا ٹیلیفون پر کسی استاد سے بات ہوئی اب پوری طرح یاد نہیں۔

اس کے جواب میں حضرت مولانا جمشید صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے ہمیں خط آیا، جس میں حضرت مولانا رحمہ اللہ کی طرف سے دعوت کے کام کو اپنا کام بنانے کی کچھ ترغیب اور خاص طور پر حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کی کتاب ''تبلیغ دین'' کا یہ جملہ ''حرفة العالم.. الخ'' تھا جو پہلے بھی حضرت مولانا رحمہ اللہ علماء وطلباء کے بیان میں عام طور سے بیان فرمایا کرتے تھے اور برکت اور قبولیت کی دعائیں تھیں۔

ہمیں اس خط سے بڑی خوشی ہوئی، کیونکہ ہمیں اپنے بارے میں شاگرد اور چھوٹے ہونے کی وجہ سے یہ توقع نہیں تھی کہ مولانا ہمیں خط لکھیں گے اور اس میں ہمارے لیے قیمتی نصائح اور دعائیں ہوں گی، ہمیں تو اپنی حرکت کی وجہ سے ڈانٹ کا ہی ڈر تھا۔

چونکہ ہم پانچ ساتھی تھے اور خط ایک تھا اور ہر ایک کی خواہش تھی کہ وہ خط برکت کے لیے اس کے پاس محفوظ رہے، اس لیے بندہ نے یہ تجویز دی کہ اس کی فوٹو کاپیاں کرا لی جائیں تا کہ ہر ایک کے پاس اس کی ایک کاپی بطور برکت اور یادگار کے رہے، لیکن یہ تجویز آج کل کی نذر ہوگئی اور بالآخر یہ بھی پتہ نہ چلا کہ وہ اصل خط ہی کہاں چلا گیا۔ بہر حال بندہ کو آج تک اس کا احساس ہے کہ کاش! ہم ذرا ہمت کر کے اسے محفوظ کر لیتے یا کم از کم اس کی کاپی ہی کرا لیتے، لیکن ''بسا آرزو کہ خاک شدہ''۔

بندہ جب تخصص اور جماعت میں سال لگانے سے فارغ ہوا تو جامعہ دار التقویٰ لاہور میں پڑھانا شروع کیا، جامعہ کی ایک شاخ ٹھوکر نیاز بیگ کے قریب النور مسجد محلّہ سلطان ٹاؤن عقب لاہور یونی وَرسٹی رائے روڈ لاہور میں بھی مدرسہ سیدنا علیؓ کے نام سے تھی۔ بندہ کی اس شاخ میں رہائش بھی تھی اور کچھ جز وقتی اسباق بھی ذمے تھے۔

ایک دن ایسا ہوا کہ عصر کے بعد اچانک خبر ملی کہ استاذِ محترم حضرت مولانا جمشید علی صاحب مدرسے کی مسجد میں تشریف لا رہے ہیں، چنانچہ تھوڑی ہی دیر بعد عصر اور مغرب کے درمیان حضرت مولانا، مولانا فہیم صاحب کے ساتھ تشریف لے آئے۔ چونکہ خبر

اچانک ملی تھی اور وقت بھی تھوڑا تھا اس لیے کھانے پینے کا کوئی باقاعدہ انتظام تو نہ ہو سکا، البتہ بندہ کو خیال ہوا کہ میرے پاس کچھ دودھ ہے وہی حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔ چنانچہ بندہ دودھ لے کر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا۔

مولانا مسجد میں تشریف فرما تھے، جب بندہ نے دودھ پیش کیا تو مولانا نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا: ''تمہیں کس نے کہا؟'' بندہ نے عرض کیا کہ حضرت آپ ہی تو فرماتے ہیں کہ ''اے میرے معبود! کھانے کو روٹی، پینے کو دودھ''۔ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت آپ حضرات سے ہی سنا ہے کہ جو چیز بغیر طلب کے آئے وہ معبود کی طرف سے ہی ہوتی ہے۔ حضرت مولانا نے اپنے مخصوص انداز اور لہجے میں فرمایا: ''لاؤ'' اور بندہ نے دودھ کا مگ حضرت مولانا کو دے دیا اور مولانا نے وہ دودھ نوش فرمایا۔

مولانا کی تشریف آوری، مولانا کا مکالمہ اور مولانا کا مخصوص انداز و لہجہ، حضرت کا اپنے ایک ادنیٰ سے شاگرد کا ہدیہ قبول فرما لینا یہ سب باتیں اور اسی طرح پہلے دو واقعے آج تک بندہ کے لیے ایک ٹھنڈک کا سامان ہیں اور ان شاء اللہ تا حیات ٹھنڈک کا سامان رہیں گے۔

....

''اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر پھیل گئی تو یہود و نصاریٰ پہلے سے انتظار میں بیٹھے تھے کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے پاس ہے تو کچھ نہیں نہ ہتھیار نہ فوج ساری چیزیں تو ہمارے ہاتھ میں ہیں یہ بے چارے مٹھی بھر فقیر مسکین نہ تن ڈھکنے کو چیتھڑے نہ ان کے پیروں میں لیتھڑے نہ گھروں میں کھانے کے دانے یہ فقیر مسکین لوگ ہیں۔

ہاں نبی کے ساتھ اللہ کی مدد ہوا کرتی ہے وہ چلے گئے اب تو میدان ہمارے ہاتھ میں ہے اور انہوں نے یہ سنتے ہی مدینے پر چڑھائی کرنے کے لیے عراق میں فوجیں لگا دیں۔ اب مدینہ انتہائی خطرے میں ہے اور رات دن اسی خوف میں کہ کب یہود و نصاریٰ چڑھائی کے لئے آ جائیں۔''

(شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

تبلیغی جماعت کے ممتاز عالم دین

مفتی رب نواز

دارالعلوم فتحیہ، احمد پور شرقیہ

بخدمت جناب حضرت مولانا محمد اویس صاحب دام ظلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمہ اللہ کے متعلق مضمون لکھنے کے بارے میں آنجناب کا خط موصول ہوا، شکراً۔

حضرت رحمہ اللہ علمی، عملی اور تبلیغی خدمات کے حوالے سے وقت کی جامع اور عظیم ترین شخصیت تھے۔ گوناں گوں خوبیوں کے باعث بلاشبہ اسلاف کی یادگار کہلانے کا حق رکھتے ہیں۔

حضرت رحمہ اللہ کے نقوشِ زندگی کو نسل نو تک پہنچانا ان کے متعلقین کے لیے جہاں باعث سعادت ہے وہاں یہ ان پر ایک قسم کا قرض بھی ہے جسے ادا کرنے کے لیے ماشاء اللہ آپ کوشاں ہیں یقیناً آپ کا یہ اقدام قابلِ تحسین اور متعلقین حضرتؒ کی طرف سے عمل کفایہ ہے۔

آپ کے خط کا فوری جواب دینے کا ارادہ تھا مگر ذہن میں آیا حضرت کے متعلق جلدی سے مضمون لکھ لوں تو خط کا جواب اور مضمون دونوں اکٹھے بھیجوں۔ لیکن اللہ کی شان کہ مضمون لکھنے میں تاخیر ہوتی گئی نتیجہ یہ ہوا کہ نہ خط کا جواب ارسال کر سکا اور نہ ہی مضمون۔ اس لیے معذرت خواہ ہوں۔

مولانا سیّد محمد زین العابدین حفظہ اللہ وقتاً فوقتاً مضمون لکھنے کی یاد دہانی کراتے رہے جزاھم اللہ خیرا۔ آپ کی فکر و دعا، جناب سید صاحب کی یاد دہانی اور اللہ کے فضل سے مضمون تیار ہو کر آپ حضرات کی خدمت میں حاضر ہے، قبول فرمائیں۔

پہلی زیارت

۹۳ھ کے آخر میں بندہ تبلیغی جماعت کے ساتھ چار ماہ لگانے کی غرض سے رائے

وِنڈ تبلیغی مرکز پہنچا وہاں جماعت کے بہت سے بزرگوں کی زیارت کا موقع ملا۔ آنکھیں جن بزرگوں کے دیدار سے فیض یاب ہوئیں ان میں ایک نمایاں اور جلیل القدر بزرگ حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب (رحمہ اللہ) بھی ہیں۔

جماعت میں لے جانے والے ساتھیوں نے وہاں موجود قریباً سب بزرگوں کا تعارف کرایا، بعض سے مصافحہ کرایا اور بعض کے بیانات میں بیٹھنے کا اتفاق بھی ہوا۔ حضرت مولانا جمشید صاحبؒ سے مصافحہ کرنا بھی خیال کی حد تک یاد پڑتا ہے، البتہ ان کے متعدد بیانات اچھی طرح یاد ہیں بلکہ ان کے بیانات کی بہت سی باتیں اب تک یاد بھی ہیں۔ ان سے سُنی ہوئی چند باتیں، تاثرات اور دوسرے لوگوں کی زبانی سنے ہوئے ان کی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات اور نمایاں پہلو ہم قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

سنت کی اہمیت

☆...مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے فاضل مولانا نصیر احمد صاحب (احمد پور شرقیہ) نے بتایا: رات کو قریباً ایک بجے حضرت رحمہ اللہ بیدار ہو کر مدرسہ آئے طلباء کو دیکھا کہ وہ قبلہ کی جانب سر کیے ہوئے دائیں کروٹ پر سوئے ہیں۔

فرمایا: سب کو جگا دو، یہ سر شمال کی جانب کر کے دائیں کروٹ پر قبلہ رُخ ہو کر سوئیں کیونکہ جس طرح دائیں کروٹ پر سونا سنت ہے اسی طرح قبلہ کی جانب رخ کر کے سونا بھی سنت ہے دونوں سنتوں پر عمل تب ہی ہو سکتا ہے جب سر شمال کی طرف ہو اور قبلہ کی طرف منہ کر کے دائیں کروٹ پر سوئیں۔

☆...حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت میں اِطاعت اَمیر کا جذبہ زوروں پر تھا اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ ایک بار رائے ونڈ مرکز میں کسی بات پر احباب کا اِختلاف ہو گیا بظاہر دو گروہ دکھائی دینے لگے۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا: بھائی ہمیں تو اَمیر کی اِطاعت کا حکم دِیا گیا ہے، میں تو اَمیر محترم حاجی محمد عبدالوہاب صاحب کے ساتھ ہوں۔

عالم اور شیخ الحدیث ہو کر ایک غیر عالم کی اِطاعت محض اس لیے کی کہ سنت میں اس کی تعلیم بلکہ تاکید کی گئی ہے۔

☆...حضرت کھانے کے برتن کو صاف کرنے والی سنت پہ اہتمام کے ساتھ عمل کرتے تھے جیسا کہ آگے 'سنت پر عمل کرنا' عنوان کے ذیل میں مذکور ہوگا، ان شاء اللہ۔

ذوقِ تربیت

حضرت رحمہ اللہ کے نمایاں اوصاف میں سے ایک اچھا وصف ''ذوقِ تربیت'' ہے آپ تعلیم کے ساتھ طلباء کی تربیت و آداب پر خاص زور دیتے تھے۔

☆...فرمایا: علماء کو پیٹھ کرنے سے نقصان ہوتا ہے۔ ان کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ طلباء کا مزاج بن چکا تھا کہ وہ جب بھی اپنے اساتذہ کے پاس سے واپس ہونے لگتے تو الٹے پاؤں چل کر کمرہ سے باہر نکلتے تاکہ انہیں پیٹھ نہ ہو۔ میں نے مولانا نصیر احمد صاحب وغیرہ کو دیکھا کہ وہ اس طریقہ سے ان کے پاس سے اُٹھ کر آتے بلکہ وہ حضرت حاجی محمد عبدالوہاب صاحب دامت برکاتہم کے ہاں سے بھی اس طریقہ کے مطابق باہر نکلتے حالانکہ ان کا شمار حاجیوں میں ہے علماء میں نہیں۔

☆...گلاس پکڑنے کا طریقہ سکھاتے۔

☆...فرمایا: جس کام کے لیے تمہیں بھیجا جائے واپس آ کر اس کی اطلاع دو کہ کام ہوا یا نہیں؟ کتنا اور کس قدر ہوا؟ نہیں ہوا تو کیوں، کیا وجہ پیش آئی؟

☆...دورہ حدیث پڑھ کر فراغت پانے والے فضلاء سے فرمایا: اگر آپ دین کا کام کرنا چاہتے ہو تو لوگوں کی بے جا فضول باتیں سن کر کانوں سے نکال دو۔ اگر آپ ان باتوں میں اُلجھ گئے یا دل برداشتہ ہو کر بیٹھ گئے تو دین کا کام نہیں کر سکو گے۔

حضرت کا یہ فرمان بہت ہی اہم ہے دین کے ہر شعبہ میں کام کرنے والے اس نصیحت کو یاد رکھیں اور اس پر عمل کی کوشش کریں۔ دنیا جاہل لوگوں سے بھری ہوئی ہے اگر ان کے بے جا اور فضول اعتراضات سن کر دین کا کام چھوڑ دیں تو اپنی محرومی ہوگی اور امت کا بھی نقصان ہوگا۔

عادات واطوار

☆...حضرت رحمہ اللہ کھانے کے برتن کو خوب صاف کرتے جیسا کہ آگے ''برتن

صاف کرنا‘‘ عنوان کے تحت آرہا ہے۔

☆...مہمانوں کو مرحبا کہتے اور خوش آمدید فرماتے۔طلباء کرام کو جب جگاتے تو فرماتے: مرحبا، خوش آمدید مہمانانِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جاگ جاؤ۔

☆...کوئی شخص دعا کا کہتا تو فوراً ہاتھ اُٹھا کر دعا کر دیتے۔حاضرین بھی دعا میں شریک ہوجاتے۔

☆...رات کو اکثر پُرانے مرکز مسجد کے محراب میں تہجد پڑھتے، لمبی دُعا مانگتے اور فجر کی نماز تک کھڑے، بیٹھے تلاوت کرتے رہتے۔

☆... بازار کے عام پھل نہیں کھاتے تھے کیونکہ عموماً ان کی خرید وفروخت شرعی طریقہ کے مطابق نہیں ہوتی مثلاً پھل لگنے سے پہلے پورے باغ کے پھلوں کو خرید لینا شرعی طور پر جائز نہیں مگر ملک بھر میں ایسی خرید وفروخت ہورہی ہے۔اس لیے حضرت رحمہ اللہ مارکیٹ کے پھل کھانے سے احتراز کرتے تھے۔البتہ معتقد حضرات میں سے جو شخص اپنے باغ و درخت کا پھل لاکر دیتا تو وہ تناول فرمالیتے۔

حضرت بازار کے پھل نہ کھاتے مگر اللہ کی شان کہ اُن کے معتقدین ملک بھر کے عمدہ پھل اُن کی خدمت میں پیش کردیتے، بلکہ جن پھلوں کا یہاں پاکستان میں موسم نہ ہوتا وہ بھی بفضلہٖ تعالیٰ حضرت کو نصیب ہوجاتے اس طرح کہ احباب وہ پھل بیرون ممالک سے بھجوادیتے تھے۔

فکرِ آخرت

☆...فرمایا: روز سوتے وقت موت کا مراقبہ کیا کرو۔یوں سوچا کرو کہ میں مرجاؤں گا، جنازہ ہوگا، قبر میں اُتارا جاؤں گا، آخرت میں پیشی ہوگی، حساب وکتاب ہوگا، جہنم بھی ہے اور جنت بھی۔میں جہنم میں لے جانے والے اعمال کررہا ہوں یا جنت میں پہنچانے والے؟

☆...حضرت رحمہ اللہ کے پاس ایک عالم حاضر خدمت ہوئے اور کہنے لگے: میں سکول پڑھانا چاہتا ہوں، کیا مشورہ ہے؟ فرمایا: آپ کی مرضی ہے آپ کو جیسے اچھا لگے

البتہ میری ایک بات یاد رکھنا سکول میں پڑھایا تو قیامت کے دن حشر ماسٹروں کے ساتھ ہوگا اور مدرسہ میں پڑھایا تو حشر علمائے تدریس کے ساتھ ہوگا۔

انسانیت کی خیرخواہی کا جذبہ

حضرت رحمہ اللہ سے واقفیت رکھنے والے قریباً سبھی لوگ جانتے ہیں کہ ان میں لوگوں کی خیرخواہی اور اصلاح کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور یہ کہ ان کی زندگی کا اکثر حصہ لوگوں کی اصلاح وتربیت میں گزرا ہے۔

☆...جب کوئی شخص اپنے بیٹے کو مدرسہ عربیہ رائے ونڈ میں داخل کرانے آتا تو داخلہ کے بعد فرماتے: اب آپ یہ نیت کرلو کہ میرا یہ بیٹا اللہ اور دین اسلام کے لیے وقف ہوگیا ہے ہماری برادری کے محترم قابل قدر عالم دین، تعلیم وتبلیغ کے محنتی معلم ومبلغ مولانا نصیر احمد نے جب داخلہ لیا تو ان کے والد سے مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا۔

☆... پاکستان کے مشہور حکمران محمد نواز شریف بڑی بھاری رقم لے کر آئے اور کہا کہ اسے مرکز و مدرسہ کے لیے قبول کرلیں۔حضرت نے فرمایا: ہمیں آپ کی رقم وسرمایہ کی ضرورت نہیں ہم تو آپ کی اصلاح چاہتے ہیں آپ جماعت میں وقت لگائیں۔

حضرت رحمہ اللہ کا یہ طرزِ عمل ہمیں بہت پسند آیا۔اس میں ایک تو شانِ بے نیازی کا اظہار ہے کہ علماء کرام کو حکمران، مال دار اور سرمایہ دار حضرات کی دولت سے بے نیاز ہونا چاہیے۔

جو عالم بے نیازی دکھلاتا ہے سرمایہ داران کے پاس چل کر آتے ہیں اور جو شانِ بے نیازی کھو بیٹھتا ہے سرمایہ دار انہیں اپنے پاس بُلا لیا کرتے ہیں اور عربی زبان کا یہ جملہ کیا ہی خوب ہے۔

نِعْمَ الْاَمِیْرُ عَلٰی بَابِ الْفَقِیْرِ وَبِئْسَ الْفَقِیْرُ عَلٰی بَابِ الْاَمِیْرِ۔یعنی حاکم کا فقیر (عالم) کے آستانہ پہ آنا کیا ہی اچھا ہے اور فقیر (عالم) کا حاکم کے دروازے پر (دنیاوی غرض کی وجہ سے) آنا کیا ہی بُرا ہے۔

سرمایہ دار وحکمران وغیرہ چندہ کے نام سے دولت دے کر بعد میں اپنے

جائز و ناجائز مطالبات منوانے کی کوشش کرتے ہیں اس لیے تبلیغی جماعت کے اکابرین حضرتؒ وغیرہ کا ان سے سرمایہ قبول نہ کرنا اچھا طریقہ ہے اور بہت بڑی قربانی بھی۔

ہمیں اس بات سے بہت زیادہ خوشی ہے کہ لاکھوں کروڑوں کے سرمایہ کی پیش کش کو ٹھکرا دینے کی قربانی وسعادت علمائے دیوبند کے حصہ میں آئی ہے۔ **وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔**

☆...ایک شخص نئی گاڑی لے کر آیا مولانا نصیر احمد صاحب نے اس گاڑی کا جو حلیہ بتایا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ڈائمنڈ کوچ کمپنی والوں کی ’’یوروپینتھر‘‘ گاڑی تھی۔ ان دنوں یہ گاڑی نئی نئی منظر عام پہ آئی تھی، آنے والے نے حضرت رحمہ اللہ سے کہا میری طرف سے یہ گاڑی قبول فرمالیں۔ حضرت نے جواب دیا: آپ کی گاڑی کی ہمیں ضرورت نہیں، آپ چار ماہ جماعت میں لگائیں۔ آپ ہمیں گاڑی دینا چاہتے ہیں ہم تو آپ سے وقت چاہتے ہیں۔

☆...اجتماعی کام بیان وغیرہ کے وقت جو لوگ مجمع سے الگ اپنے کاموں میں لگے ہوتے ان کے بارے بہت فکر مند ہو جاتے بے قرار ہو کر مجمع جوڑ والوں کو تنبیہ فرماتے کہ لوگوں کو مجمع میں اکٹھا کرو ان کا نقصان ہو رہا ہے خدارا ان کو نقصان سے بچاؤ۔

(یہاں تک جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ حضرت رحمہ اللہ کے شاگرد مولانا نصیر احمد صاحب سے سنی ہوئی باتیں ہیں۔)

برتن کو صاف کرنا

کھانا کھانے کے بعد برتن کو صاف کرنا اسلامی آداب میں سے ہے۔ کتب حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد برتن کو انگلی سے صاف کرتے یہاں تک وہ بالکل صاف ہو جاتا۔

حضرت رحمہ اللہ کا بھی اسی طرح عمل تھا۔ میرے ماموں عبدالقیوم صاحب طویل عرصہ سے جماعت میں وقت لگایا کرتے ہیں انہوں نے حضرت رحمہ اللہ کو کھانا کھاتے دیکھا ہے کہ حضرت نے آخر میں برتن کو انگلی سے صاف کیا اور پھر اس میں تھوڑا سا پانی ڈال کر اسے انگلی سے دھویا اور پھر اسی پانی کو پی گئے۔

حضرت کا یہ طرزِ عمل کئی وجوہ سے قابلِ قدر ہے۔

۱۔ برتن کو صاف کرنا سنت ہے تو سنت پر عمل ہوا۔

۲۔ اس میں رزق کی قدر دانی بھی ہے کہ برتن کے دُھلے پانی میں سالن کے ذرات ہوتے ہیں پانی کو گرانے کی بجائے اسے پی لینا یقیناً قدر دانی ہے۔

۳۔ برتن میں انگلی ڈال کر دھویا جائے تو دُھلا پانی کھانے کے ہضم ہونے میں بہت مفید و کارآمد ہے اسی طرح کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا بھی باعث ہاضمہ ہے۔

۴۔ انگلیاں چاٹنے کی سنت سے کراہت کرنے والی طبائع کے لیے عملی تبلیغ بھی ہے کہ انگلیاں چاٹنا تو اپنی جگہ رہا انگلی سے برتن دھو کر دُھلا پانی پینا بھی طبیعت سلیمہ کے خلاف نہیں۔

حضرت کے بیان کی چند باتیں

بندہ نے رائے ونڈ مرکز میں حضرت رحمہ اللہ کا بیان سُنا۔ یہ بیان جمعرات کو نمازِ مغرب کے بعد تھا حضرت نے قرآن کی آیت: **رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی** پر بیان کیا۔

آیت کا ترجمہ اس طرح ہے: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اسے سمجھ بوجھ دی۔

حضرت رحمہ اللہ نے قرآنی آیت میں مذکور مخلوقات کو ’’سمجھ بوجھ‘‘ دِی جانے والی بات کئی طرح سے سمجھائی۔

☆...فرمایا: بلی کے بچے جب چھوٹے سے ہوتے ہیں کہ ابھی ان کی آنکھیں نہیں کھلی ہوتیں تو بلی انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ، ایک گھر سے دوسرے گھر پھر تیسرے گھر اُٹھا کر لے جاتی ہے تاکہ انہیں ابتدا سے ہی چل چلاؤ کی تعلیم ہو۔ کیونکہ بلیوں نے چل پھر کر زندگی گزارنی ہوتی ہے۔ یوں اپنے بچوں کو تعلیم دینے کی سمجھ بوجھ اسے اللہ نے دی ہے۔ **رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی۔**

☆...فرمایا: مرغی انڈوں پہ بیٹھتی ہے کوئی انڈا اس کے پیٹ اور پروں کے نیچے

سے ایک طرف ہو جائے تو وہ اسے اپنے نیچے کر لیتی ہے تا کہ وہ انڈا خراب نہ ہو مرغی کو یہ سمجھ بوجھ کس نے دی ہے؟ رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی۔

پھر ٹھیک اکیس دن گزرنے پر وہ انڈے کو توڑ کر چوزہ باہر نکال لیتی ہے اول تو سوچنے کی بات ہے کہ مرغی کو کس نے سمجھ دی ہے کہ اب اکیس دن ہو گئے ہیں؟ نہ تو اس نے سورج کا طلوع دیکھا، نہ غروب دیکھا اور نہ ہی دنوں کی گنتی کو جانتی ہے۔

جب چوزے نکل آتے ہیں تو انہیں دانہ تلاش کرنا سکھاتی ہے۔ اپنے پنجہ سے کوڑا کرکٹ کو بکھیرتی ہے اور دانہ چونچ سے اُٹھا کر ان کے سامنے گراتی ہے کہ دانہ اس طرح تلاش کیا جاتا ہے۔ اس وقت اگر کوئی چوزہ مرغی سے دور الگ ہو جائے تو اسے ٹھونگ مار کر قریب کرتی ہے کہ میں ادھر دانہ تلاش کرنے کی تعلیم دے رہی ہوں اور تو دور پھر رہا ہے؟ (حضرت نے یہ جملہ اپنے خاص انداز میں کہا جسے سُن کر لوگوں کو ہنسی آئی۔) پھر فرمایا: مرغی کو یہ سب سمجھ بوجھ کس نے دی؟ رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی۔

☆... فرمایا: گدھ ایسا پرندہ ہے کہ جب کہیں جانور مُردار ہو جائے تو اگر چہ وہ سو میل کے فاصلہ پر ہو تو اسے مُردار کی بُو آ جاتی ہے اور پھر وہ آسانی سے تلاش بھی کر لیتا ہے۔ مُردار جھاڑیوں میں ہو یا کہیں بھی ہو وہ کسی سے پوچھے بغیر وہاں پہنچ جاتا ہے۔ گدھ کو یہ سمجھ بوجھ کس نے دی؟ رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی۔

قبولیت دعا

تحصیل احمد پور شرقیہ کے علاقہ محراب والا کے رہائشی مولانا زاہد صاحب مدرسہ عربیہ کے رائے ونڈ کے فاضل ہیں انہوں نے حضرت کی قبولیت دعا کے درج ذیل واقعات سنائے ہیں۔

☆... حضرت رحمہ اللہ درس گاہ تشریف لائے تو طلباء نے عرض کیا استاد جی! گرمی بہت زیادہ ہے بارش کی دعا فرمائیں۔ حضرت نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا: اچھا! چلو دعا کرتے ہیں۔ چنانچہ بارش کی دعا کرائی۔ اس وقت فضا میں بادل کا کوئی کچھ نشان نہ تھا مگر حضرت کی دعا کو اللہ نے قبول کیا۔ جب انہیں درس گاہ سے ان کے کمرہ

میں چھوڑنے گئے تو بارش ہو رہی تھی۔

☆... مولانا زاہد صاحب نے یہ بھی بتایا کہ ہم سال میں چل رہے تھے ہمارے ساتھ مانسہرہ کے ایک ساتھی تھے انہیں جنات کی شکایت تھی جس سے کافی تکلیف کا شکار تھے۔ ہم انہیں حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں لے گئے اور عرض کیا حضرت! ہمارے اس ساتھی کو جنات تنگ کرتے ہیں، دُعا کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ حضرت، ان کے خادم اور دو ہم ساتھی کل چار آدمی تھے دعا میں مشغول ہو گئے۔ حضرت نے جوں ہی دُعا شروع کرائی تو میں نے اَپنے مریض ساتھی کو دیکھا کہ وہ تکلیف کے عالَم میں اُوپر، نیچے بے چین سے ہو رہے تھے اور دورانِ دُعا اس کی زبان سے اَلفاظ نکل رہے تھے: میرے لیے بددُعا نہ کریں میں خود ہی چلا جاتا ہوں۔ مریض کی اس کیفیت کو دیکھ کر مجھے ڈَر لگا میں اَپنی جگہ سے اُٹھ کر حضرت کے ساتھ دُوسری طرف جا بیٹھا۔

جب وہاں سے دعا کرا کے حضرت کے ہاں سے ہم جدا ہوئے تو میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ آپ نے حضرت کے ہاں دورانِ دعا کیا حرکت شروع کر دی تھی؟ اس نے کہا میں نے کیا حرکت کی؟ مجھے تو کچھ پتہ نہیں۔ بہر حال حضرت کی دعا سے وہ مریض شفایاب ہوا، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

اندازِ تکلم

حضرت رحمہ اللہ اپنی گفتگو میں ہم قافیہ الفاظ بھی بولتے تھے مثلاً:

☆... فرماتے: درند، پرند اور چرند....

☆... یوں بھی کہتے: رشتے دار، دوست یار، کاروبار، چھوڑ چھاڑ کر اللہ کے راستے میں وقت لگائیں۔

☆... ۲۴ گھنٹہ کی زندگی کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کی بات کرتے ہوئے فرمایا: ۸ گھنٹے گھر بار کے لیے، ۸ گھنٹے کاروبار کے لیے اور ۸ گھنٹے اللہ کے دربار کے لیے۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ حضرت رحمہ اللہ کے درجات بلند فرمائے۔

....

خود تڑپ کر اور دنیا کو تڑپا کے جنت کا باسی ہو گیا

مولانا قاضی محمد اسرائیل گڑنگی

رب کی قدرت بھی بڑی عجیب ہے دن اور رات میں عجیب وغریب مناظر بندہ دیکھتا ہے، عجیب وغریب بندوں سے ملاقات ہوتی ہے، عجیب وغریب ذہن کے لوگ ملتے ہیں کسی کی کیا سوچ، کسی کی کیا فکر؟ کوئی نرم مزاج رکھتا ہے اور کوئی گرم، کوئی جلال والا ہے تو کوئی کمال والا، کوئی بات کر کے تھوڑی دیر بعد بدل جاتا ہے اور کوئی ڈٹ جاتا ہے، کوئی مزاج کا سخت اور کوئی اپنے ارادوں میں پُختہ ہے، اتنا پختہ کہ پہاڑ اپنی جگہ سے سرک جاتا ہے مگر وہ بندہ اپنی بات سے ایک انچ کا کروڑواں ذرّہ بھی پیچھے نہیں ہٹتا۔ جو کہا، سچ کہا، پھر سچ پہ ڈٹ گیا، جان جائے تو جائے مگر سچی آواز پہ قائم رہے، ساری دنیا ایک طرف اُس بندے کی سچی آواز ایک طرف، اس موقع پر مجھے بانی دار العلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی بات یاد آئی جو عاجزی اور انکساری کی اعلیٰ مثال پیش کرتی ہے اور اپنے آپ کو مٹا دینے کی دعوت دیتی ہے، آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ: طلباء کے بیت الخلاء میں جانے سے تکبر ختم ہوتا ہے اور طلباء میں گھل مل جانے سے سکون ملتا ہے، اسی دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر ان الفاظ میں کرتے ہیں: مولانا رحمۃ اللہ علیہ اُن لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حقیقت میں اپنے آپ کو مٹا لیا تھا اور اللہ پاک نے ان کو لوگوں کے دلوں میں بٹھا دیا تھا۔ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اکابر کے علوم اور حکمتِ تھانویؒ کو لے کر میدان میں آئے، ایسے آئے کہ چھاتے ہی گئے اور آگے ہی بڑھتے گئے۔ آخری منزل کا انتخاب بھی ربِ کریم نے اس جگہ کیا جہاں چوبیس گھنٹے

قرآن وسنت اور تبلیغ ودعوت کی آواز بلند ہوتی ہے، میری مراد تبلیغی مرکز رائے ونڈ ہے۔

آئیں جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

مالک کا اپنا نظام ہے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کہاں پیدا ہوئے، کہاں تعلیم وتربیت حاصل کی اور کہاں فیض پہنچایا، اور کہاں زندگی کی منازل کو طے کرتے ہوئے ٹھکانا بنادیا، علم حاصل کرنے کے لیے سفر شروع کیا اور علم پھیلانے کے لیے سفر کی تکمیل کی، عظیم لوگوں کا عظیم کردار تھا۔

اُن کی سادگی، دین پر استقامت، تبلیغ ودعوت کے کام میں جہد وعزیمت اور دیگر صفات کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ قرونِ اولیٰ کے قافلہ سے بچھڑا ہوا ایک فرد ہمارے زمانۂ فتن وحوادث میں آ کھڑا ہوا ہے۔ بلاشبہ موجودہ دور کے انسانوں کی فلاح کے لیے اللہ پاک نے اُن کو منتخب کیا تھا۔

مولانا رحمہ اللہ عاشق رسول تھے، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے عشق تھا، مجال ہے کہ کوئی کام خلافِ سنت ہو جائے، وہ عشق رسول ہی میں تبلیغ ودعوت کے کام میں ایسے لگے کہ یہ طریقۂ محنت اور سنت رسول اُن کی فطرتِ سلیمہ بن گئی اور شفاعت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اُمیدوار بن گئے، بقولِ سید نصیر الدین گیلانیؒ۔

بُرے ہیں بھلے اعمال، نازاں ہوں شفاعت پر
میسر اُن (ﷺ) کی رحمت ہو تو پھر کھوٹا کھرا کیا ہے
یہ محشر پُرسش اعمال دار و گیر کا عالم
نصیراب اُن (ﷺ) کے قدموں سے لپٹ جا دیکھتا کیا ہے

مولانا جمشید صاحبؒ نے اکابر کی طرز پر عشق رسول میں ڈوبی ہوئی بے مثال زِندگی گزاری اور ایسی حال میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ لاکھوں مسلمان آج ان کے لیے دعائیں اور التجائیں کر رہے ہیں۔ اور یہ دعا بھی ہو رہی ہے اور یہ آواز بھی گونج رہی ہے کہ اے اللہ! ہمیں بھی ان جیسی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرما یہ ہم سب کی دعا

ہے تو ہمارے حق میں قبول فرما۔

یہ دل بھی تمہارا ہے یہ جاں بھی تمہاری ہے
کیا پیش کروں آقا (ﷺ) ہر چیز تمہاری ہے

مولانا جمشید صاحب رحمہ اللہ اس بات پر ہمیشہ اللہ پاک کا شکر ادا کرتے رہے کہ ہم اللہ پاک کے آخری نبی کے امتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمت کا جو غم تھا وہ ہمارا غم ہے کہ پوری اُمت اپنے مقصد اصلی کو پہچان کر اس پر عمل پیرا ہو جائے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت امت کے غم میں فکر مند رہے اور امتی امتی کی آواز لگاتے رہے، مولانا جمشید صاحبؒ بھی یہ اعلان کرتے رہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم والا غم لے کر پوری دنیا میں پھیل جاؤ، جو شخص دوسروں کے غم سے بے غم ہے، وہ آدمی کہلانے کا مستحق نہیں، ان کے دل و دماغ میں اُمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا غم سما گیا تھا، اور ایسا سمایا کہ وہ زندگی کا روگ بنا گئے کہ کس طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو جنت میں لے کے جائیں۔

ہمارے اکابر کی محنتیں اور مجاہدے رنگ لائے جو لوگ مسجد کا نام نہیں لیتے تھے، وہ اُن ہی کی محنت کی برکت سے تہجد گزار بھی بنے، راتوں کو سجدوں سے اپنے گھروں کو آباد کرنے والے بھی بنے، اُن محنت کرنے والوں میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہمیشہ چمکتا دمکتا رہے گا۔ مولانا جمشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑی خوبیوں کے مالک تھے، اگر اُن پہ لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے، مضمون کی طوالت کی وجہ سے اس بات پہ مضمون کو سمیٹتے ہیں۔

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجیے
اِک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

اللہ پاک مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی دینی و ملی، تبلیغی و اصلاحی خدمات کو قبول فرمائے اور اُن کے نقش قدم پہ چلنے والوں کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

....

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کا اِنتقال..........عالمِ اِسلام کی محرومی!

مولانا محمد اکرم کاشمیری
اُستاذ حدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

ممتاز عالمِ دِین، مدرسہ رَائے ونڈ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ دُنیا کی تقریباً چھیاسی بہاریں دیکھ کر ۹ر محرم الحرام ۱۴۳۶ھ (۳ نومبر ۲۰۱۴ء) شب عاشورہ کو اِنتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کچھ عرصہ قبل اَچانک علالت کا شکار ہونے کے بعد لاہور کے جناح ہسپتال میں دَاخل ہوگئے تھے، جہاں ڈاکٹروں نے حتی المقدور علاج معالجے کی کوشش کی مگر بے سود۔ مولاناؒ زِندگی بھر کہا کرتے تھے ''کہ ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہو مشیت ایزدِی ہمیشہ غالب رہتی ہے، وہ جو چاہے ہوتا ہے جو نہ چاہے نہیں ہوتا۔'' آخر وہی ہوا کہ پیغامِ اَجل نے آلیا اور مولاناؒ نے عالمِ اِسلام کے مسلمانوں کو دَاغِ مفارقت دیتے ہوئے اِس دُنیا سے منہ موڑ لیا۔

دُنیا کی بے ثباتی اور بے وَفائی یقینی طور پر مسلمہ ہے اس سے کس کو اِنکار ہوا ہے۔ یا ہوگا۔ سیّدنا آدَم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وَسلم تک کتنے اَنبیاء علیہم السلام آئے، رسول، صدیقین، شہداء اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے آئے، سب ہی چلے گئے۔ دُوسری طرف بڑے بڑے بادشاہ آئے، دُنیا دَار آئے، اَربوں اور کھربوں پتی آئے وہ بھی اَپنے انجام کو پہنچ گئے۔ حق تعالیٰ کا فرمان ''کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ'' ''ہر نفس نے موت کا ذائقہ بننا ہے یا چکھنا ہے'' بالکل برحق ہے۔ ہم آئے دِن اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ کتنے بچے، جوان، بوڑھے مرد و عورتیں اللہ کو پیارے ہوئے ہیں۔ یہ سلسلہ آدَم علیہ السلام سے لے کر اَب تک چلا آ رہا ہے اور قیامت تک چلتا رہے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وَسلم کا فرمان ہے کہ اِس دُنیا کو تمہارے لیے اور تمہیں آخرت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اَصل زِندگی آخرت کی ہے۔ یہ دُنیا تو محض فانی اور ناپائے دَار ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ نفوس جو اِس دُنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھتے ہوئے یہاں اَعمالِ حسنہ کا بیج بوتے ہیں اور آخرت میں جا کر اس کی اَعلیٰ اور عمدہ قسم کی فصل کاٹتے ہیں۔ دُنیا کو نہ مقصود بناتے ہیں اور نہ ہی اس کو اَپنا مقصد قرار دیتے ہیں۔ مولاناؒ کا شمار ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اَپنی زِندگی محض آخرت سنوارنے کے لیے وَقف کر رَکھی تھی۔

اَبھی بچپنا ہی تھا کہ حکیم الامت حضرت مولانا اَشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کی صحبت نصیب ہوئی۔ آپ کے گھر رہے، یہاں تک کہ جب سن بلوغت کو پہنچے تو حضرتؒ کے گھر وَالوں نے اُن کا گھر میں دَاخلہ بند کر دِیا۔ اِس لیے کہ وَہاں شرعی پردَہ تھا۔ اُس وَقت تک مولاناؒ کی خاصی تربیت ہو چکی تھی۔ اُس کے بعد آپ نے اَپنے گاؤں کے اسکول سے پرائمری تعلیم حاصل کی۔ جس کے بعد آپ نے حفظ کیا اور پھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اَجل مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادِی قدس سرہٗ کے ہاں اُن کے مدرسے ''مفتاح العلوم'' جلال آباد میں دَاخلہ لیا۔ جہاں آپؒ نے اِبتدائی فارسی تعلیم کے ساتھ ساتھ شرح جامی اور حسامی تک کی کتابیں پڑھیں۔

یہیں آپ کو وِفاق المدارِس العربیہ پاکستان کے صدر اور جید عالمِ دِین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دَامت برکاتہم سے بھی علمی اِستفادے کا موقع ملا۔ اُس کے بعد آپ ایشیا کی عظیم یونی وَرسٹی اور مادرِ علمی دِیوبند میں داخل ہوئے جہاں آپ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین اَحمد مدنی، اِمامُ الادَب حضرت مولانا اِعزاز علی اور اِمامُ المعقول والمنقول مولانا ابراہیم بلیاوِی رحمہم اللہ جیسی نابغہ روزگار شخصیات سے کسب فیض کیا۔ یہیں یعنی دَارُالعلوم دِیوبند میں آپ نے ۱۹۵۱ء میں دورَۂ حدیث شریف کیا اور سند حدیث سے نوازے گئے۔ فراغت کے فوراً بعد آپ پاکستان تشریف لائے اور ٹنڈو الہ یار (سندھ) میں تدرِیس کا آغاز فرمایا۔ یہ اُس دور کی بات ہے جب ٹنڈو الہ یار کا یہ مدرسہ اَکابر علماء کرام اور مشائخ کا مرکز تھا۔ مولانا محمد جمشید علی خان صاحبؒ یہاں بارَہ

سال تک تدرِیسی فرائض انجام دیتے رہے۔ اُس کے بعد حضرت مولاناؒ نے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی قائم کردَہ تنظیم مجلس صیانۃُ المسلمین میں شمولیت اِختیار فرمائی۔ ساتھ ہی حضرت مولانا محمد اِلیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردَہ تبلیغی جماعت کے ساتھ اِس طرح وَابستگی اِختیار کی کہ آخر وَقت تک قائم رہی۔ آپ نے پورِی زِندگی تبلیغ دِین کے لیے وَقف کر رَکھی تھی۔ اس عظیم ذِمّہ دَارِی کے ساتھ ساتھ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دَرس وتدرِیس کی مصروفیات کو بھی جارِی رَکھا۔ یہاں تک کہ رَائے ونڈ کے مدرسے عربیہ کے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ معقولات ومنقولات کی بڑی بڑی کتب آپؒ کے زیر دَرس رہیں۔ مشکل سے مشکل مسائل چٹکیوں میں حل فرما دیتے تھے۔ آپؒ کی ہر ہر بات طلبہ وحاضرین کے دِل میں پیوست ہو جایا کرتی تھی۔ حضرت مولاناؒ کا جامعہ اَشرفیہ کے ساتھ دِلی اور قلبی لگاؤ تھا اکثر وبیشتر جامعہ (اَشرفیہ) میں تشریف آوری ہوتی۔ یہاں طلبہ میں حضرت مولانا رحمہ اللہ کا بیان ہوتا تھا جو اِنتہائی مؤثر اور مفید ہوتا۔

ایک دَفعہ رَاقم الحروف حضرت مولانا حافظ فضل الرحیم صاحب اَشرفی مدظلہ (نائب مہتمم جامعہ اَشرفیہ) کے ساتھ رَائے ونڈ حاضر ہوا۔ مولاناؒ نے اُس ملاقات میں فرمایا کہ: ''جی چاہتا ہے کہ جامعہ اَشرفیہ میں طلبہ علم حاصل کریں۔ اِس لیے کہ وہ ایک دَرس گاہ ہے اور رَائے ونڈ میں اُن طلبہ کی اِصلاح ہو اِس لیے کہ یہ ایک خانقاہ ہے۔''

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں اور متوسلین کی تعداد لاکھوں میں ہے جو اُن کی مغفرت اور بخشش کا یقیناً سبب بنیں گے۔ مولاناؒ کی نمازِ جنازہ اُن کے صاحبزادے جناب مولانا عبید اللہ خورشید صاحب دَامت برکاتہم کی اِمامت میں رَائے ونڈ مرکز کے اِجتماع گاہ میں اَدا کی گئی۔ نمازِ جنازہ میں ہزارہا علماء، طلباء ہر مکتب فکر سے تعلق رَکھنے وَالے حضرات نے شرکت فرمائی، اُن کی رحلت عالمِ اِسلام کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان ہے، شاید مدتوں یہ خلاء پُر نہ ہو سکے!۔ اللہ تعالیٰ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دَرجات بلند فرمائے اور اُن کے پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین یارب العالمین۔

....

مولانا جمشید صاحبؒ کی تین اِمتیازی صفات

مولانا محمد طیب زمان

رفیق شعبۂ تصنیف جامعہ بیت العلم کراچی

ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں اپنا آخری نبی بنا کر بھیجا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی اس دنیا میں نہیں آئے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ۲۳/سالہ دورِ نبوت میں مجاہدوں، مشقتوں اور صعوبتوں کو جھیل کر ایک جماعت تیار کی، جسے ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کہتے ہیں۔ اس جماعت کے ہر فرد نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اک اک ادا کو ہُو بہُو دنیا کے کونے کونے میں بخوبی پہنچایا، جس کا انکار محال ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کا اعزاز عطا فرمایا ہے، اور ساتھ ساتھ اس امت کو ایک اہم ذمہ داری بھی دی اور وہ ذمہ داری ہے ''امر بالمعروف ونھی عن المنکر'' کی۔

اس ذمہ داری کے احساس نے انھیں بے چین کر دیا، پھر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دن دیکھا نہ رات، سردی نہ گرمی، لہلہاتے کھیت اور نہ ہی پھل دار باغات، بس نکل پڑے اللہ کے راستے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے صدقے ملنے والی ذمہ داری کو نبھانے، جو اس امت کا تمغۂ امتیاز بھی ہے۔

اس ذمہ داری کو نبھانے پر اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا کی خلافت عطا فرمائی، قیصر و کسریٰ کے تاج ان کے قدموں میں آ گرے، دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت نے ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا اور اس بات کا اقرار کر لیا کہ اسلام ہی راہِ نجات ہے، اسی پہ چل کر کامیابی، امن، چین، سکون اور راحت کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد جب تک امت نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو اپنا فرضِ منصبی سمجھا اور امت اس ذمہ داری کو نبھاتی رہی تب تک اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی اس امت کے ساتھ رہی، لیکن جب اس امت نے اس کام کو پسِ پشت ڈالا تو اللہ تعالیٰ کی نصرتوں کے دروازے بھی بند ہو گئے، پھر جو ہوا وہ ہمارے سامنے ہے۔

ہر دور میں اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے رہے کہ جنھوں نے اس کام کو ہر حال میں اپنا کام بنائے رکھا اور لوگوں کو بھی یاد دلاتے رہے کہ اپنی تاریخ اٹھا کر دیکھ لو، اسی دعوت کے کام سے ہم نے ترقی کی تھی اور کامیابی حاصل کرنے کا صرف یہی نسخہ کیمیا ہے، اسے اپنا لو۔

ان لوگوں میں ایک نام مجددِ تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی نورَ اللہ مرقدہٗ کا بھی ہے، جنھوں نے پوری زندگی دعوت والے کام پر لگا دی، عیش وعشرت کو چھوڑا، اللہ تعالیٰ سے خوب خوب رو رو کر پوری امت کی طرف سے معافی مانگی کہ:

> ''اے اللہ! ہم نے دعوت والے کام کو چھوڑا، جو ہمارا فرضِ منصبی تھا۔ آپ ہمارے اس جرمِ عظیم کو معاف فرما دیجیے۔''

بس پھر کیا تھا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے چند اَن پڑھ میواتی اٹھے اور عزم کیا کہ ہم دعوت والے کام پر خود جمیں گے اور امریکہ، لندن تک کے مسلمانوں کو بھولا ہوا سبق یاد دلائیں گے۔ وقت گزرتا گیا اور آج لندن جیسے علاقے کی میں ڈھائی ہزار مسجدیں اس بات کی شاہد ہیں کہ اس کام سے ہی تبدیلی آئے گی۔

دعوت کے کام میں اصل قربانی ہے، جب قربانی کی بات آتی ہے تو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب نورَ اللہ مرقدہٗ کا معصوم چہرہ بے اختیار سامنے

آ جاتا ہے۔ جنھوں نے اپنی ساری زندگی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے صدقے ملنے والی ذمہ داری کو نبھانے میں صرف کردی۔ آپ رحمہ اللہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ صفاتِ حسنہ کا منبع تھے، لیکن بندے کی نظر میں آپ میں تین صفات بہت نمایاں تھیں:

۱۔تقویٰ:

تقویٰ تو ہر اللہ والے کی چادر ہے، جس کے بغیر تو کوئی اللہ تعالیٰ سے تعلق کا دعویدار ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ رحمہ اللہ بہت متقی انسان تھے، صرف عبادات ہی میں نہیں بلکہ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور قول وفعل میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کو شاملِ حال رکھتے تھے اور ڈرتے تھے کہ کہیں کوئی حرام یا مشکوک چیز حلق سے نیچے نہ اتر جائے، جس سے عبادت کی حلاوت ختم ہوجائے۔ حضرت مولانا محمد جمشید علی خان نورَ اللہ مرقدہٗ کا تقویٰ اعلیٰ درجہ کا تھا، جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انھیں استقامت کی دولت سے نوازا۔

۲۔مجاہدہ:

مجاہدہ تو دعوت والے کام کا خاصہ ہے، جس کے بغیر ہدایت کے دروازے نہیں کھل سکتے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے لیے جتنا میں ستایا گیا اتنا کوئی اور نہیں ستایا گیا۔ (سنن ابن ماجہ الرقم ۱۵۱)

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب نورَ اللہ مرقدہٗ نے بھی دعوت کے کام میں خوب مجاہدوں کو برداشت کیا، آخری عمر میں تو حضرت رحمہ اللہ پر نسیان کا غلبہ بھی تھا، لیکن کتنے ہی بیمار کیوں نہ ہوں، حضرتؒ کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ دعوت کے کام سے پیچھے نہ ہٹیں۔ بندے نے ۲۰۱۲ء میں بارہا دیکھا کہ تبلیغی مرکز رائے ونڈ کے روزانہ کے مشورے میں حضرتؒ کی شرکت یقینی ہوتی تھی، اور تو اور حضرت رحمہ اللہ مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے شیخ الحدیث بھی تھے، باوجود بیماریوں کے وہیل چیئر کے ذریعے درس گاہ تشریف لے جاتے۔ اور حتی الامکان ناغے سے پرہیز کرتے۔ پرانے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ جب حضرت بیان فرماتے تو اکثر یہ جملہ کہا کرتے کہ: ''بھائی! دعوت کے

کام میں پھساوڑے تو بہشت کے دروازے کھلوانے کے لیے آتے ہیں۔'' حضرت کی اس بات سے کام کرنے والوں کی ہمت بلند ہوتی تھی۔

۳۔اپنی اِصلاح کی فکر:

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب نورَ اللہ مرقدہٗ کام کرنے والوں کو خاص طور پر اس بات کی فکر دلاتے تھے کہ اوروں کی اصلاح کے چکر میں نہ پڑو، بلکہ اپنی اصلاح کی فکر کرو۔ جس سے کام میں ترقی ہوگی اور استقامت کی دولت بھی ملے گی۔ کبھی کبھار اس بات کو سمجھانے کے لیے یہ شعر بھی سناتے:

دُھن رے دُھنیے اپنی دُھن　　پرائی دُھنی کے پاپ نہ بُن
تیری روئی کے چار بنولے　　سب سے پہلے ان کو چُن

اس پر مزید یہ کہ اکثر اپنے بارے میں فرماتے کہ بھئی ہم سیکھنے والے نہیں بلکہ سیکھتڑ ہیں، جس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ کتنے بھی پرانے ہوجاؤ، کتنا بھی علم حاصل کرلو، کتنی ہی عبادت کیوں نہ کرلو، اس کو کم سمجھو اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی کم ہمتی بیان کرتے رہو۔

خلاصہ یہ کہ حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمہ اللہ کی ذات ہمارے لیے ماہِ تاباں کی حیثیت رکھتی تھی، جو چاند کی طرح خاموشی کے ساتھ اپنے انوارات سے اہلِ دعوت کو فیض یاب کررہی تھی۔ بس پھر اچانک یہ ماہِ تاباں کہیں چھپ گیا۔ جس کے جانے سے اہل دعوت روشنی سے محروم ہوگئے۔

لیکن یہ ماہِ تاباں اپنے پیچھے ایک خورشید چھوڑ گیا، جو الحمد للہ بالکل اپنے والد کی طرح چمکتا دمکتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمہ اللہ کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کی قبر کو نور کا گہوارہ بنائے، دعوت اور اہلِ دعوت کو اخلاص کے ساتھ کام پر جمے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

....

بچھڑا وہ اس ادا سے...

مولانا عادل عرفان
رحیم یار خان

محترم قارئین وقاریات! شیخ جمشیدؒ کے بارے میں چند ناقص مشاہدات اور ادھورے تأثرات قلمبند کیے ہیں۔

شیخ جمشیدؒ سے محبت رکھنے والے تو ہزاروں تھے مگر ان کے احساسات وجذبات کو الفاظ کی شکل میں جامہ تحریر پہنانے کی سعادت جن خوش نصیب لوگوں کے حصہ میں آئی، اُن میں اللہ رب العزت نے اس گناہ گار کو بھی ہمت وتوفیق بخشی۔ فللہ الحمد۔ خاموش ومخلص قارئین کی دعائیں اور شاباش لینے کے لیے قلم اٹھایا اور ذہن جگایا تو یہ مضمون بنتا چلا گیا، مواد تو بہت ہے مگر دعوت کے کام کے تقاضوں اور اصولوں کی رعایت بھی ضروری ہے، نئے اور پرانے اپنے اور غیروں کی استعداد وبرداشت کا لحاظ بھی ضروری ہے، اظہارِ حقیقت کے ساتھ مبالغہ آرائی سے گریز بھی ضروری ہے، حقائق کے بیان کو کہیں خوشامد نہ سمجھ لیا جائے، اس لیے ذہن وقلم پر کڑے پہرے بٹھاتے ہوئے چند بکھرے موتی یکجا کیے ہیں جو پسند آجائیں تو حضرت شیخ کی کرامت سمجھیں بصورتِ دیگر اس ناکارہ کی نااہلیت۔

دورِ ابتلاء وفقر میں مجاہدے کرنا بھی گرچہ کمال کی بات ہے، مگر راحتوں سہولتوں کے ہوتے ہوئے ابتداء وانتہاء تک مجاہدوں کو ترجیح دینا عین کمال ہے۔ دورِ شباب میں

نفس کشی کے مراحل سے گزر کر دورِ بزرگی وشیخی میں راحتوں وآسائشوں کو مباح سمجھنے والے ہر دور میں ہزاروں ہوں گے، مگر دورِ شباب سے دورِ شیاب (بڑھاپا) تک جائز ومباح راحتوں سے دل وچہرہ پھیر کر مسلسل موت تک مجاہدہ کو ترجیح دینے والے شہسوار کم ہی نظر آتے ہیں۔ میرے شیخ نے راحتوں اور لذتوں کی دنیا میں رہتے ہوئے وہ مجاہدے کیے کہ لفظ جہد بھی اُن کے سامنے منہ چھپائے گزرتا ہوگا۔ میرے ناقص خیال میں قربانی ومجاہدہ اور تھکن کی کثرت پہ اللہ کریم کو ترس ورحم آگیا کہ ان پر حالتِ استغراق طاری کر کے دنیاوی پابندیاں اٹھا کر اخروی نظاروں میں مگن کر دیا۔ (شریعت کی پابندیاں قلم روکتی ہیں ورنہ اور بھی کچھ کہہ دیتا) جس شخص کے دل وجگر کو فکر وغم اور سوز وگداز نے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہو، وہاں بھائی نعیم گوجرانوالہ سے آکر کیا کرے، ہزاروں کو پیٹ پکڑ کر ہنسانے والا یہ ظریف زادہ میرے شیخ کو کیسے کھلکھلانے پر مجبور کر سکتا ہے اور کیسے اس کے چہرے پہ مسکراہٹ لا سکتا ہے جس کے دل کی یہ کیفیت ہو۔

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیے
اس قلب میں یارب کیا آگ لگی ہوگی

واقعی یہ شعر شیخ اِلیاسؒ، یوسفؒ، اِنعام الحسنؒ، عبید اللہ بلیاویؒ، عمر پالن پوریؒ، شیخ سعیدؒ، مفتی زین العابدینؒ، شیخ زبیرؒ اور میرے شیخ جمشیدؒ پر صد فیصد صادق آتا ہے۔ یقین جانیے! مجھے تو اپنے تبلیغی ہونے پر شرم آتی ہے بقول ایک زندہ مجذوب کہ ''یہ منافق کہاں کے تبلیغ وَالے تبلیغ والے تو صحابہؓ تھے۔ گواہی تو صحابہؓ کی چلے گی، اگر انہوں نے کہہ دیا کہ یہ منافق کہاں کہ تبلیغ والے تو کدھر جاؤ گے؟'' بقول ایک اللہ والے کہ ''جن کو خواب میں کسی صحابیؓ کی زیارت ہوئی اپنی محنت کے بارے میں پوچھا تو جواب ملا کہ دن کی محنت میں کچھ مشابہت ہے، مگر رات بالکل ہم جیسی نہیں''۔ واقعی رُهبَان بِاللَّيلِ وَفُرسَان بِالنَّهَار کا مصداق بننا کون سا آسان کام ہے؟ مگر ہمارے مشائخ نے اس پر فتن دور میں واقعی خیر القرون کے شہسواروں کی یاد تازہ کی، دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام، دعائیں اور شاباش لینا ان کی مقبولیت عنداللہ وعندالرسول پر دال

ہے۔ کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں؟ اخلاص و استخلاص کی چوٹیاں عبور کرنے والے یہ حضرات ہماری تعریف کے محتاج نہیں، البتہ ان کے بارے میں لکھے گئے الفاظ، تحریریں ہماری شناخت کے ساتھ ہماری مغفرت کا سامان ضرور ہوں گی۔ موضوع پر واپس آتا ہوں، ایک مرتبہ رائے ونڈ مرکز کی مسجد میں بیٹھے تھے، عشاء سے پہلے یا بعد کا وقت تھا ایک طالب علم ہمارے حلقے میں آیا اور پوچھنے لگا کہ کیا آپ میں سے کوئی خدمت کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے؟ فوراً سب تیار ہوگئے لیکن بندہ نے پوچھا کہ خدمت کیا ہے؟ تو بتلایا کہ شیخ جمشیدؒ کے سر میں تیل ڈالنا ہے۔ شیخ کا بارعب چہرہ ذہن میں آتے ہی رعب ظاہری و باطنی نے اثر دکھایا اور سب نے ہاتھ نیچے کرلیے۔ جی تو میرا بھی چاہے کہ جاؤں اور ایسی خدمت (مالش وغیرہ) کروں کہ شیخ عش عش کر اُٹھیں ان کی ہر ہر رگ میں سے درد اور ہر پورے سے تھکن کھینچ لوں اور وہ خوش ہوکر دعائیں دیں تو میں کہوں حضرت! دعا کے ساتھ مزدوری بھی چاہتا ہوں پوچھنے پر کہوں کہ ''آپ کے روشن ماتھے پر بوسہ دے کر اپنی تشنہ حسرتوں کی تسکین اور ناپاک ہونٹوں کی تطہیر چاہتا ہوں'' مگر افسوس یہ حسرت حسرت ہی رہی عملی جرأت نہ کرسکا۔ اپنے ایک دوست کو حکماً کہا کہ ''اُٹھو اور اس سعادت کو حاصل کرو اور آج اپنی ساری مہارتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے حضرت کا دل جیت لو اور دعائیں لے لو''۔ اللہ جزائے خیر دے اسے، وہ میرے کہنے پہ طالب علم کے ساتھ چلا گیا۔ میری نیند اڑ گئی میں اس کی واپسی کے انتظار میں رہا دل ہی دل میں دعا کرتا رہا کہ یا اللہ خیر! اے کریم! اس دوست کے دل پہ جمی رفض و بدعت کی سیاہی اس خدمت کی برکت سے دھودے کیونکہ یہ دوست بھی بہت ہی برے اور خطرناک ماحول سے آیا تھا۔ کافی دیر بعد اس کی واپسی ہوئی، چہرہ کھلا ہوا، خوشی سے قلقاریاں مارتا ہوا آیا، حال احوال لیا تو بتایا کہ پہلے تو میں نے آرام سے ڈرتے ڈرتے سر میں تیل ڈال کر مالش شروع کی اور جب حضرتؒ کی رضا مندی دیکھی تو سارے گر آزمانے لگا، حضرتؒ کی تھکن دور ہوتی جائے، سکون بڑھتا جائے اور میرے ہاتھوں کی روانی میں طغیانی آتی جائے، خیر جب میں تھک گیا اور حضرت نے سکون محسوس

کرتے ہوئے اجازت دی تو فرمایا ''ارے بھئی تو تو مالشی ہووے روز آجایا کر''۔ یقین جانیے! حضرتؒ کا یہ جملہ دل پہ نقش ہو چکا ہے، جب بھی یاد آتا ہے، دل خون کے آنسو روتا ہے کہ کتنی تھکن سے نڈھال ہوکر حضرتؒ نے یہ جملہ کہا ہوگا۔ صبح سے شام تک بلکہ رات تک دعوتی و تعلیمی اور تدریسی مصروفیات کے ساتھ ذہنی و قلبی اور دائمی فکر و کڑھن نے جسم میں جان کہاں رہنے دی ہوگی، واقعی ہمارے شیخ نے تھکنے کا حق ادا کردیا اور حاجی صاحب مدظلہ کے اِس فرمان کی تطبیق اپنی ذات پر کی کہ: چار چیزوں کو تھکا دو گے تو اللہ تمہیں ہدایت کا سورج بنائے گا، زبان کو دعوت میں، قدموں کو گشتوں میں، دماغ کو فکر و کڑھن میں اور آنکھوں کو آنسو بہانے میں تھکا کر نڈھال کردو، زبان چلنے سے انکار کردے، قدم ہلنے سے انکار کردے، دماغ پھوڑے کی طرح دکھے اور آنکھیں رو رو کر پتھرا جائیں۔ میرے شیخ نے ان چار لائنوں میں ایسی جان ماری کہ قرونِ اولیٰ کے شہسواروں کی یاد تازہ کردی، پندرہ سال پہلے ایک مرتبہ کچھ پرانے عرب ساتھیوں سے ترغیبی بات چل رہی تھی، میں نے ان کو پاکستان وقت لگانے کی ترغیب دی، ہند میں کثرت سے جانے اور پاکستان نہ آنے کی وجہ پوچھی، تو ایک شیخ نے کہہ دیا کہ پاکستانی مشائخ متکبر ہیں، ہند والے متواضع ہیں، پاکستان میں مشائخ سے تفصیلی گپ شپ/ مذاکرہ تو درکنار، ان سے مصافحہ بھی مشکل ہوتا ہے۔ ہند میں مزے ہی مزے ہیں، کبھی شیخ سعد مدظلہ کے ساتھ کھانا کھانے کا موقع تو کبھی فلاں شیخ میٹھا لا رہے ہیں اور کوئی رات کو خصوصی نشست کے ساتھ خصوصی دعوتیں کھلا رہے ہیں۔ جب چاہو مشائخ سے ملو جتنی چاہے صحبت کے مزے اٹھاؤ.... متکبر کا لفظ اردو زبان کے اعتبار سے اگرچہ ناگوار گزرا، مگر ان کا مقصود یہ نہ تھا مشائخ کی شدت تھکن سے نڈھال چہرہ مصروفیت کے باعث غیر ضروری گفتگو و نشست سے گریز وغیرہ امور کو وہ بے زاری و سختی و کرختگی سمجھے۔ میں نے کہا: شیخ استغفر اللہ! ہمارے مشائخ ہرگز ہرگز متکبر نہیں ہیں اور نہ ہی مغرور اور نہ ہی بے زار۔ اللہ کے بندے ان کی دعوتی مصروفیات ہی اتنی ہیں کہ ان کو سکون سے کھانا کھانا تو درکنار سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں، ادھر سے فارغ ہوئے تو ادھر۔ کبھی اوپر،

کبھی نیچے، کبھی مشورے میں تو کبھی ہدایات، تو کبھی واپسی کی بات، کبھی مدرسے کے اسباق تو کبھی کارگزاری، کبھی مصافحہ تو کبھی انتظامی اُمور کی یلغار، ان بے چاروں کو تو اپنی نیند بھی پوری کرنے کا موقع نہیں ملتا، یہ تو ایسے مجاہدے والے ہیں کہ تھکن سے چور جسم کے ساتھ منبر پر بیٹھتے ہوئے نیند کی تھپکی لے لیتے ہیں، بات کرنے کے لیے پورا زور لگاتے ہیں تو آواز نکلتی ہے جسم وذہن کی رگوں میں زہر اتارتی تھکن اپنے اثرات جب چہرے پہ دکھاتی ہے تو وہ تڑخا ہوا چہرہ کیسے مسکراہٹ ظاہر کرے؟۔ مزید سنایا کہ شیخ احسان مدظلہ مستورات میں بیان کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ: تمہیں کیا احساس کہ فکرو کڑھن کسے کہتے ہیں، فکر سیکھنی ہے تو محترم حاجی (عبدالوہاب) صاحب سے سیکھو۔ بندہ ناشتہ لے کر حاضر ہوا، اس وقت مہمانوں سے ملاقات کا وقت بمشکل نکالا جاتا ہے، حضرت نے لقمہ توڑا اور منہ کی طرف لے جانے لگے کہ مہمان آگئے ان سے بات (دعوت) شروع کر دی، ان کو ہدایات ونصائح سے رخصت کیا، لقمہ منہ کے قریب تھا کہ اور مہمان آگئے پھر ان سے بات شروع کر دی، حتیٰ کہ یہ سلسلہ چلتا رہا مہمانوں کی آمد ورفت میں دعوتی فکر غالب رہی، تقریباً بیالیس منٹ بعد حضرت حاجی محمد عبدالوہاب صاحب دامت برکاتہم نے وہ لقمہ منہ میں رکھا۔ بندہ ناقل ہے کہ یہ واقعات بیان کرتے ہوئے شیخ احسان مدظلہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اللہ کے بندہ! تم ایسے بزرگوں کے بارے میں بدظنی کا شکار ہو، مزید کچھ واقعات اور سنائے تو معذرت کرنے لگے کہ ہماری منشا یہ نہ تھی، واقعی مجاہدے کے ساتھ عزیمت کے رخ پہ چلنا انہی بزرگوں کا شیوہ ہے۔

اسی طرح شیخ کے مستجاب الدعوات ہونے میں بندہ کو کوئی شک نہیں، درجنوں اہم معاملات میں محترم حاجی صاحب نے اُن پر اعتماد کرتے ہوئے ذمہ داری ڈالی اور انہوں نے اسے احسن طور پر نبھایا۔ ایک موقع پر گورنر سٹیٹ بینک پاکستان کے پیٹ میں مروڑ اٹھنے لگے کہ ہر سال سینکڑوں جماعتوں کے بیرونِ ملک جانے سے زرِ مبادلہ کے ذخائر کم ہوتے ہیں، اس لئے جماعتوں کے بیرون جانے پر پابندی لگانی چاہئے، اسی پہلو سے اس نے ایک تحریری خط مرکز رائے ونڈ ارسال کر دیا۔ مشورے سے ایک

جماعت طے ہوئی جو اس خط کا جواب دینے گورنر کے پاس جائے گی، حضرت ذمہ دار طے ہوئے۔

وہاں پہنچے آمنے سامنے بیٹھ کر حضرت نے خط پر ایک جملہ لکھا اور خط اسے پیش کر دیا، اُس نے جوابی خط پر نظر ڈالی تو اللہ والے کا ایسا رعب پڑا کہ وہ اپنی کرسی پر بیٹھا کانپنے لگا اور کانپتے کانپتے زمین پر آگیا، یہ حضرات اسی کیفیت میں اسے چھوڑ کر واپس آگئے۔ توجہ، تسخیر اور تسحیر اس راہ میں مٹی کے ڈھیلوں کی طرح پڑے ملتے ہیں اور یہ سر فروش ان کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے اور اگر یہ خدا پرست بغرض حاجت ان کو بطور استنجا ہی استعمال کر لیں تو یہ ڈھیلے اپنی قسمت پر شاداں وفرحاں ہوتے ہیں۔

اے کاش! مجھے کوئی خبر دے دے کہ میرے شیخ نے کیا جملہ لکھا تھا کہ اس متکبر کے اوسان خطا ہو گئے؟

میرے شیخ ان ہستیوں میں سے تھے جن کی بات کا انکار کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا، ان کے حکم کی تعمیل میں کوتاہی پر پکڑ کا اندیشہ تھا، یہ محبوبیت ومقبولیت خالصتاً اللہ کریم کی طرف سے انعام تھی۔

ایک مرتبہ وزیر اعظم پاکستان رائے ونڈ مرکز آئے، محترم حاجی صاحب باہر سفر پر تھے، میرے شیخ نے وزیر اعظم کو وقت دیا، اس نے بار بار اصرار کیا کہ میرے لائق کوئی حکومتی کام ہو تو بتائیں! حضرت نے استغناء کا مظاہرہ کیا، مگر جب اس کا اصرار وتکرار بڑھا تو حضرت نے فرمایا کہ ''سود ختم کرادو''۔ اس پر وزیر اعظم نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو بہت مشکل ہے اور فی الحال ناممکن، کوئی اور خدمت ہو تو بتائیں شاید وہ بھولا بھالا چاہ رہا تھا کہ یہ کوئی مالی مطالبہ کریں گے، مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس مردِ قلندر کی نگاہ میں ٹھیکرے اور اشرفیاں برابر ہیں، یہ ولی کامل جس نے اپنے خدا سے دنیا نہیں مانگی وہ اس کی محتاج مخلوق سے کیسے دنیا مانگ سکتا ہے۔ بقول شیخ جمشیدؒ کے کہ ''ہم نے اپنی مٹھیاں مضبوطی سے بند کی ہوئی ہیں، (لوگ زبردستی دینا چاہتے ہیں) اگر ہم اپنے ہاتھ کھول لیں تو ہم رائے ونڈ مرکز سونے کی اینٹوں کا بنا سکتے ہیں''۔

خیر وزیر اعظم واپس چلے گئے شیخ جمشیدؒ نے یہ کارگزاری محترم حاجی صاحب کو سنائی تو حاجی صاحب نے فرمایا کہ ''تو نے تو اسے مروا دیا''۔ یعنی اللہ والے کی بات کا انکار کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ اس میں جذبہ تھا مگر استعداد نہ تھی، اس لیے اب اس حکم کے انکار پر خدا کی طرف سے پکڑ آئے گی۔ چند یوم بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ وزیر اعظم صاحب جیل کی سلاخوں کے پیچھے جا پہنچے جس شخص کی بات اللہ کریم بھی نہ ٹالیں وزیر اعظم ٹال کر جائے، کہاں واقعی میرے شیخ من کان للہ کان اللہ لہ کی سو فیصد تصویر و تعبیر تھے۔ (یہ واقعہ میں نے خود بیان میں محترم حاجی عبدالوہاب صاحب سے سنا)۔

اسی طرح میرے شیخ حب جاہ اور حب مال کے سارے جذبوں سے خالی تھے اس لیے تو اللہ کریم نے ان کی آل اولاد سب کو دعوت کی محنت کے لیے قبول کیا ہوا ہے بڑے حضرات سے سنا ہے کہ ''جو اس کام (دعوت) سے دنیا چاہے گا، اللہ اس کی نسلوں کو اس کام سے محروم کر دے گا''۔ ایک مرتبہ مصر سے ایک بڑے اخوان المسلمون سے تعلق رکھنے والے عالم پاکستان آئے۔ لاہور سے رائے ونڈ والوں کو سمجھانے آ گئے کہ حکومت وسلطنت کے بغیر اسلام نہیں آ سکتا۔ قوت حاکمہ کے بغیر اسلام نافذ نہیں ہو سکتا۔ مہمان کی طویل تقریر کے بعد حضرت نے پوچھا: اصلاح کا کام یا انقلاب لانا گھر سے شروع کرنا چاہیے یا باہر سے؟ اس بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ کیا ہے؟ تو فرمانے لگے کہ گھر سے۔ تو میرے حضرت نے اپنے گھرانے کے افراد کی علمی و دعوتی مشغولی بیان کر کے اس سے اس کے گھرانے کی تفصیل پوچھی۔ تو معلوم ہوا کہ شیخ کی ایک بیٹی امریکا میں اور بیٹا فرانس میں زیر تعلیم ہے۔ دینی زندگی اور دینی محنت سے کوسوں دور۔ حضرت نے فرمایا: جو اپنے گھر میں انقلاب نہ لا سکے وہ باہر کیا انقلاب لائے گا؟۔ شیخ مصری کی سمجھ میں ساری بات آ گئی، افراد کی اصلاح کو انقلاب کہتے ہیں، حکومتوں کی تبدیلی اور قبضہ کو انقلاب نہیں کہتے۔ صالح افراد کی تشکیل سے صالح معاشرہ تشکیل پاتا ہے، معاشرے کی تمام اکائیوں کو صالحیت کے رنگ میں رنگے بغیر لایا ہوا انقلاب انقلاب نہیں سراب ہوتا ہے اور سراب کے پیچھے بھاگنے والا پیاسا ہی مرتا ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت میں شارٹ کٹ نہیں ع

اے کاش کہ ترے دل میں اتر جائے مری بات

میرے شیخ کے اوپر نبوی رنگ غالب تھا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کو دیکھ کر غصہ آنا اگرچہ ایمان کی علامت ہے، مگر اس سے اگلا درجہ فکر و کڑھن ہے، آنکھوں کے ساتھ دل بھی بے قرار ہو کر ماہی بے آب کی طرح تڑپے کہ ہائے یہ کیسے اس نقصان سے بچ جائے کیسے نافرمانی اور گناہ کو ترک کر دے اور کیسے صبغۃ اللہ کے رنگ میں رنگ جائے۔ میرے شیخ کو اللہ کریم نے یہ نعمت بافراط عطاء فرمائی تھی طریق نبوت پہ چلنا چلانا اور رونا کڑھنا حضرت کا مقصود تھا خود محترم حاجی عبدالوہاب صاحب ناقل ہیں کہ ہم رحیم یار خان ایک ڈاکٹر کے گھر پر تھے، مولوی جمشید بھی ساتھ تھا، ڈاکٹر کی چھوٹی بیٹی سلام کرنے آئی مگر اس کا لباس دیکھ کر یہ مولوی جمشید ایسے ہو گیا کہ جیسے ابھی مر جاوے گا۔ یہ میرے شیخ کی فکر و کڑھن کی بات ہے، اُمت کی ایک معصوم بیٹی کی لباس کے معاملے میں کوتاہی برداشت نہ ہو سکی، یہ کیفیت ان کی اُمت سے باطنی خیر خواہی اور ہمدردی کو ظاہر کرتی ہے جو معاشرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہلکی سی غفلت پہ مرنے کے قریب ہو جائے اس کے باطن میں کیا فکر و کڑھن اور سوز و گداز ہو گا۔

اسی طرح ایک مرتبہ شیخ رحیم یار خاں مرکز تشریف لائے بیان فرمایا، بس ایک بات یاد رہی کہ ''عورت ٹیڑھی پسلی سے بنی ہے اس لیے اس ٹیڑھی سے ہی گزارا کرو۔ اگر بالکل سیدھا کرنا چاہو گے تو ٹوٹ جائے گی مگر بالکل سیدھی ہرگز نہ ہو گی'' الحمدللہ آج تک شیخ کی نصیحت پلے باندھے ٹیڑھی پسلی سے گزارا کر رہا ہوں، اس کو کیا سیدھا کرنا تھا خود ہی سیدھا ہونے میں عافیت سمجھ کر صبر و شکر کے ساتھ زندگی کا سفر طے کر رہا ہوں۔

میرے شیخ مداہنت اور منافقت جیسی گھٹیا صفات سے کوسوں دور تھے۔ تربیت و اصلاح میں کسی رُو رعایت کے روادار نہ تھے۔ نظیر اکبر الٰہ آبادی نے عظیم لوگوں کی صفات کے بارے میں جو لکھا ہے وہ ان پر سو فیصد صادق آتا ہے بقول ان کے۔

ان کے غصے میں بھی دل سوزی

ان کی نفرت میں بھی ہے پیار
وہ میربانی کرتے بھی ہیں
نا مہربانوں کی طرح

ایک سندھی نوجوان تین چلے میں چل رہا تھا، حضرت سے ملنے گیا اور کہنے لگا حضرت! آپ کا کہنا ہے کہ جو اللہ کی راہ میں کارِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیکھنے کے لئے نکلتا ہے تو اس کے گھر کی حفاظت کے لئے پانچ سو فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے اور میں اللہ کی راہ میں چل رہا ہوں اور میری بکریاں چوری ہوگئی ہیں؟ حضرت نے بڑی سادگی سے پوچھا: بھئی تمہیں کیسے علم ہوا کہ تمہاری بکریاں چوری ہوگئی ہیں، کیا تمہارے پاس وحی آئی یا جبرئیل خبر لے کر آئے؟؟ تو نوجوان کہنے لگا کہ میں نے گھر فون کیا تھا تب پتہ چلا۔ حضرت نے ناراضگی سے فرمایا: بھئی پھر تو تو اللہ کے راستے میں نہ ہوا بلکہ گھر پر ہوا۔

یعنی جب تم نے گھر سے رابطہ رکھا ہوا ہے تو گویا ذہناً قلباً تم گھر پر ہو، صرف جسم تمہارا اللہ کی راہ میں ہے، جب کہ مدد و حفاظت کا وعدہ تو دل و دماغ روح سمیت اللہ کی راہ میں چلنے پر ہے، کیونکہ اللہ کریم ظاہر کو نہیں بلکہ دلوں اور نیتوں کو دیکھتے ہیں۔

موبائل نے تو اُمت کو ایسے فتنے میں ڈال دیا ہے جس کا علاج بہت ہی مشکل ہے ایک اللہ والے کو بے اختیار اللہ کے سامنے گڑگڑا اٹھے کہ ''اے کریم! تو ان موبائل والوں سے خود ہی نمٹ لے انہوں نے ہماری ساری محنت پر پانی پھیر دیا ہے''۔ اسی طرح ایک اللہ والے کے الفاظ ہیں کہ: موبائل کے ساتھ پیچھے رابطہ رکھتے ہوئے اللہ کی راہ میں چلنے والوں کو انچاس کروڑ والا اجر نہیں ملتا۔ تھوڑا بہت ثواب شاید مل جائے۔ فیاضِ امت مولانا محمد احمد انصاری مدظلہ سے موبائل کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمانے لگے کہ: جیسے بیت الخلاء جانا ایک ضرورت ہے ایسے ہی موبائل بھی ضرورت کی چیز ہے۔ جیسے ضرورت پر بیت الخلاء استعمال کیا جاتا ہے ایسے ہی موبائل کو بطور ضرورت استعمال کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس سے جی نہ لگایا جائے۔ کیا منصفانہ جواب ہے۔

میرے شیخ کی زندگی جہد مسلسل تھی۔ عام مقررین کے برعکس حضرت کی گفتگو یا

بیان سادگی سے مرقع تھا۔ تصنع وتکلف ہرگز نہ تھا۔ ان کی سادہ انداز کی سادہ سی گفتگو میں ہزاروں فتنوں کا توڑ تھا۔ ایک موقع پر جب ہمسایہ اِسلامی ملک پر آتش وآہن کی بارش ہو رہی تھی شیخ کے کلام کا سارا زور اس بات پہ تھا کہ مادہ کچھ نہیں اسلحہ فوجیں کچھ نہیں بڑے پر یقین لہجے اور درویشانہ انداز میں فرما رہے تھے کہ بھائی اگر ساری دنیا کا اسلحہ، ایٹم راکٹ کسی پہ چلا دیا جائے تو کچھ بھی نہ ہوگا بلکہ وہ ہوگا جو اللہ چاہے گا ساری دنیا کا اسلحہ اور فوجیں مل کر ایک چیونٹی کو بھی نہ مار سکتے۔ اسی طرح ایک موقع پر مادیت کی نفی اور اعمالِ صالحہ سے ہونے کے یقین پہ بات کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''بھوک کا حال آیا نماز پڑھی، سورۃ واقعہ پڑھی، دعا میں لگے، مگر حال دور نہ ہوا تو یہ نہ سمجھ کہ میں ناکام ہو گیا۔ میرا مسئلہ اور حاجت ضرورت تو پوری نہ ہوئی ارے بھائی! حال کا دور ہونا اور ضرورت کا پورا ہونا اصل نہیں بلکہ اس حال میں اللہ کا حکم پورا کرنا اصل ہے اگر حکم پورا کر دیا اور اعمال میں لگا سمجھو سو فیصد کامیاب ہو''۔

میرے شیخ کی گفتگو میں اللہ سے ہونے کے ذکر کے ساتھ اللہ کے علم لامحدود کا ذکر ضرور ہوتا تھا اکثر عِندَہٗ مَفَاتِحُ الغَیبِ کی آیت تلاوت کر کے اس کی تشریح وتوضیح میں فرماتے کہ ہر وہ پتہ جو درخت سے گرتا ہے، وہ زمین تک پہنچنے میں کتنی کروٹیں لے گا اور کس پہلو زمین پر گرے گا اللہ کے علم میں ہے۔ میرے شیخ علم حدیث کے بحرِ بیکراں تھے سند کے اعتبار سے برصغیر میں شاید ہی کوئی ان کا ہم پلہ ہو، سب سے کم واسطوں سے وہ معلم انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے اور یہ رابطے واسطے ان کے اعزاز کے لیے کافی وشافی ہے۔

میرے شیخ پہ گرچہ جلال کی کیفیت ظاہراً زیادہ محسوس ہوتی تھیں، کچھ چہرہ بھی ماشاء اللہ بہت بارعب تھا، گفتگو میں جنت کا ذکر کم ہی سننے کو ملتا تھا۔ زندگی میں صرف ایک دفعہ جنت کا ذکر سننے کو ملا اور ایسا ملا کہ پھر کسی اور سے سننے کی خواہش نہ رہی ایک مرتبہ پرانوں کے جوڑ میں شدید گرمی پڑی، خاص طور پر بارہ بجے کے بعد پنڈال میں بیٹھنا مشکل ہو گیا اوپر سورج آگ برسائے، نیچے ہر طرف چولہوں کی حرارت نے گرمی کی

حدت اور شدت نے نڈھال کر رکھا تھا۔ برداشت ختم ہونے پر سبزی کے کھیتوں کے دامن میں پناہ لی، اجتماعی سبزی کی حفاظت کے پیشِ نظر پانی کے خشک کھالے (نالے) میں لیٹ کر اس کی نمی اور ٹھنڈک سے گرمی کا توڑ کیا۔ نیت تھی کہ ظہر کی نماز پڑھ کر پھر یہاں آجاؤں گا۔ بیان سننا واجب ہے تو جان بچانی فرض ہے، مگر ظہر کے بعد جب شیخ جمشیدؒ کی آواز سنی تو بیٹھ گیا۔ حضرت نے ایسی جنت اور اس کی نعمتیں راحتیں لذتیں اور آسائشیں بیان کیں کہ سارا مجمع ہمہ تن گوش ہوگیا، حتیٰ کہ کھیتوں میں پناہ لیے ہوئے سڑکوں پہ چلنے والے آواز کی طرف کھنچے چلے آئے۔ حضرت کے اندازِ بیان پہ حیرت ہو رہی تھی۔ حیرانی کے ساتھ ہی چہرے پہ مسکراہٹیں چھانے لگیں، گرمی کا احساس زائل ہونے لگا، یقین جانیے! ایسے لگا کہ حضرت جنت سامنے دیکھ کر سب کچھ بیان کر رہے ہیں اور یوں لگا کہ جیسے جنت پوری لذتوں راحتوں کے ساتھ سامنے ہے اور ہم اس کے باغوں کی ٹھنڈک اور خوشبوؤں کے مزے لے رہے ہیں۔

مجھ سمیت ہزاروں دوست اس بات پہ حیران تھے کہ ایسے جلالی بزرگ سے ایسی جمالی جنت کا بیان کیونکر ممکن ہوا۔

اگر کوئی اور بیان کرے تو سنسر کی ساری پابندیوں کا اطلاق اس پر ہوجائے۔ جی تو چاہتا ہے کہ حضرت کی بیان کردہ جنت کی جھلک قارئین کو دکھاؤں، سناؤں، مگر رسالے کے صفحات اس بوجھ کے متحمل نہیں ہوسکتے، المختصر ہوش اس وقت آیا جب عصر کی اذان کانوں میں پڑی، شدید گرمی کے یہ ڈیڑھ دو گھنٹے پلک جھپکنے میں گزر گئے، نہ گرمی کا احساس رہا نہ فرار ہونے کی طرف دھیان گیا، یہ ہے میرے شیخ کی توجہ اور بصیرت کہ کیسے مجمع کو سنبھالا اور جمایا ... بقولِ شاعر

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو تب ہے کہ گرتے ہوؤں کو تھام لے ساقی

....

تحریکِ ایمان کا ایک عظیم رہبر

مولانا محمد حسین صدیقی
اُستاذِ حدیث جامعہ بنوریہ عالمیہ کراچی

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اِک شخص سارے جہاں کو ویراں کرگیا

۹ رمحرم الحرام ۱۴۳۶ھ، ۳ رنومبر ۲۰۱۴ء کو اطلاع ملی کہ داعیِ وقت، درویشِ خدا مست، زبدۃ العارفین، فخر المحدثین، عمدۃ الواعظین، برکت العصر حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب پوری اُمتِ مسلمہ کو مغموم اور اشک بار چھوڑ کر اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

بے اختیار حضرتؒ سے وابستہ یادیں ایک ایک کر کے گوشۂ ذہن میں وارد ہونے لگیں۔ میری حضرتؒ کی خدمت میں سب سے پہلی حاضری اُس وقت ہوئی جب ۱۹۸۳ء میں تبلیغی سال پر چل رہا تھا ۸۳ء میں جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی سے دس علماء اکٹھے ایک سال کے لیے رائے ونڈ مرکز میں بزرگوں کے سامنے پیش ہوئے تھے، جن میں مولانا ضیاء الحق صاحب مقیم رائے ونڈ، مولانا حسن ولی صاحب مقیم رائے ونڈ، مولانا عمر فاروق بن الحاج کبیر احمد صاحبؒ، مولانا انوار الحق صاحب الائی، مولانا نذیر احمد صاحب مدرسہ عائشہ ایبٹ آباد اور راقم الحروف شامل تھے۔

چنانچہ رائے ونڈ آمد کے بعد ہم نے اپنا سامان مہمانوں کی قیام گاہ میں رکھ دیا اور وہیں ٹھہرنے کے ارادہ سے قیام پذیر ہوگئے، اسی اثناء میں ایک صاحب حضرت مولانا جمشید صاحب کا پیغام لائے کہ وہ آپ احباب کو بلا رہے ہیں!۔ چنانچہ حضرت کے کمرہ میں حاضری ہوئی، وہاں پہلی بار حضرت کا دیدار نصیب ہوا، تو اُس موقع پر اندازہ ہوا تھا

کہ ان کو اللہ نے حسن باطن کے ساتھ ساتھ جمالِ ظاہری سے بھی خوب نوازا تھا، جن کی مسکراہٹ سے بجھے ہوئے دِل جی اُٹھتے تھے۔

فرمایا: ''بڑی جنت چاہتے ہو یا چھوٹی؟'' ہم سب نے فوراً عرض کیا: ''بڑی''۔ فرمانے لگے: مسجد (عمومی مجمع) میں ٹھہرو! بڑی جنت ملے گی، بڑے (عمومی) مطبخ میں کھانا کھاؤ! بڑی جنت ملے گی، زیادہ مجاہدہ اِختیار کرو! بڑی جنت ملے گی۔

سال پورا ہونے کے بعد ہر سال کئی کئی بار شرفِ ملاقات و زیارت اور اُن کے بیانات سے مستفید ہونے کا موقع ملتا رہا۔

اللہ تعالیٰ کے غیبی نظام سے آپ ۱۹۶۴ء میں رائے ونڈ تشریف لائے اور فنا فی التبلیغ ہوگئے، حضرت کی صفاتِ حسنہ دیکھ کر لوگ آپ سے متأثر ہونے لگے۔ آپ کی شخصیت دعوت وتبلیغ اور درس وتدریس کی حسین اِمتزاج کی کیفیت سے متصف ہوکر مجمع البحرین ہوگئی تھی۔ دیکھنے والوں نے خوب دیکھا اور حضرت کی سادگیِ معاشرت، محنت و لگن اور جہد ومجاہدہ سے حیران ہوتے رہے۔ غرض آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔

وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے
اگرچہ صحرا میں تھے مگر پھر بھی چمن تھے

وہ ایک مؤثر خطیب تھے، اُن کا بیان انتہائی درجہ پُراثر ہوتا تھا اور اس میں اتنی جاذبیت ہوتی تھی کہ مجمع میں موجود ہر فرد ہمہ تن گوش رہتا تھا۔ بیان میں قافیہ بندی بھی خوب ہوتی، سامعین بڑے لطف اندوز ہوتے، بیان میں رُلاتے بھی تھے اور ہنساتے بھی، تڑپاتے بھی تھے اور گرماتے بھی۔ اور پھر زوردار تشکیل فرماتے، بڑا مجمع اللہ کے راستے میں نکلنے کے لیے تیار ہوجاتا اور اپنے نام لکھواتا۔

حضرت کی ایک نمایاں خصوصیت آپ کی مقبولیت عامہ تھی، آپ کو تبلیغ سے وابستہ احباب چاہے اندرون ملک سے ہوں یا بیرون سے آپ سے بڑی محبت وعقیدت رکھتے تھے۔ اور آپ کے قافیہ بند جملے یاد رکھتے تھے، چاہے اُردو سے واقف ہوں یا نہ ہوں۔

آپ کی ایک اور خصوصیت کام میں یکسوئی، اِنہماک اور لگن تھی، مدتوں آپ کا

وظیفہ مدرسہ عربیہ رائے ونڈ میں درسِ حدیث اور تبلیغ ودعوت کا کام رہا، اس کے علاوہ کچھ جانتے تھے نہ سوچتے تھے، کوئی غم تھا نہ فکر، اگر کڑھن اور غم تھا تو وہ اُمت کا تھا کہ کسی طرح اس اُمت کا ایک ایک فرد جہنم سے بچ کر جنت میں جانے والا بن جائے، اس کے لیے اپنی زندگی کی ہر آسائش، راحت وآرام سب کچھ قربان کردیا تھا، وہ اپنی ذاتی زندگی میں بے حد قناعت پسند اور سادہ انسان تھے، سادہ غذا، سادہ لباس استعمال کرتے تھے، غرض زندگی کے ہر موڑ پر سادگی نظر آتی تھی، اس طرح وہ نمونۂ اسلاف معلوم ہوتے تھے، اُن کو دیکھنے والا اپنے آپ کو اسلام کے ابتدائی عہد میں پاتا تھا۔ انہوں نے ایک مسافر کی طرح اپنی زندگی کے فانی ایام علم وحکمت، درس ودعوت سے بھرپور گزارے اور وقت مقررہ پر رخت سفر باندھ کر عقبیٰ کو چلے گئے۔

یہ حقیقت ہے کہ اس چمن میں بڑی مدتوں اور مشکل کے بعد حضرت مولاناؒ وارِد ہوئے تھے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ کی ان گنت خوبیوں کو جمع کرنے کے لیے فرصت عمر چاہیے، طویل صفحات چاہییں اور کئی قلم درکار ہیں۔

بالیقین آپ کی موت اُمت کے لیے بڑے صدمے کی بات ہے، اب آنکھیں ان کا نورانی چہرہ دیکھنے کو اور کان ان کے پاکیزہ بول سننے کو تڑپتے رہیں گے۔ لیکن اس پر شکر ہے کہ اُنہوں نے اپنے پیچھے جو نیک اولاد، ہزاروں شاگرد (علماء کی صورت میں) اور لاکھوں چاہنے والے مبلغین اور سدا بہار دعوت وتبلیغ کا مشن جو چھوڑا ہے، اس کی بنا پر محسوس ہوتا ہے کہ وہ یہیں کہیں موجود ہیں۔

آتی ہی رہے گی ترے انفاس کی خوشبو
گلشن تری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

....

آہ! حضرت مولانا جمشید علی خان رحمۃ اللہ علیہ

بھی اُٹھ گئے

قاری محمد سلیمان

ٹیکسلا راولپنڈی

کافی دِنوں سے مولانا جمشیدؒ صاحبِ فراش تھے لیکن آپ کا وجودِ مسعود بھی فتنوں کے لیے سدِراہ تھا، اِس لیے بھرپور دُعائیں جارِی تھیں، لیکن ایک دِن جانا مقرر ہے اِس لیے وہ دِن بھی دیکھنا پڑا۔ ۳؍نومبر ۲۰۱۴ء شام آٹھ بجے ایبٹ آباد سے ایک صاحب نے فون پر رحلت کی خبر دے کر کہا کہ آپ رَائے ونڈ مرکز سے تصدیق کریں، بندہ نے مولانا اِحتشام الحق صاحب مقیم رَائے ونڈ سے تصدیق چاہی تو اُنہوں نے پہلے تو آج صبح کی قدرے صحت کی خبر دے کر کہا کہ میں مزید پوچھتا ہوں، پھر فوراً ہی خبر دِی کہ خبر صحیح ہے، حضرت مولانا اِنتقال فرما گئے ہیں۔ پھر میسج کی بھرمار ہوئی، ہر طرف سے خبریں آنے لگیں، جنازہ کا وَقت دو بجے پنڈال میں طے ہوا، ہمارے مدرسہ کے ۱۶؍اَساتذہ تشریف لے گئے، ۱۰ محرم کی چھٹی کی وَجہ سے سڑک پر ہجوم صرف جنازے پر جانے وَالی ٹریفک کا تھا، بہت سے لوگ رَات ہی سفر کرکے پہنچ گئے، دِیدار کے لیے بڑے نظم وضبط سے قطاریں بنی تھیں، اہل اللہ کے جنازے اُن کی عند اللہ مقبولیت کا پتہ دیتے ہیں، جنازہ پڑھنے وَالوں کی اَکثریت اللہ کی رَاہ کے مسافر، حفاظ، قراء، علماء، مفتیان، مشائخ اور طلباء کرام تھے، اِنسانوں کا ایک جمِ غفیر تھا۔ رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً۔

قبر پر آخری دُعا مولانا محمد احسان الحق صاحب مدظلہ العالی نے فرمائی، مولانا طارِق جمیل صاحب مدظلہ العالی بھی موجود تھے۔ یہ اللہ کی رَاہ کا تھکا تھکایا مسافر زِندگی کی گھڑیاں گزار کر رَائے ونڈ تبلیغی مرکز کے پہلو میں ہمیشہ کے لیے محوِ اِستراحت ہوگیا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب نورَ اللہ مرقدہٗ کی انوکھی باتوں اور قافیہ بندی کے تذکرے ایک زمانے تک دُہرائے جاتے رہیں گے، فرمایا کرتے تھے کہ: ''دِین کی محنت رَاتوں کو رونا اور دِن کو رُلنا یعنی مارے مارے پھرنا پھرانا ہے''۔

چیچنیا سے ۱۸۰؍احباب کی آمد پر حضرت مولانا نورَ اللہ مرقدہٗ کی خوشی قابلِ دید تھی، پرانی مسجد کے محراب سے دَاخل ہوکر پہلی صف وَالوں کو مہمانوں کے احترام میں جگہ دینے کے لیے ایک عجیب اَنداز سے ترغیب دِی اور پھر مہمانوں کا محراب سے دَاخلہ اور آپ کے اِستقبال کا منظر دیدنی اور یادگار تھا۔

غالباً ۸۰ء کی دہائی میں جناب مولانا اَحمد نورَانی صاحب و دِیگر اہلِ سنت والجماعت (بریلوی مکتبِ فکر) نے رَائے ونڈ کے مقابلہ میں اِجتماع کیا اور رَائے ونڈ کا نام بدل کر مصطفیٰ آباد رَکھا، جب کسی طرف سے کوئی رُکاوَٹ نہ ہوئی تو کچھ جیالوں نے رَائے ونڈ کا رُخ کیا تاکہ کچھ تو گرما گرمی کا اِظہار ہو، مولاناؒ نے خبر ملنے پر مذاکرہ فرما کر ایک بڑی کھیپ کو اُن کے اِستقبال اور خوش آمدید کے لیے تولیہ صابن دے کر لمبی صف میں کھڑا کر دِیا، گرمی کا موسم تھا، پسینہ سے شرابور تھے، آنے والے ہجوم کو تولیے اور صابن پیش کیے گئے اور غسل خانوں کی رَاہنمائی کی گئی اور وَہاں سے فراغت پر دَسترخوان بچھ گئے اور پھلوں اور مٹھائی سے اِکرام کیا گیا، سارے جیالے ہنسی خوشی وَاپس چلے گئے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ حکمت کے بادشاہ تھے، برسوں اُن کے بروَقت فیصلے اور عین وَقت کی رہنمائیاں یاد رہیں گی۔ عشاء کی اَذان کے لگ بھگ مولانا رحمۃ اللہ علیہ دَرسِ بخارِی سے وہیل چیئر پر وَاپس تشریف لاتے تو طلباء کا ہجوم آپ کے ساتھ ہوتا، حضرت حاجی محمد عبدالوہاب صاحب بیرون کے مجمع میں بیان فرما رہے ہوتے تو مولانا کو آتا دیکھ کر بڑی محبت سے فرماتے کہ یہ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں، اس لیے کہ یہ خالص تبلیغی ہیں۔

ہم بلوچستان کی یونی وَرسٹیز، کالجز کے دہری طلبہ کو حضرت مولانا جمشید صاحبؒ کا سنبھالنا اور گلگت، اِسکردُو کے فتنوں کو فرو کرنے کے لیے حضرت مولاناؒ کی فراست مؤمنانہ، اِخلاص، قوتِ کلامیہ، اِفہام وتفہیم اور حکمت وتدبر سے بھی آشنا ہوئے۔

بچپن سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے گھروں میں آتے جاتے رہے، اُن کی مربیانہ نگاہوں سے بارہا گزرے اور اُن کے آثار کو جذب فرمایا، پھر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تعلیم وتربیت کے عظیم دور سے گزرے، پھر عملی وتدریسی میدان میں ٹنڈو الہ یار کے مدرسہ کے عروج کے زمانہ میں اَساطینِ اُمت کی صحبتوں اور مشورے سے گزرے، پھر شنید یہ ہے کہ وضو فرماتے ہوئے پہلو میں بیٹھے ہوئے تبلیغی بھائی کی مسواک نہ پائے جانے پر دَردناک ''ہائے'' نے مولاناؒ کو رَائے ونڈ دیکھنے پر مجبور کیا اور جب آئے دیکھا، بھالا، کہا، سنا تو پھر ہمیشہ کے لیے یہاں کے ہو رہے۔ حتیٰ کہ تدریس و دَعوت میں جان ہی جاں آفریں کے حوالہ کر کے مرکز رَائے ونڈ کے پڑوس میں سو رہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ و مغفرۃ

....

''ایک ہیں حالات اور ایک ہیں احکام، تو اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے احکام کو دیکھ کر چلنا اور حالات سے غیر متأثر ہونے کی بنیاد قائم فرما دی کہ ہمارا کام احکام کو دیکھ کر چلنے کا ہے، حالات کو دیکھ کر چلنے کا نہیں، ہم حالات کے غلام نہیں، حالات مخلوق ہیں، ہم تو اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے غلام ہیں اور فرمایا کہ لشکر روانہ ہو کر رہے گا، چنانچہ لشکر کو روانہ کر دیا۔''

(شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

مولانا محمد جمشید علی خانؒ........

ہمیشہ کے لیے خاموش اَب دِیوانہ ہوتا ہے

مولانا عمر فاروق راشد
کالم نگار ہفت روزہ ضربِ مؤمن کراچی

جن کی محبتیں سب کے لیے تھیں، اَب سب کی اُلفتیں بھی اُن کے لیے ہیں۔ آپ کی وَفات کے بعد جس عظیم خلا کو محسوس کیا جا رہا ہے اور ملک و بیرون ملک کے لوگ آپ سے اِظہارِ عقیدت کو سعادت سمجھ رہے ہیں، یہ اُسی کا مظہر ہے۔

☆

ایک ایسے وَقت میں جب عالمِ اِسلام اَپنی تاریخ کے نازک ترین دور میں دَاخل ہو چکا ہے، وَطنِ عزیز سیاسی اور اَخلاقی بحرانوں کی زد میں، جب کہ عوام وخواص مسلسل ایک بے چینی کی لپیٹ میں ہیں، دَاعی اِسلام اور مشفق اُمت مولانا جمشید علی خانؒ کا اُٹھ جانا غم اور اَفسوس کو اور بھی دو چند کر رہا ہے۔ ایسے وَقت میں جب اِسلام کو علمی اور فکری فتنوں نے کمزور کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رَکھی، مذہب کو من مانے مفاہیم پہنائے جا رہے ہیں اور بطورِ عمومی اہلِ اِسلام اَپنی ذَات کے تئیں اِسلام کی نمایندگی میں ناکام ثابت ہو چکے ہیں، دِین کے عملی اور حقیقی ترجمان تیار کرنے کی محنت کرنے وَالے کا ہم سے رُخصت ہونا اِحساسِ یتیمی کو کچھ اور بھی بڑھا رہا ہے۔ پاکستان کو اِسلام کا قلعہ بنانے اور اُسے اِسلام کی حقیقی مرکزیت عطا کرنے کی تگ و دو کرنے وَالا ایسا شخص جو اِسلام اور اِنسانیت کو ایک دُوسرے کے بہت قریب دیکھتا اور ہر اِنسان کی خیر خواہی کا سوچتا تھا، وَطنِ عزیز سے اُس کی رُخصتی ملک وملت دونوں کے لیے کسی عظیم سانحے سے کم نہیں۔

پہنچے کو ہے تا حد سکوں مجذوب کی شورش
ہمیشہ کے لیے خاموش اَب دِیوانہ ہوتا ہے

حضرت مولانا محمد جمشید علی خانؒ اِنڈیا کے ضلع مظفر نگر کے علاقے اِسلام پورہ (بھیسانی) میں پیدا ہوئے۔ اِبتدائی تعلیم وتربیت حکیم الامت مولانا اَشرف علی تھانویؒ کے ہاں ہوئی۔ اِنتہائی دِینی تعلیم عالمِ اِسلام کے عظیم اِدارے دَارُ العلوم دِیو بند میں

حاصل کی۔ یہاں آپ کا شمار شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خاص شاگردوں میں ہوا۔ اِصلاحِ نفس اور حصولِ تقویٰ کے لیے ممتاز عالمِ دِین اور بزرگ حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ سے اَپنا رُوحانی تعلق جوڑا قیامِ پاکستان کے بعد دَارُالعلوم اِسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں اَپنے پیرومرشد مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ کی ہدایت پر اِبتدائی اَساتذہ میں شامل ہوئے۔ ۱۹۶۶ء میں عالمی تبلیغی جماعت کے مرکز رَائے ونڈ لاہور منتقل ہوئے اور آخری دَم تک وہیں رہے۔ مولانا محمد جمشید علی خانؒ کا شمار تبلیغی جماعت پاکستان کے اَمیر حاجی محمد عبدالوہاب صاحب مدظلہم کے بعد اَہم بزرگ رہنماؤں میں ہوتا تھا۔ آپ تبلیغی مرکز کے مدرسہ عربیہ میں ''شیخ الحدیث'' کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔

۸۵ر سال کی عمر میں آپ، ایسے حال میں دُنیا سے رُخصت ہوئے ہیں کہ پورَا عالمِ اِسلام حزن و ملال کے یکساں جذبات اَپنے دِل میں لیے ہوئے ہے۔ عوام وخواص کو آپ سے تعلق خاطر تھا۔ سبھی طبقے، مسالک اور فرقے اُن سے اَپنائیت کا اِظہار کیے بغیر نہ رہتے۔ جن کی محبتیں سب کے لیے تھیں، اَب سب کی اُلفتیں بھی اُن کے لیے ہیں۔ آپ کی وَفات کے بعد جس عظیم خلا کو محسوس کیا جارہا ہے اور ملک و بیرونِ ملک کے لوگ آپ سے اِظہارِ عقیدت کو سعادَت سمجھ رہے ہیں، یہ اسی کا مظہر ہے۔ مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھا شخص دُنیا کے آخری کنارے میں بسنے وَالے اِنسان کے اِیمان کی کسک اَپنے میں محسوس کرتا تھا۔ اس کے لیے عملی اِقدام کرتے ہوئے وہ دُنیا کے ہر گوشے میں جماعتوں کو رَوانہ کر رہے تھے۔ آج کی شدید شورشوں اور حق و باطل کے صبر آزما معرکوں میں اہلِ حق کی سرپرستی فرمائی اور ہر اہلِ حق کے لیے دُعاگو رہے۔ یقیناً کتابوں کے قبرستانوں میں دَفن اَکابر اُمت کی ایک چلتی پھرتی تصویر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صورَت میں دیکھی جاسکتی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کے اِس فرمان کا آپ یقیناً ایک صحیح ترین مصداق تھے: ''ایک پورے قبیلے کا فوت ہو جانا ایک عالم کی موت کے مقابلے میں ہلکا ہے۔'' **(اتحاف الخیرۃ المھرۃ)** اِسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کا یہ فرمانِ مبارک بھی

آپؒ کی شان پر صادِق آتا ہے: ''ایک صاحب علم شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات دُعائے مغفرت کرتی ہیں، حتیٰ کہ سمندروں کی مچھلیاں بھی۔'' **(التاریخ الکبیر للبخاری)** یقیناً حضرت مولانا جمشید علی صاحبؒ فردوس کے بالاخانوں میں ان محبتوں اور دُعاؤں سے سرشار ہوں گے۔ اِسی مضمون کی ایک اور حدیث پاک ہے: ''خیر کی تعلیم اور تلقین کرنے وَالے کے لیے سمندر کی مچھلیاں بھی دُعائے خیر کرتی ہیں۔'' **(المصنف لإبن أبی شیبہ)** یوں ایسے عظیم صفات اور نبوی اوصاف کے حامل عالمِ دِین کا اُٹھ جانا معاصر حالات میں پورے عالمِ اِسلام کے لیے کچھ نیک شگون نہیں۔

ایسے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وَسلم کا یہ فرمان نظروں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وَسلم نے اِرشاد فرمایا، جسے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ نے نقل فرمایا ہے: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ براہِ رَاست علم کو لوگوں میں سے نہیں اُٹھائے گا، بلکہ جب علم اُٹھانے کا اِرَادہ فرمائے گا تو لوگوں کو علما سے محروم فرمانا شروع کرے گا۔ یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اَپنا سردَار بنالیں گے اور وہ جاہل خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔'' **(سنن الترمذی)** خدا اَپنی اس لاڈلی اُمت پر رحم فرمائے اور اُسے کبھی بھی علم اور علماء سے محروم نہ فرمائے۔ حضرت مولانا جمشید علیؒ کے دم وَاپسیں پہ یہ حدیث ہمیں جھنجوڑنے کے لیے کافی ہونی چاہیے۔

علمائے کرام کے سرخیل، عوام الناس کے محبوب قائد اور عالمِ اِسلام کے عظیم رہنما کی جدائی پہ ہر دِل جس صدمے سے دوچار ہے، اللہ تعالیٰ اُمت کو ایسے سانحات سے بچائے اور اَپنے فضل سے اس خلا کو اَپنی شایانِ شان پُر فرمادے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمہ اللہ کی برکات سے اَب بھی عالمِ اِسلام کو محروم نہ فرمائے۔ اُن کا مشن ''اِسلام سب کے لیے'' سدا سلامت رہے۔ اُن کے نام لیوا اور چاہنے وَالے اُن کی اِتباع میں کوئی دقیقہ فروگذاشت کیے بغیر اِسلام کی سفارت ملکوں ملکوں جاری رَکھیں۔ اللہ اُن کے فیوض کا کوئی ذرّہ ہمیں بھی نصیب فرمادے، آمین!

نمونۂ اسلاف حضرت مولانا جمشید علی خانؒ بھی چلے گئے

مولانا محمد جہان یعقوب

مدیر ہفت روزہ اخبار المدارس کراچی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خانؒ بھی دَاغِ مفارقت دے گئے۔ اِس موقع پر ہم اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر رَاضی رہتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وَسلم کی تعلیم کے مطابق ''فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهٗ مَاأَعطٰی وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِأَجَلٍ مُّسَمًّی ''ہی کہہ سکتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد جمشید علیؒ کی عام پہچان ایک تبلیغی بزرگ اور پاکستان میں تبلیغی جماعت کے راہ نما کے طور پر تھی، لیکن بہت کم لوگ اِس حقیقت سے واقف تھے کہ حضرت مرحوم ایک عظیم علمی نسبت کے بھی حامل تھے اور ایک عظیم الشان رُوحانی نسبت بھی رَکھتے تھے۔ علمی حوالے سے اُن کی اِبتدائی تعلیم وتربیت حکیم الامت مجددُ الملت حضرت مولانا اَشرف علی تھانویؒ کی زیرِسرپرستی ہوئی تھی اور منتہی دَرَجات کی تعلیم کے لیے حضرت مرحوم نے اَزہرِ ہند دَارُ العلوم دِیوبند میں دَاخلہ لیا تھا، وَہاں اُن کے اَساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین اَحمد مدنیؒ جیسی نابغہ روزگار علمی وعملی شخصیات شامل تھیں، جن کے فیضِ صحبت وتربیت نے اُنھیں کندن بنادِیا تھا۔ اُن کا شمار شیخ الاسلام مدنیؒ کے نمایاں شاگردوں میں ہوتا تھا۔ اُس کے ساتھ ساتھ آپؒ ایک عظیم رُوحانی نسبت بھی رَکھتے تھے۔ آپؒ برصغیر کے مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ کے خاص مریدین میں سے تھے۔ آپؒ کا اَپنے شیخ سے تعلق محض ضابطے کا نہیں بلکہ رَابطے کا تھا۔ آپؒ نے حضرت

حکیم الامتؒ و شیخ الاسلامؒ سے یہی سیکھا تھا کہ جب کسی اللہ وَالے کے ہاتھ میں بہ غرضِ اِصلاح اَپنا ہاتھ دے دو تو پھر خود کو مٹادو، اَپنے تمام معاملات اَپنے مرشد کے مشورے سے طے کرو اور اُس کے فرمان پر سرِتسلیم خم کردِیا کرو کہ:

دَانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

سو اُنھوں نے بھی اَپنے آپ کو مکمل طور پر اَپنے شیخ کے سپرد کردِیا تھا۔ قیامِ پاکستان تک اُن کی خدمت میں رہ کر رُوحانیت کے موتی سمیٹے اور پاکستان کے قیام کے بعد اُنھی کے حکم واِرشاد پر دَارُالعلوم اِسلامیہ ٹنڈو الہ یار تشریف لائے۔ یہاں قیام کے دَورَان آپؒ کو شیخ الحدیث نمونۂ اَسلاف حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم کی معیت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ بعد اَزاں آپؒ کا یہاں اُستاد کے طور پر تقرر ہوا۔

آپؒ ۱۹۶۶ء میں یہاں سے مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ تشریف لے گئے اور خود کو تبلیغی کاموں کے لیے وَقف فرمایا، آپؒ کا شمار پاکستان میں تبلیغی جماعت کے صفِ اَوّل کے رَاہ نماؤں اور قطب الاقطاب حضرت حاجی محمد عبد الوہاب مدظلہم کے اِنتہائی قریبی ساتھیوں میں ہوتا تھا۔ تبلیغی سرگرمیوں، بیانات، خروج وَالی جماعتوں سے اَلودَاعی مصافحے وہدایات کے ساتھ ساتھ آپؒ شیخ الحدیث کے منصب جلیل پر بھی فائز تھے اور اَپنے اُستادِ محترم حضرت مدنیؒ کے طرز پر تدرِیس کیا کرتے تھے۔ جس طرح حضرت مدنیؒ نے سیاسی مصروفیات کو تدرِیس حدیث میں آڑے نہ آنے دِیا، اِسی طرح آپؒ نے بھی تبلیغی مصروفیات کو خدمت ودَرسِ حدیث کی رَاہ میں حائل نہ ہونے دِیا اور اَپنے اَکابرو اَسلاف کی طرح ہجوم وعوارِض اور اَمراض کے باوجود اِس شغلِ محمود میں اَپنی زِندگی بسر کی۔ آپؒ کے تلامذہ میں کئی نام وَر شخصیات بھی شامل ہیں، جن میں مبلغ اِسلام حضرت مولانا طارِق جمیل اور دَاعی قرآن حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن شہیدؒ قابلِ ذِکر ہیں۔

۱۹۶۶ء میں تبلیغی جماعت سے آپؒ نے جو تعلق قائم کیا تھا، وہ تادَمِ آخر برقرار رہا۔ لاہور میں دو ہفتے زیرِعلاج رہنے کے بعد جب آپؒ خالقِ حقیقی سے جاملے اور آپؒ کا جسدِ خاکی تبلیغی مرکز رَائے ونڈ لایا گیا تو ہر آنکھ اَشک بار تھی کہ آج تبلیغی جماعت سے

وَابستہ ہر شخص خواہ وہ ذِمّہ دَار ہو یا کارکن، خود کو یتیم محسوس کر رہا تھا کہ اَب ایسی شفیق ہستی کہاں ملے گی، بقولِ شاعر ؎

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں
ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب مرحوم بھارتی ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے تھے، یوں آپؒ نے ماشاء اللہ لمبی عمر پائی۔ ۴۸؍ برس سے آپؒ نے خود کو تبلیغ ودَعوت کی عظیم محنت کے لیے وَقف کر رَکھا تھا۔ آپؒ تو اَپنی خدمات کا صلہ پانے کے لیے رَبِّ شکور کی بارگاہ میں حاضر ہو چکے، جہاں ہر شخص کو حاضر ہونا ہے، یوں بہ ظاہر ہم ایک شفیق ہستی سے محروم ہو گئے، لیکن آپؒ کے صاحب زادے جناب مولانا عبید اللہ خورشید صاحب حفظہ اللہ سمیت آپؒ کے لاکھوں تلامذہ ومریدین تا قیامِ قیامت آپؒ کی حسنات میں اِضافے کا باعث اور آپؒ کے اَنداز پر خلق اللہ کی تربیت کرتے رہیں گے۔

ہم اُن کے لواحقین، اہلِ خانہ وتلامذہ سے دِلی اِظہارِ تعزیت کرتے ہوئے خلاقِ عالم کی بارگاہ میں حضرت مرحوم کے رفعِ دَرَجات کے لیے دُعا گو ہیں، اللہ تعالیٰ اُنہیں اَپنی شانِ عطا کے مطابق بہترین جزا عطا فرمائے۔ آمین۔

”ہر ایک مسلمان اس بات کو پہچانے اور اس بات کو جانے اور اس بات کو معلوم کرے کہ مجھ سے اس حال میں اس وقت اللہ تعالیٰ کیا چاہتے ہیں؟ جب مرد، عورت، بوڑھا، جوان، فقیر، مسکین، بادشاہ، وزیر، بیمار، تندرست جو کوئی بھی ہو اس کے اندر کی ہوک اور اندر کی بھوک اور اندر کی چاہت اور تقاضا یہ ہوگا کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے اور اس کی منشا اور اس کی مرضی کو دیکھ کر چلنا ہے، لہٰذا حالات کچھ بھی ہوں حالات سے اثر نہیں لینا، اللہ رب العزت کیا چاہتے ہیں؟ اللہ رب العزت کی مرضی منشاء کیا ہے؟ بس یہ وقت تو اللہ تعالیٰ کی چاہت مرضی اور منشاء کو دیکھ کر چلنے میں لگ جائے۔“

(شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

تبلیغی جماعت کے عظیم بزرگ

حضرت مولانا جمشید علیؒ کی رحلت

حافظ مومن خان عثمانی
مانسہرہ

قلندر زمانہ، زاہد یگانہ، علم وعمل کا خزانہ، دعوت وتبلیغ کا فرزانہ، استاذ العلماء، مرشد الصلحاء، نمونہ اسلاف حضرت مولانا جمشید علی خان رحمۃ اللہ علیہ بھی رخصت ہوئے۔

آپ کے تلامذہ مشرق ومغرب، شمال وجنوب، عرب وعجم، ایشیاء وعرب ممالک، افریقہ ویورپ، امریکہ وکنیڈا، رُوس وچین، جاپان اور دنیا کے دِیگر ممالک میں دعوت وتبلیغ اور علوم نبویہ کی اِشاعت میں مصروفِ عمل ہیں، جن میں سے ایک شاگرد جس پر عالم اسلام فخر کرتا ہے، دنیائے خطابت کا بے تاج بادشاہ داعیٔ الی اللہ حضرت مولانا طارق جمیل صاحب مدظلہٗ ہیں۔

جب کہ خود حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب مرحوم نے باوجود رائے ونڈ مرکز کی تبلیغی وتدریسی مصروفیات کے پاکستان کے تمام چھوٹے بڑے شہروں سمیت عرب ممالک، افریقہ اور یورپ کے بعض ممالک کے تبلیغی اسفار بھی کیے، مولانا جمشید مرحوم نے ساری زندگی دعوت الی اللہ اور درس وتدریس میں گزاری، آپ سادگی میں اکابر کا نمونہ تھے، حضرت الحاج محمد عبدالوہاب صاحب زید مجدہم فرمایا کرتے تھے کہ ”میں مولانا جمشید صاحب کو (خالصتاً تبلیغی کام کے لیے) رائے ونڈ کے مدرسہ سے اِس لیے الگ نہیں کرنا چاہتا کہ ان میں دو عظیم صفات پائی جاتی ہیں ایک یہ کہ موصوف منکر (غیر شرعی اُمور) کو برداشت نہیں کرتے، دوم یہ کہ ان میں اکابر کی سی سادگی ہے“۔

مولانا جمشید صاحبؒ نے زندگی کا طویل عرصہ رائے ونڈ مرکز میں گزارا، جہاں ہزاروں مخلصین اور خدام آپ کی خدمت کو نعمت عظمیٰ سمجھتے تھے اور ہر قسم کی سہولت فراہم کرسکتے تھے مگر مولانا مرحوم نے ساری زندگی اِنتہائی سادگی میں گزاری اور آخر تک چٹائی کو نہیں چھوڑا، اگر مولاناؒ چاہتے تو ہر قسم کی سہولیات اُن کے قدم چومنے کے لیے ہمہ وَقت تیار رہتی تھیں، علماء کی قدر دَانی اور ان کی خدمت میں حاضری تو تبلیغی جماعت کا ایک اہم وصف ہے مگر مولانا جمشید صاحبؒ اس محاذ میں سب سے آگے تھے، فروری ۱۹۹۸ء کی بات ہے ایک دفعہ حضرت حاجی محمد عبدالوہاب صاحب زید مجدہم اور حضرت مولانا جمشید علی صاحبؒ زکریا مسجد راولپنڈی تشریف لائے تھے۔ فجر کے وقت دونوں حضرات لال مسجد تشریف لائے، اور حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ سے ملاقات کرکے واپس چلے گئے۔ رَاقم الحروف ان دنوں بیرون ملک جماعت کے ساتھ جانے کے لیے ویزہ کے حصول کے سلسلہ میں لال مسجد میں جماعت کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا، میں نے حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ سے ان اکابر کی آمد کے متعلق دریافت کیا تو حضرت مولانا شہیدؒ نے فرمایا کہ ’’ہم نے جامعہ فریدیہ میں دورہ حدیث شریف شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے اس سلسلہ میں میں نے کچھ عرصہ قبل رائے ونڈ مرکز خط لکھا تھا کہ موقوف علیہ پڑھنے کے بعد آپ طلباء کو جامعہ خیر المدارس بھیجتے ہیں تو کچھ طلباء کو ہمارے مدرسہ جامعہ فریدیہ بھی بھیج دِیا کریں تاکہ ان طلباء کی وجہ سے یہاں کے مدارس میں بھی تبلیغی کام کی فضا پیدا ہو اور اس سلسلہ میں مشورہ کرنے کے لیے میں رائے ونڈ آنا چاہتا ہوں۔ جس پر انہوں نے مجھے اِطلاع کی کہ آپ یہاں آنے کی زحمت نہ فرمائیں ہم راولپنڈی آنے والے ہیں تو آپ کے پاس بھی حاضر ہو جائیں گے۔ چنانچہ آج اسی بناء پر دونوں بزرگ یہاں تشریف لائے تھے۔ میں نے پوچھا پھر کیا طے ہوا؟ تو حضرت شہیدؒ نے فرمایا کہ حاجی محمد عبدالوہاب صاحب اور مولانا جمشید صاحب نے فرمایا ہے کہ ہم رائے ونڈ کے مشورے میں یہ بات رکھیں گے۔ جیسے مشورہ میں طے ہوگا ویسے ہی کریں گے۔‘‘

میرے خیال میں اسی سال سے مدرسہ عربیہ رائے ونڈ میں دورہ حدیث کی کلاس

شروع کردی گئی تھی۔ اس سے قبل مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے پڑھے ہوئے طلباء جامعہ رَشیدیہ ساہیوال میں دورۂ حدیث کے لیے بھیجے جاتے تھے، پھر جامعہ خیر المدارس ملتان میں بھیجنے کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحبؒ بڑے جلالی طبیعت کے مالک تھے، تبلیغی رائے ونڈ مرکز میں دورانِ بیان اگر کوئی غلط حرکت کرتا تو حضرت مولاناؒ اسے ٹوک کر بڑے جلالی انداز میں روکتے تھے، ایک دفعہ راقم الحروف حضرت مولانا جمشید صاحبؒ کے ساتھ رائے ونڈ مرکز میں ان کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا ایک عرب مہمان کو لایا گیا جس پر جنات کا اثر تھا مولاناؒ نے اپنے جلالی انداز میں گرجتے ہوئے فرمایا:

’’ھل انت مسلم؟ کیا تم مسلمان ہو، اس نے کہا: جی ہاں میں مسلمان ہوں! مولاناؒ نے فرمایا اما قرأت حدیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں پڑھی کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے؟ تم اس کو کیوں تکلیف پہنچاتے ہو؟ یہ کہہ کر اس کو واپس کردیا اور وہ بالکل تندرست ہوکر وہاں سے چلا گیا‘‘۔

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب نورَ اللہ مرقدہٗ بہت ساری خوبیوں اور کمالات کے مالک تھے کافی عرصہ سے بیمار اور ضعیف تھے مگر اس کے باوجود اپنے مشن میں اِنتہائی لگن کے ساتھ مصروفِ عمل رہے اور وہیل چیئر پر گھوم پھر کر تمام سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے۔ ۳؍نومبر کو مغرب کے بعد انہوں نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کردی ۴؍نومبر ۱۰؍محرم الحرام کو رائے ونڈ اِجتماع کے وسیع وعریض پنڈال میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں تقریباً چار لاکھ افراد شریک ہوئے اور رائے ونڈ کے گورِغریباں میں سپردِ خاک کردئے گئے۔ آپ کا شمار بھی تبلیغی جماعت کے اکابرین میں سے ہوتا تھا انہوں نے بھی اپنی زندگی دعوت وتبلیغ کے لیے وقف کر رکھی تھی، اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے (آمین)

....

مولانا محمد جمشید علی خان صاحبؒ

مولوی انعام اللہ
کراچی

گزشتہ پیر کے روز میرے موبائل پر ایک قریبی ساتھی کا SMS آیا تو مجھے یقین نہیں آرہا تھا خیر ایک دو ساتھیوں کے اور بھی SMS آئے بہر حال دل بہت رنجیدہ ہوا کہ اتنی بڑی شخصیت کا سایہ ہمارے سروں سے اچانک اُٹھ گیا۔ وہ شخصیت مبلغ اسلام، عالم باعمل، خادم حضرت تھانویؒ، نشانی اسلاف، مدرسہ عربیہ (رائے ونڈ) کے شیخ الحدیث، حضرت حاجی محمد عبدالوہاب صاحب دامت برکاتہم کے دست راست حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ساری زندگی علم دین کی خدمت میں گزری بچپن سے لے کر جوانی تک اور جوانی سے بڑھاپے تک اور بڑھاپے سے آخری سانس تک حضرت علیہ رحمۃ اللہ علیہ دین کی اشاعت کے لیے مصروفِ عمل رہے۔

میرے مادرِ علمی جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے استاد الحدیث حضرت مولانا محمد عادل صاحب کے بقول حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحبؒ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خادم بھی رہے تھے۔ اور آپ کے گھر کا کام کاج کرتے تھے، ایک دفعہ مولانا جمشید علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ جب میری عمر۱۴۱/ برس کی ہوئی تو حضرت تھانویؒ کی اہلیہ نے فرمایا کہ جمشید آج کے بعد آپ نے گھر کے اندر نہیں جانا بلکہ کوئی بھی کام ہو تو باہر ہی سے کر کے واپس جانا، حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحبؒ حضرت

تھانوی رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد دارالعلوم دیوبند تعلیم کی غرض سے تشریف لے گئے۔

آپ علیہ الرحمتہ نے حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہ کیا۔ فراغت کے بعد آپ علیہ الرحمتہ نے کچھ عرصہ دارالعلوم ٹنڈو الہ یار میں پڑھایا۔ پھر آپؒ دعوت و تبلیغ کی غرض سے (رائے ونڈ) تشریف لے گئے اور وہیں پر مقیم ہوگئے۔ پھر حاجی محمد عبدالوہاب صاحب مدظلہ نے آپ کو مدرسہ عربیہ (رائے ونڈ) میں اول اول قاعدہ کی کلاس پڑھانے کے لیے دی جس کی خدمات آپ عرصہ تک بخوشی نبھاتے رہے اور اس طرزِ عمل سے آپ کے اخلاص کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ باوجود اتنے بڑے علم کے سمندر اور فکر و عمل کے پیکر ہونے کے آپ نے قاعدہ کی کلاس کو پڑھانا اپنے لئے قابل فخر سمجھا اور اسی سے آپ علیہ الرحمتہ کی عاجزی وانکساری کا اظہار ہوتا ہے۔

پھر کافی عرصہ کے بعد آپ نے مدرسہ عربیہ میں کتابیں پڑھانے کا سلسلہ شروع کیا آپ علیہ الرحمتہ کے ہزاروں شاگرد آج بھی ساری دنیا میں پھیلے ہوئے دین کی ترویج واشاعت کا کام کر رہے ہیں اور ان سب کے کام اور محنت میں آپؒ کا بھی پورا پورا حصہ ہے۔ اور آپ علیہ الرحمتہ اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ''اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ'' کے عین مصداق ہیں۔

سال ۲۰۱۲ء کے اندر شعبان المعظم کی چھٹیوں میں طالب علموں کی تین، چار جماعتیں چلہ کے لیے ہمارے مدرسہ سے تیار ہوئیں جیسا کہ ہر سال سالانہ چھٹیوں میں جماعتیں نکلا کرتی ہیں۔ تو ۲۰۱۲ء میں بندہ بھی اپنے کلاس کے ساتھیوں کے ساتھ ساتھ چلہ کی غرض سے نکلا۔ جب ہماری تشکیل پوری ہوگئی تو واپس کارگزاری سنانے کے لیے رَائے ونڈ آئے تو ۲، ۳ دن وہیں (رائے ونڈ) میں قیام کیا ایک دن بندہ اچانک باہر کوئی سامان لینے کی غرض سے جوتے اٹھائے اور مسجد سے نکل کر برآمدہ میں آیا تو سامنے سے حضرت مرحوم رحمتہ اللہ علیہ کو ایک ساتھی وہیل چیئر پر لا رہے تھے اس سے پہلے میں نے نہ حضرت کو دیکھا تھا اور نہ ہی پہچانتا تھا پھر اچانک آپ کے اردگرد بہت سے لوگ مصافحہ کی غرض سے جمع ہونے لگے اور بندہ بھی مصافحہ کی غرض سے آگے بڑھنے لگا اور

مجھے میرے ساتھی نے بتایا کہ یہ حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب ہیں۔

میں نے مصافحہ کیا تو ایک عجیب سکون سا محسوس کرنے لگا اور پھر بندہ کچھ دیر آپ مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے پیچھے چلتا رہا اور دل نہیں کر رہا تھا آپؒ سے جدا ہونے کو۔ وہ چمک دار چہرہ آج بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے جس چہرہ سے نماز تہجد ذکر و اذکار کے آثار نمایاں طور پر نظر آرہے تھے۔ حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہم سب کیلئے بلکہ پوری امت مسلمہ کے لیے غم کا باعث ہے۔

اللہ سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالی آپؒ کو جنت میں اعلی درجات سے نوازے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اللہ تعالی ہم سب کو آپ علیہ رحمتہ کی طرح اپنا سب کچھ اس دین کے لیے قربان کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

''میرے بھائیو! دوستو! مجھے اور آپ کو اور قیامت تک کی نسلوں کو اس پر آنا اس پر لانا اس کی محنت کرنا اور اس کی محنت پر دوسروں کو آمادہ کرنا تا کہ ہر گھر میں ہر قبیلے، خاندان میں ہر قوم میں ہر ملک میں ہر علاقے میں ہر حال میں ایک ایک مسلمان کا ذہن میں یہ یقین بن جائے کہ ہمارے ساتھ کیسے بھی حادثات پیش آجائیں، یہ ہمارا موضوع ہی نہیں، اس پر ہمیں سوچنا ہی نہیں، اس کا یقین ہمیں ہو کہ ہم ہر موقع ہر حال کے اللہ کے حکم کو دیکھ کر چلیں گے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلیں گے، اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہے۔''

(شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

مولانا محمد جمشید علی خانؒ ایک عہد ساز شخصیت

مولانا مجیب الرحمٰن انقلابی

جامعہ اشرفیہ لاہور

تبلیغی جماعت پاکستان کے نائب امیر، ملک کے ممتاز و بزرگ عالم دین اور مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خانؒ گزشتہ دنوں لاہور میں مختصر علالت کے بعد اس دار فانی کو الوداع کہہ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ گزشتہ دنوں آپ کی وفات سے عالمِ اسلام ایک نام وَر علمی و اصلاحی شخصیت سے محروم ہوگیا۔ آپؒ کی وفات کی خبر پوری دنیا بالخصوص پاکستان میں انتہائی دُکھ اور افسوس کے ساتھ سنی گئی۔ آپ کی عمر ۸۶؍برس کے لگ بھگ تھی۔

۱۹۵۲ء میں آپ ہندوستان سے نقل مکانی کر کے پاکستان تشریف لے آئے۔ دارالعلوم ٹنڈو الہ یار میں تدریس شروع کی۔ یہاں ۱۲؍سال کی تدریس کے دوران آپ کے علم و فضل کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ آپ کی شخصیت عالم اسلام میں انتہائی قابل احترام تھی، آپ کے شاگرد و عقیدت مند پوری دنیا میں موجود ہیں، آپ کی تمام زندگی دعوت و تبلیغ، اِشاعت دین، درس و تدریس اور قَالَ اللّٰہ وَقَالَ الرَّسُوْل کی صدائیں لگاتے گزری، آپ فقر و استغنا کی عملی تصویر، علم و عمل کے پیکر اور اسلاف و اکابر کی جیتی جاگتی تصویر تھے......... ہمیشہ سادہ کپڑے پہنتے تھے وہ بھی کھدر کے ایک دو جوڑے سے زیادہ آپ کپڑے نہیں رکھتے تھے........... آپ کا کمرہ بیک وقت آپ کی رہائش، لائبریری اور مہمان خانہ کا کام بھی دیتا تھا۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے صحبت یافتہ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خاص شاگرد ہونے کی وجہ سے آپؒ کی شخصیت حسین علمی و اصلاحی امتزاج رکھتی تھی، آپ تبلیغی جماعت

پاکستان کے امیر حاجی محمد عبدالوہاب دامت برکاتہم کے معتمد خاص تھے، تبلیغی جماعت کی مجلس شوریٰ میں آپ کی رائے اور مشوروں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، جہاں آپ نے اپنی زندگی کے ۵۰ سال تبلیغی مرکز رائے ونڈ کے مدرسہ عربیہ میں استاذ اور پھر شیخ الحدیث کی حیثیت سے گذارے، وہاں تبلیغی مرکز رائے ونڈ کی جدید تعمیر و ترقی میں بھی آپ کی کوشش و محنت کا بہت بڑا حصہ ہے، آپ عالم اسلام کی عظیم دینی یونیورسٹی ''دارالعلوم دیوبند'' ہندوستان کے فاضل و تعلیم یافتہ تھے جس کی وجہ سے آپ ایک کامیاب مدرس، عالم باعمل اور عظیم مبلغ و مصلح تھے، یورپ و افریقہ اور بالخصوص عرب ممالک کے کئی تبلیغی سفر کیے، جس کی وجہ سے عرب ممالک میں بھی آپ کو بہت زیادہ محبوبیت و مقبولیت حاصل ہوئی، مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے ساتھ ساتھ جامعہ اشرفیہ لاہور سمیت ملک کے دِیگر دینی مدارس کی بھی سرپرستی فرماتے۔ جامعہ اشرفیہ لاہور میں بیانات کے علاوہ جامعہ اشرفیہ کے مہتمم مولانا محمد عبیداللہ اشرفی مدظلہٗ، نائب مہتمم مولانا فضل الرحیم اشرفی مدظلہٗ کے ساتھ محبت و عقیدت کا گہرا تعلق تھا جس کے نتیجہ میں جامعہ اشرفیہ لاہور کے اساتذہ و طلباء بہت بڑی تعداد میں چلہ، چار مہینوں اور سال کے لیے تبلیغی جماعت میں ملک و بیرون ملک دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔

اللہ رب العزت نے حضرت مولانا محمد جمشید علی خان رحمہ اللہ کو تڑپنے والے دل، برسنے والی آنکھ اور پرتاثیر زبان و بیان اور عقیدت و محبت سے خوب نوازا تھا۔

ایک بار دینی مدارس و مراکز کے گرد گھیرا تنگ کیا جارہا تھا۔ جگہ جگہ پوچھ گچھ کی جارہی تھی۔ ایک تفتیشی افسر رائے ونڈ مرکز بھی آیا۔ اسے حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ افسر نے کھڑے کھڑے کچھ سوالات کردیے اور پوچھا: ''آپ کا تعلق کس فرقہ سے ہے؟'' حضرت نے بے ساختہ کہا: ''ہم ہیں سب کے، سب ہیں ہمارے۔'' وہ افسر دم بخود رہ گیا۔ یہ کہتے ہوئے واپس گیا کہ ایسا سچا اور اچھا جواب میں نے کہیں سے نہیں سنا۔

حضرت مولانا محمد جمشیدؒ کی دعائیں اکثر قبول ہوتی تھیں۔ اس لیے مستجاب

الدعوات مشہور تھے۔ حضرت مولاناؒ کی دعائیں قبول ہونے کے واقعات بکثرت ہیں۔

مولانا جمشیدؒ علمی لحاظ سے بہت بلند مقام پر تھے۔ رائے ونڈ کی درس گاہ میں ان کا دورِ تدریس کئی عشروں پر محیط ہے۔ ان کے ہزاروں شاگرد ہیں جن میں مولانا طارق جمیل جیسے عالمی شہرت یافتہ مبلغ بھی شامل ہیں۔ ان کے تلامذہ کہتے ہیں کہ وہ مشکل سے مشکل احادیث کے مطالب کو بہت جامع و مانع الفاظ میں بیان فرمادیا کرتے تھے۔

حضرتؒ رائے ونڈ شوریٰ کے مرکزی رکن تھے۔ نہایت مردم شناس تھے۔ وہ اس حدیث کا مصداق تھے: ترجمہ: ''مؤمن کی فراست سے ڈرتے رہو کہ وہ اللہ کی دی ہوئی روشنی سے دیکھتا ہے۔'' (مشکوٰۃ)۔

مجدد تبلیغ حضرت مولانا محمد اِلیاس کاندھلویؒ کے دعوت و تبلیغ کے اس عظیم مشن کے ساتھ وابستہ ہونے کے بعد مرنے تک اسی کے ساتھ وابستہ رہے۔ حضرت مولانا محمد جمشید علی خان مرحوم دعوت و تبلیغ کے عظیم رہنما و سحر انگیز مقرر حضرت مولانا محمد عمر پالن پوری صاحبؒ کے اس مشہور مقولہ کے عملی مصداق و تصویر تھے کہ ''دعوت و تبلیغ والے کام کو کرتے کرتے مرنا ہے اور مرتے مرتے کرنا ہے'' دعوت و تبلیغ اور درس و تدریس ہی آپ کا مقصد حیات رہا، آپ کے ایمان افروز بیانات نے جہاں ہزاروں نوجوانوں کی زندگیوں کو بدلتے ہوئے ان کے ایمان کی حفاظت کی وہاں آپ سے علمی و روحانی فیض حاصل کرنے والے لاکھوں افراد پوری دنیا میں ہدایت کی شمعیں روشن کرنے اور دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دینے میں مصروفِ عمل ہیں آخر کار ''دعوت و تبلیغ اور رشد و ہدایت کا یہ سورج'' ۳؍نومبر ۲۰۱۴ء کو مختصر علالت کے بعد لاہور میں غروب ہوگیا آپ کی نماز جنازہ آپ کے بیٹے اور جانشین مولانا عبیداللہ خورشید نے تبلیغی اِجتماع پنڈال میں پڑھائی، جس میں جامعہ اشرفیہ لاہور کے علماء و اساتذہ سمیت لاکھوں افراد نے شرکت کی بعد میں مرحوم کو مرکز کے قریب رائے ونڈ کے قبرستان میں سپرد خاک کردیا گیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

....

ہم رب کے، رب ہمارے

حافظ سید عبدالناصر، کراچی

ہماری یونیورسٹی کے دورِ طالب علمی کا زمانہ تھا جب پہلی بار ہماری مسجد کے احباب یونیورسٹی کی تعطیلات میں تبلیغ میں وقت لگانے کے لیے رائے ونڈ لے کر گئے۔ اس زمانے میں رائے ونڈ میں عشاء کی نماز اور تعلیم سے بالعموم رات بارہ (۱۲) بجے کے آس پاس ہی فراغت ہوا کرتی تھی۔ گو کہ اکثر جماعتیں صرف ایک یا دو یوم تشکیل، کارگزاری یا واپسی کی بات کے لیے رائے ونڈ مرکز ٹھہرتی تھیں مگر پھر بھی مرکز میں ہر وقت ایک جمِ غفیر ہی رہتا تھا جو کہ خاص کر موسمِ گرما کی تعطیلات کے زمانے میں دوچند ہو جایا کرتا تھا اور بحمدہٖ تعالیٰ اب بھی ایسا ہی معمول ہے۔ گرمی کا بھی خوب زور ہوا کرتا تھا اس لیے عشاء کی تعلیم کے معاً بعد اکثر مجمع مرکز کے قدیم سائبان کی چھت پر آرام کی جگہ ڈھونڈنے کی تگ ودو میں مصروف نظر آتا تھا۔ مرکز کی پرانی تعمیر میں حضرت حاجی محمد عبد الوہاب صاحب دامت برکاتہم و اطال اللہ بقاءہٗ کے کمرے اور شمالی سائبان کی درمیانی راہ داری سے ایک سیڑھی تھی جو چھت پر جانے کے لیے استعمال ہوا کرتی تھی۔ اپنی رائے ونڈ آمد کی پہلی ہی رات ہم ساتھی آرام کی غرض سے ان ہی سیڑھیوں سے چھت پر پہنچے تو شمالی سائبان کی چھت کی بالکل اگلی طرف بان کی بنی ہوئی چارپائی پر ایک بزرگ لنگی زیب تن کیے ہوئے استراحت فرما تھے اور کچھ طلباء ان کی ٹانگیں دبانے میں مصروف تھے۔ ہمیں اور ہمارے دِیگر ساتھیوں کو بھی ان بزرگ کی خدمت کا اِشتیاق ہوا اور اس موقع کو غنیمت جان کر ہم نے ان طلباء سے درخواست کی کہ ہم بھی خدمت کی سعادت سے سرفراز ہونا چاہتے ہیں۔ ان طلباء نے مختصر سے مذاکرے کے بعد ہم سب کو باری باری خدمت کا موقع دیا۔ پاؤں دبانے کے دوران ہی ہم نے مشاہدہ کیا کہ یہ بزرگ زیرِ لب آخری تین قل تلاوت فرما رہے ہیں۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد انہوں نے

مسنون طریقے سے اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونک مار کے اپنے ہاتھوں کو سارے جسم پر پھیر لیا اور چارپائی کے پاس کھڑے لوگوں کو جانے کا اشارہ فرما دیا۔ حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب نورَ اللہ مرقدہٗ سے یہ میری پہلی ملاقات یا تعارُف تھا۔ پہلی ہی ملاقات میں مولاناؒ انتہائی مشفق، سادگی و عجز کا پیکر معلوم ہوئے۔ پھر بحمدہٖ تعالیٰ تبلیغ میں وقت لگاتے لگاتے آپ سے گاہے گاہے اِستفادے کے مواقع میسر آتے رہے۔

مولانا جمشید رحمہ اللہ کی باتیں اور بیانات انتہائی سادہ اور عام فہم ہوا کرتے تھے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ حضرتؒ نے اپنے علمی تبحر و عمق، اوصاف و کمالات کے اوپر اپنی سادگی اور انکساری کا پردہ ڈال رکھا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پرانوں کے جوڑ میں ایک مرتبہ آپ نے قرآنِ کریم کی آیت (قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی) پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی شان اور ہدایت کو ایسا کھولا اور ایسی ایسی مثالیں دیں کہ سارا مجمع دنگ رہ گیا۔ بلا مبالغہ کئی روز تک آپ کی بات کا اثر دل میں محسوس ہوتا رہا اور ذہن آپ کی علمی نکتہ دانیوں سے سیر رہا۔ چھوٹی عمر سے مجھے تاریخ کی کتابیں پڑھنے کا شوق رہا ہے۔ تاریخِ اسلام پر کئی کئی مصنفین کی کتابیں پڑھیں۔ تاریخ کے طالبِ علم خوب جانتے ہیں کہ مشاجراتِ صحابہؓ کتنا عجیب موضوع ہے کہ جگہ جگہ دل پارہ پارہ ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی غیبی نصرت اور مدد کے بل بوتے پر مسلمانوں کی تحیر انگیز کامیابیوں کے واقعات پڑھتے پڑھتے یک دَم خونچکاں داستانیں شروع ہو جاتی ہیں۔ الحمد للہ علماء کے بیانات اور تصنیفات کے مطالعہ کی برکت سے کبھی کسی ہستی کے بارے میں قلب غبار آلود نہیں ہوا، البتہ یہ خیال ضرور دل میں آ جاتا تھا کہ کاش ایسا نہ ہوا ہوتا۔ یہ بات تو جانتا تھا کہ دونوں طرف کے حضرات ان شاء اللہ عند اللہ ماجور ہیں کہ مجتہد کی غلطی پر بھی ایک اجر ہے اور اجتہاد صحیح ہو تو دگنا اجر ہے۔ لیکن کبھی یہ اشکال پیدا ہوتا تھا کہ مسلمانوں کی جانوں کی حفاظت اور باہمی اتفاق کی خاطر کسی ایک طرف سے اپنے قیاس کو قربان کرنا کیا زیادہ مفید نہ ہوتا؟ اعتدال پسند مؤرخین اور علماء محققین نے صفحات کے صفحات بلکہ کتابیں تک اس بات کی وضاحت میں تحریر فرمائیں لیکن مولاناؒ کا

کہا ہوا ایک جملہ میرے سارے گزشتہ اشکالات بلکہ آئندہ کے بھی کسی ایسے اشکال کا ان شاء اللہ شافی جواب بن گیا کہ ”صحابہ کی زندگی سراسر دین ہے اور دِین کو پرکھنے کا معیار تاریخ نہیں بلکہ قرآن اور حدیث ہے۔“ (وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی)

فرماتے تھے کہ خلافت کا مطلب حکومت نہیں۔ اگر خلافت سے مراد صرف حکومت و سلطنت ہی ہوتی تو اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق پر یہ نہ فرماتے ”اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً “۔ اس وقت خلیفہ بنانے کا کیا معنی جب کہ دوسرا انسان تو دنیا میں کوئی موجود ہی نہیں پھر حکومت کس پر کی جائے گی؟

آپ کی علوشان اور رفعت علمی و روحانی کا اندازہ لگانے کے لیے یہی کافی ہے کہ جس ہستی کا بچپن حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے گھر گزرا ہو اور پھر حضرت مدنی رحمہ اللہ سے تلمذ کی سعادت جسے نصیب ہو، ساری زندگی جید تبلیغی علماء واکابرین کے ہمرکابی میں طے ہوئی ہو، اپنا سارا جان، مال، وقت اور اولاد اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قیمتی امانت سمجھتے ہوئے احیائے دین کی محنت میں صرف کردی ہو، نامی گرامی علمائے کرام نے آپ سے قرآن حدیث کا علم حاصل کیا ہو اور پھر مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے شیخ الحدیث کے منصب پر ایک عرصے تک فائز رہے ہوں۔ ایسی شخصیت کے کیا کہنے! اس سب کے باوجود مجمع کی تربیت کے لیے فرمایا کرتے تھے کہ ’ہم سیکھنے والے نہیں ہیں بلکہ سیکھ تڑ ہیں (یعنی وہ سیکھنے والا جو سیکھنے میں بھی نکما ہو)‘۔ آپ کا بیان اس ہی طرح کے ہم قافیہ اور ضرب المثل جملوں سے پُر ہوتا تھا لیکن اس میں تصنع اور بناوٹ کا دور دور تک شائبہ بھی نہ ہوتا تھا۔ آپ کا یہ کہنا کہ ”ہم سب کے سب ہمارے، ہم رب کے رب ہمارے“ گویا ایک تبلیغی ضرب المثل بن چکا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ عاجزی اور فروتنی کا قابلِ رشک نمونہ تھے۔ ایسا بارہا دیکھا کی مولاناؒ منبر پر بیان فرما رہے ہیں اور حضرت حاجی محمد عبدالوہاب صاحب دامت برکاتہم مجمع میں تشریف لے آئے اور مولاناؒ جھٹ منبر سے نیچے اُتر کے بیٹھ گئے اور حضرت حاجی صاحب دامت برکاتہم کے لیے منبر پیش کردیا۔ آپ کے بیٹھنے کی کیفیت میں اس قدر اِنکساری معلوم ہوتی تھی گویا کس مدرسے کا نوآموز طالب علم اپنی

مادرِ علمی کے سب سے بڑے استاد کے سامنے بیٹھا ہو۔ اَمیر کی اِطاعت اور تابع رہنے کا صرف درس ہی نہیں دیا بلکہ اس کی بہترین عملی صورت بنا کر دکھائی۔ ایک بار ہم تشکیل سے واپسی پر رائے ونڈ پہنچے۔ فجر سے ذرا پہلے کا وقت تھا۔ ہماری جماعت کے ساتھی آگے کی صفوں میں ہی بیٹھ گئے۔ قریب ہی مولاناؒ تشریف فرما تھے۔ فجر کی نماز اور مختصر ذکر کے بعد مولاناؒ تشریف لے جانے لگے تو حاجی صاحب مدظلہم فجر کا بیان کرنے کے لیے منبر پر جلوہ افروز ہو چکے تھے۔ سارا مجمع اس وقت بیان سننے کے لیے آگے کی طرف آچکا تھا اور سب ہی یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ حاجی عبدالوہاب صاحب نے مولاناؒ سے کچھ مختصر بات فرمائی ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا کسی بات پر تنبیہ فرما رہے ہوں۔ مولانا سر جھکا کرادب سے بات سنتے رہے آخر میں حاجی عبدالوہاب صاحب نے مولاناؒ کے کاندھے پر ہلکی سی چپت بھی رسید فرمائی لیکن مجال ہے کہ مولاناؒ کے چہرے پر ہلکا سا تغیر بھی آیا ہو پورے ادب سے بات سنی اور اُسی طرح ادب سے گردن جھکا کر چل دیئے۔ مولانا رحمہ اللہ اس وقت بھی مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے شیخ الحدیث تھے۔ اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنے کا جذبہ ایسی ہی ہستیوں کی صحبت کی برکت سے نصیب ہوا کرتا ہے۔

پندرہ سال قبل کی بات ہے ہم نے سنا کہ مولانا ظاہر شاہ صاحب اور مولانا جمشید صاحب رحمہما اللہ پھل نوش نہیں فرماتے۔ یہ ان حضرات رحمہما اللہ کی غایت تقویٰ کی انمول مثال تھی کہ چونکہ اکثر اوقات زمیں دار حضرات پھل کے باغوں کی بیع پھل کے آنے سے پہلے ہی کر دیتے ہیں تو گویا بالکل اوّل سے ہی اس پھل کی بیع فاسد ہونے کا قوی احتمال ہے، اِس لیے پھلوں سے بالکلیہ اجتناب فرماتے۔ مولانا طارق جمیل صاحب تو اکثر اپنے بیانات میں آپ کے ورع و تقویٰ کی مثال دیتے ہوئے اپنا واقعہ سناتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اپنے باغ سے شہد اتروا کے اپنے استاد مولانا جمشید صاحب کی خدمت میں لے کر گیا تو حضرتؒ نے پوچھا کہاں سے لائے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ اپنے باغ سے لایا ہوں تو اگلا سوال یہ کیا کہ تیرے باپ نے وراثت میں اپنی بہنوں کو حصہ دیا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ میرے والد صاحب کی کوئی بہن ہی نہیں تھی تو مولانا

جمشید صاحب نے پوچھا کہ اچھا پھر تیرے دادا نے اپنی بہنوں کو وراثت میں حصہ دیا تھا؟ اس پر میں نے کہا کہ حضرت ان کا انتقال تو میرے پیدا ہونے سے پہلے ہی ہو گیا تھا تو جو چیز مجھ سے پہلے ہو چکی اس کا سوال تو مجھ سے نہ کریں۔ اس پر مولانا جمشید صاحبؒ نے فرمایا کہ اچھا رکھ دو۔

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمہ اللہ بذاتِ خود بھی انتہائی فکر، دل جمعی، لگن اور دل سوزی کے ساتھ دعوت کی محنت میں لگے ہوئے تھے اور مجمع کو بھی اس کی خوب ترغیب دیا کرتے تھے کہ بھائی جب فکر سے اعمال کرو گے اور سنتوں کا اہتمام کرو گے تو لوگوں کے دل خود بخود تمہاری طرف کھنچیں گے اور اللہ کی غیبی مدد متوجہ ہو گی۔ پھر کبھی اپنا تبلیغ کی محنت میں جڑنے کا واقعہ سناتے کہ ہماری مسجد میں میواتیوں کی ایک جماعت آئی۔ نماز کے لیے جب ان میں سے ایک میواتی وضو کرنے بیٹھا اور اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ ہم نے پوچھا بھائی کیا بات ہوئی تمہاری کیا قیمتی چیز گم ہو گئی؟ تو اس ساتھی نے کہا کہ میری مسواک گر گئی۔ تو ہم نے کہا کہ اس میں اتنا غم کرنے والی کیا بات ہے، آنے دو آنے کی مسواک ہے نماز کے بعد ہم دلا دیں گے۔ اس میواتی نے کہا کہ مسواک تو مل جائے گی لیکن ستر درجے والی نماز کا اجر تو رہ جائے گا۔ (حدیث شریف میں ہے کہ جو نماز مسواک سے پڑھی جائے وہ اس نماز سے جو بغیر مسواک کے پڑھ لی جائے، ستر درجہ افضل ہے)۔ حضرت مولاناؒ فرماتے تھے کہ اس میواتی کی اس فکر کا میرے دل پر بڑا اثر ہوا کہ ہم تو قرآن حدیث پڑھتے پڑھاتے ہیں لیکن اعمال کا اتنا شوق پھر بھی ہمارے اندر موجود نہیں۔ پس اعمال کا یہ جذبہ، سنت کی اہمیت اور اہتمام دیکھ کر میرے دل میں اس محنت کی عظمت رچ بس گئی۔

۲۰۰۷ء کے پرانوں کے جوڑ میں دوسرے دن بعد نمازِ عصر حضرت مولاناؒ کا بیان چل رہا تھا کہ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ نے دورانِ بیان ہی فرمایا کہ بتاؤ بھائی کسان بارش میں اپنا کام کرتا رہتا ہے کہ چھوڑ دیتا ہے؟ دکان دار بارش میں دکان بند نہیں کرتا، کارخانے والا اپنا کارخانہ بھی چلاتا رہتا ہے غرض دنیا کا ہر کام

کرنے والا بارش سے متاثر ہو کر اپنا کام نہیں چھوڑتا تو بھائی ہم کیوں بارش سے گھبرا کر اپنا کام چھوڑ دیں؟ ایک بار بیان میں یہ قصہ سنایا کہ ہمارے علاقے (ٹنڈو الہ یار) کا ایک آدمی چار مہینے لگانے آیا۔ تین چلوں میں اس کا زادِ سفر جو ساتھ لایا تھا وہ سارا ختم ہو گیا۔ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ حضرتؒ میرے پاس واپسی جانے کا کرایہ نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ پھر کیا ہوا؟ اللہ پر بھروسہ کرو اور پیدل چلے جاؤ (رائے ونڈ سے ٹنڈو الہ یار کا فاصلہ ایک ہزار کلومیٹر کے لگ بھگ بنتا ہے)۔ کہنے لگے کہ اس اللہ کے بندے نے بھی ٹھان لی اور اپنا بستر اور سامان لے کر پیدل چل پڑا۔ کچھ عرصہ بعد جب ہم اپنے علاقے گئے تو وہ آدمی مجھے ملا۔ میں نے اس سے کارگزاری دریافت کی تو اس نے بتایا کہ آپ کی ہدایت کے مطابق میں سامان سمیت پیدل نکل پڑا۔ ابھی میں مانگا منڈی تک ہی پہنچا تھا کہ ایک ٹرک والے نے ٹرک روک کر مجھ سے پوچھا کہ کہاں جاؤ گے؟ میں نے اپنے علاقے کا بتایا تو انہوں نے کہا کہ ہم بھی وہیں جا رہے ہیں ہمارے ساتھ ٹرک پر آجاؤ۔ میں نے انکار کر دیا اور کہا کہ بزرگوں نے پا پیادہ جانے کا کہا ہے۔ ان لوگوں کے اصرار پر بھی میں برابر انکار ہی کرتا رہا یہاں تک کہ انہوں نے زبردستی اٹھا کر مجھے ٹرک میں بٹھایا اور سارے راستے میرا اکرام کرتے رہے اور پھر علاقے کے قریب لا کر اتارا۔ یہ واقعہ سنا کر مولانا رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ کر کے عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی ضرور بضرور اس کی مدد فرماتے ہیں۔

آپ رحمہ اللہ سادگی کے مثالی پیکر تھے۔ مجسم اخلاق، حد درجہ پاک باطن اور نیک طینت۔ اعلیٰ درجے کی روحانیت کے باوجود انتہائی خاکسار اور علم وفضل کے باوجود ملنسار تھے۔ ایک جید عالم دین اور مقتدا ہونے کے باوجود جو بات آپ کو معلوم نہ ہوتی انتہائی معصومانہ سادگی سے بے تکلف دریافت فرما لیتے تھے۔ ۲۰۰۳ء کے کراچی کے علاقائی جوڑ میں جناب الحاج بھائی واصف منظور صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جناب ڈاکٹر امجد صاحب، جناب ڈاکٹر بلند اقبال صاحب اور دیگر احباب کراچی کے کام کی کارگزاری سنا رہے تھے۔ کارگزاری لینے والوں میں من جملہ اور اکابرینِ رائے ونڈ کے حضرت

مولانا جمشید علی خان صاحب رحمتہ اللہ علیہ بھی شامل تھے۔ کارگزاری میں بتایا گیا کہ کراچی میں آئل ٹینکر ڈرائیورز کی بڑی کثرت ہے اور یہ سارے ملک میں آئل ٹینکرز کے ذریعے پٹرول سپلائی کرتے ہیں اور ہم اس طبقے پر محنت کر رہے ہیں۔ مولاناؒ نے انتہائی سادگی سے پوچھا کہ کراچی میں اتنا پیٹرول کہاں سے آتا ہے جو سارے ملک میں جاتا ہے۔ بھائی واصف منظور صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بندرگاہ سے آتا ہے۔ تو مولاناؒ نے اس ہی معصومیت آمیز سادگی سے پوچھا کہ پورٹ پر پیٹرول کیسے آتا ہے؟ جس پر دیگر احباب نے بتایا کہ سمندر کے راستے بحری جہازوں کے ذریعے عرب ممالک سے پیٹرول آتا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا ''بہت اچھا''۔ اسی طرح ایک بار رائے ونڈ مرکز کے روزانہ مشورے میں ۱۵ یوم مستورات بمع محرم والی جماعتوں کا تفقد ہو رہا تھا، تقریباً ہر جماعت میں ہی ایسے احباب تھے جو اپنی والدہ یا ہمشیرہ کے ہمراہ محرم بن کر آئے تھے۔ حضرت فرماتے رہے کہ بھائی اصل تو یہ ہے کہ میاں بیوی ساتھ جماعت میں جائیں لیکن پھر اجازت بھی مرحمت فرما دیتے۔ اسی طرح کی ایک جماعت کے ساتھی سے پوچھا کہ آپ اپنی اہلیہ کو کیوں نہ لائے؟ تو ان صاحب نے بتایا کہ میرا بچہ شیر خوار ہے۔ مولاناؒ نے برجستہ فرمایا کہ ہم نے تو سنا ہے کہ آج کل چھوٹے بچوں کو بوتل لگا دیتے ہیں، جس سے اُن کی دودھ کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ پھر ساتھیوں سے انتہائی سادگی سے پوچھا کہ اس بوتل کو کیا کہتے ہیں تو پاس والوں نے بتایا کہ اس کو فیڈر کہتے ہیں۔ حضرتؒ کی اس بات اور انداز پر سارے ہی حاضرینِ مجلس خوب محظوظ ہوئے۔ پھر آپ نے اس ساتھی کو جماعت میں جانے کی اِجازت عطا فرما دی۔

آپ انتہائی شفیق اور کریم النفس تھے۔ یہ بات تو بارہا سنی کی آپ نے خدمت گاروں کو یہ ہدایت دی ہوئی تھی کہ اگر میں آرام بھی کر رہا ہوں اور اگر کسی بھی آدمی کو مجھ سے کوئی کام یا ضرورت پیش آجائے تو مجھے اُٹھانے میں ذرا بھی تأمل نہ کرنا۔ ایک بار اس عاجز نے خود دیکھا کہ رائے ونڈ کے روزانہ مشورے میں حضرت حاجی محمد عبد الوہاب صاحب دامت برکاتہم مشورے والوں پر خفا ہو رہے ہیں کہ وقت لگانے والوں

کی جیسی تربیت ہونی چاہیے اور ان کے جو جذبات مطلوب ہیں وہ نہیں بن رہے اور ساتھ ہی کچھ ذاتی مشاہدے ارشاد فرمائے (جو یقیناً حاجی صاحب کے اس جذبے کا عکاس تھے کہ اس مجمع کو بعینہٖ قرنِ اوّل والی نہج پر ہونا چاہئے اور صفات کا مطلوبہ معیار بھی وہی ہے) اور مولانا جمشید صاحب رحمہ اللہ برابر مشورے والوں کی کوششیں بیان فرماتے رہے اور یہ عرض کرتے رہے کہ ان ساتھیوں کی ہمت افزائی کرنی چاہئے اور یہ کہ یہ احباب اپنی طرف سے کوشش میں کوئی کمی نہیں کرتے ایسے کئی واقعات ہیں کہ حکومتی سطح کے لوگ جو بظاہر تفتیش کی غرض سے مرکز میں آئے ان کو آپ نے اپنی نرمی، کمالِ حکمت، حلم اور تعلق مع اللہ کی بدولت انتہائی مطمئن اور تبلیغ سے مانوس کر کے واپس کیا۔

۹ محرم ۱۴۳۶ھ (بمطابق ۳ نومبر ۲۰۱۴ء) کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور رائے ونڈ مرکز سے متصل قبرستان جو کئی تبلیغی اکابرین اور بے شمار ایسے لوگوں کا ابدی مسکن ہے جنہوں نے اللہ کے راستے میں جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔

چپہ چپہ پر ہے واں گوہرِ یکتا تہ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

علماء کرام سے بارہا عربی کے مختلف الفاظ اور تراکیب کے بارے میں سنا کہ دنیا کی کوئی زبان ان الفاظ یا تراکیب کے مفہوم یا کیفیت کو کماحقہ بیان نہیں کر سکتے اسی طرح یہ بات بلا مبالغہ کہی جاسکتی ہے کہ اردو زبان میں ''فرشتہ صفت'' کی تعبیر جیسے مولاناؒ پر پوری اترتی ہے الفاظ اس کو بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ آپ ہمیشہ اپنا بیان اور ہدایت قرآن پاک کی آیت ''وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا'' (جو لوگ ہماری راہ میں کوششیں کرتے ہیں ہم ان کے لیے ہدایت کی شاہ راہیں کھول دیتے ہیں) سے شروع فرمایا کرتے تھے۔ اب آپ عالمِ ابد میں اپنے رب کے حضور حاضر ہیں لیکن ہمارے کان آپ کی زبانِ مجاز سے آپ کو اسی آیت کی تصدیق کرتے ہوئے سنتے ہیں۔

....

مبلغ اسلام شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خانؒ

حافظ سیّد محمد اکبر شاہ بخاری

عالمی تبلیغی مرکز رائے ونڈ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خانؒ ۹ رمحرم الحرام ۱۴۳۶ھ مطابق ۳ رنومبر ۲۰۱۴ء شب عاشورہ اس دارالفناء سے دارالبقاء کی طرف رحلت فرما گئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

عالم اسلام اپنے عظیم مبلغ اسلام سے محروم ہو گیا، بالخصوص دعوت وتبلیغ کے حلقے اپنے عظیم رہنما کی جدائی سے انتہائی رنجیدہ اور افسردہ ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ درجاتِ عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد جمشید علی خانؒ نے ابتدائی تعلیم مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان شیروانیؒ کے مدرسہ عربیہ میں حاصل کی، حضرت مسیح الامتؒ کی شفقت ومحبت نے آپ کو چار چاند لگا دیے اور بڑی محبت سے تعلیم وتربیت کی یہاں تک کہ بچپن ہی میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے یہاں آنا جانا ہو گیا اور حضرتؒ کے اہل خانہ کے منظورِ نظر بن گئے، آپ بچپن سے سن بلوغت تک حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے دونوں گھروں کا سودا سلف لاتے اور حضرتؒ کے گھر میں ہی آپ کی تربیت وپرورش ہوئی۔ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون جو علم وروحانیت کا مرکز تھی جہاں برصغیر کے چیدا کابر علماء کا مجمع ہوتا تھا، مولانا جمشید علی خان مرحوم سب اکابر کی نگاہ کا تارا رہے اور حضرت حکیم الامتؒ کے گھر کے خادم خاص کی نسبت کی وجہ سے حضرت حکیم الامتؒ کے سب خلفاء آپ سے محبت فرماتے تھے، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مفتی جمیل احمد تھانویؒ کے محبّ ومحبوب رہے، حضرت مولانا مسیح اللہ خان قدس سرہٗ کے مدرسہ مفتاح العلوم میں ثانوی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۵۲ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ آپ کے ممتاز اساتذہ ومشائخ میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے علاوہ حضرت مولانا

سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا مسیح اللہ خان شیروانیؒ شامل ہیں۔ تھانہ بھون کے زمانہ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ اور حضرت مفتی جمیل احمد تھانویؒ سے بھی خوب خوب علمی استفادہ کیا اور تعلیم وتربیت پائی۔

شیخ المحدثین حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ سے علمی وروحانی فیض حاصل ہوا، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ سے آپ نے باقاعدہ تربیت باطنی حاصل کی اور بیعت کا شرف بھی حاصل ہوا، آپ کی ظاہری وباطنی تعلیم وتربیت میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ اوران کے خلفاء عظام کی صحبت وتربیت کا بہت بڑا حصہ ہے، اسی لیے آپ نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی قائم کردہ جماعت جس کی بنیاد قیام پاکستان کے بعد حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفۂ خاص حضرت مولانا حافظ جلیل احمد شیروانیؒ نے حضرت اقدس مفتی محمد حسن امرتسریؒ کی سرپرستی میں جامعہ اشرفیہ، لاہور میں رکھی تھی، آپ اس کے باقاعدہ رکن بنے اور آخر دم تک مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان سے وابستہ رہے، مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے اجتماعات میں آپ پابندی سے شرکت فرماتے تھے اور جامعہ اشرفیہ، لاہور میں اکابر علماء ومشائخ کے بیانات سماعت فرماتے تھے۔ دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار سندھ میں بارہ سال تدریس حدیث کے بعد آپ رائے ونڈ کے مدرسہ میں تشریف لائے اور چند سالوں کے بعد درس نظامی کی مکمل کتب زیر درس رہنے کے بعد آپ مرکز دعوت وتبلیغ کے مدرسہ کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور آخر دم تک قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند کرتے رہے۔ ساتھ ہی دعوت وتبلیغ کے عظیم کام کو آپ نے جس احسن طریق پر چلایا وہ اظہر من الشمس ہے آپ مرکز دعوت وتبلیغ رائے ونڈ کے نائب امیر مقرر ہوئے جس کے حضرت حاجی محمد عبدالوہاب صاحب مدظلہ العالی امیر ہیں، آپ آخر وقت تک اس منصب جلیلہ پر فائز رہے، ہزاروں طالبانِ علم کو آپ نے فیض علمی سے سیراب کیا اور دعوت وتبلیغ کے ذریعے ہزاروں افراد کی اصلاح فرمائی اور باقاعدہ دین پر عمل پیرا کیا، آپ نے مرکز رائے ونڈ کے علاوہ پوری دنیا میں مبلغ اسلام کی حیثیت سے شہرت حاصل کی اور دین اسلام کی خدمت میں

معروف رہے، موجودہ دور کے اکابر علماء و مشائخ سے آپ کا مکمل رابطہ رہا، حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، حضرت مولانا محمد عبیداللہ اشرفی مدظلہ مہتمم جامعہ اشرفیہ، لاہور وصدر مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان، حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ، حضرت مولانا وکیل احمد شیروانی مدظلہ اور حضرت مولانا حافظ فضل الرحیم اشرفی مدظلہ وغیرہم سے آخر وقت تک تعلق قائم رہا۔ آپ نے اپنی پوری زندگی تبلیغ دین کے لیے وقف کر رکھی تھی، آپ نے مرکز تبلیغ رائے ونڈ کی جس خلوص و جانفشانی سے خدمت کی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ آپ نے تبلیغ واشاعت دین کے ساتھ ساتھ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغ جلائے جس کی روشنی پوری دنیا میں پھیلی ہے، آپ اخلاقِ ظاہری و باطنی میں بھی بلند مقام پر فائز رہے، سادگی و تواضع، فقر و استغناء اور علم و عمل کا پیکر تھے، اسلاف کی یادگار تھے۔ اتباع سنت اور خشیت الٰہی کا پیکر تھے، ہزاروں مسلمانوں کی بے عمل زندگیوں کو سنوار کر دین پر عمل پیرا بنا دیا۔ آپ کے ایمان افروز بیانات ہزاروں افراد کی اصلاح کا ذریعہ بنے، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی تبلیغی جماعت اور مجلس صیانۃ المسلمین سے آخر دم تک وابستہ رہے اور ان دونوں جماعتوں کے اکابرین سے آخر وقت تعلق قائم رکھا، حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد انعام الحسن کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ اور حضرت مولانا محمد زبیر الحسن کاندھلویؒ کی روایات کے مطابق جماعت کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ مجموعی طور پر آپ کے فیض علمی و روحانی سے لاکھوں مسلمان مستفید و مستفیض ہوئے، آپ کی علمی، تدریسی، تبلیغی و اصلاحی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آپ جیسے مخلص دین علماء اب ناپید ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دینی و علمی خدمات کو آپ کے لیے اجر عظیم کا ذریعہ بنائے اور آپ کے درجات بلند فرمائے، آپ کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے حق تعالیٰ اس کا نعم البدل پیدا فرمائے۔ آمین۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے — سبزۂ نورستہ تیرے گھر کی نگہبانی کرے

شیخ جمشید رحمہ اللہ

ابوالمہاجر، رحیم یار خان

بچھڑا وہ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اِک شخص سارے عالم کو ویراں کر گیا

شیخ الحدیث اور داعی کبیر حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب کو آج رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہوئے ہاتھ کانپتا ہے، دل بے چین و بے قرار ہے۔ شیخ رحمہ اللہ کی شخصیت و خدمات پر کیا لکھوں اور کیسے لکھوں؟ چند ٹوٹے پھوٹے الفاظ اور ناقص مشاہدات کے ذریعے ان سے اپنی قلبی و قلمی محبت کا اظہار چاہتا ہوں۔ شیخ رحمہ اللہ کی پہلی زیارت کا شرف تقریباً تیس اکتیس سال پہلے واہگہ بارڈر پر میواتی بھائیوں کے ایک جوڑ پر حاصل ہوا، پھر میرے چار ماہ کی واپسی کی ہدایات سننے کے لیے بیٹھا تو شیخ رحمہ اللہ کی کرسی کے عین سامنے جا پہنچا، شیخ تشریف لائے

آنکھوں میں دیکھنے کی تاب نہ تھی، سر جھکا لیا، شیخ نے خطبہ مسنونہ شروع کیا تو یوں لگا کہ یہ الفاظ شیخ کے دل وجگر کو چیر چیر کر نکل رہے ہیں، آواز وہی لہجہ وہی مگر قرب نے سب کچھ بدل دیا۔ تصنع و بناوٹ کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔

پھر بیت اللہ حاضری ہوئی تو ہر دم یہی دعا یا اللہ! ہمارے شیخ جمشید کو صحت عطا کر دے انہیں پھر سے فعال کر دے، ان کی استغراقی کیفیات کو ختم کر دے، ان کے علم و فیض سے ہمیں محروم نہ کر، ان کی آواز سے ہمارے کانوں کو پھر معطر کر دے، یا اللہ! جن کے بارے میں حاجی صاحب کہیں کہ ''میں تو مر گیا تھا یہ تو مولوی جمشید اللہ کے آگے رویا اللہ نے مجھے واپس کر دیا''، ابھی ان کے آنسوؤں کی اُمت کو ضرورت ہے، ان کے لیے دیوانہ وار دعائیں مانگنے میں میں اکیلا نہیں تھا میرا گمان ہے کہ ہزاروں لاکھوں دیوانے ان کی صحت وعمر کے لیے اللہ کے سامنے روتے رہے ہوں گے۔ بہر حال اللہ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے اور اللہ کا ہر فیصلہ اٹل ہوتا ہے اس کی حکمتوں پہ ایمان رکھنا اور اس کے فیصلوں کو دل سے ماننا ہی بندۂ مؤمن کا شیوہ ہے۔

شیخ جمشید رحمہ اللہ کا روحانی، علمی و دعوتی فیض بحرِ بیکراں کی مانند ہے ان کی فقاہت وبصارت کے بارے میں کیا لکھوں؟

ایک مرتبہ صبح کے مشورے میں بیٹھا تھا، علماء کرام کی کارگزاری چل رہی تھی، اچانک ایک مولوی صاحب کا نام پکارا گیا وہ کھڑے ہوئے تو نگاہیں ادھر لگ گئیں، حسین و سرخ وسفید چہرہ، موٹی موٹی آنکھیں، گھنی سیاہ ڈاڑھی، لمبی زلفیں اور سر پر خوبصورت پگڑی شیخ جمشید رحمہ اللہ نے بے ساختہ فرمایا کہ: ''مولوی صاحب! یہ لمبے بال کٹوادو'' اُن مولوی صاحب نے کہا کہ سنت ہے، شیخ کے ہونٹوں سے فقاہت کے موتی برسے اور فرمایا کہ ''ہمیں بھی پتہ ہے کہ سنت ہے لیکن حقیقت میں چالیس برس کے بعد'' یعنی نوجوان لاعلمی میں نفس کی آمیزش کے ساتھ (خوب صورت دکھائی دینے کے لیے) شیمپو کر کے تیل لگا کر کنگھی کے ذریعے بال سجائے اور سنوارے گا، جب کہ چالیس سال کے بعد جب کہ جوانی کی رعنائی رخصت ہوجائے گی اس وقت اگر اس سنت پر دوام کے ساتھ عمل کرے گا جب اصل اخلاص معلوم ہوگا۔

شیخ کی سادگی اور سنت سے محبت کا کیا کہنا:

سندھ میں موجود شیخ رحمہ اللہ کے گھر کی کچی دیوار گر گئی، صاحب زادہ مولانا خورشید صاحب کو اطلاع ملی تو ابو جان کی یکسوئی متاثر ہونے سے بچاؤ کے لیے والد کی طرح شفیق ومربی واستاذ مولانا محمد احسان الحق صاحب مدظلہم کے سامنے احوال رکھے انہوں نے فوراً چھٹی کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے فرمایا ابھی جاؤ دیوار بنا کر واپس آؤ، صاحب زادہ صاحب گھر پہنچے تو دیکھا کہ چارپائیوں پر کپڑا ڈال کر اس صبر ووفا کے پیکر گھرانے نے پردہ کیا ہوا تھا، صاحب زادہ نے پختہ دیوار بنائی اور فوراً رائے ونڈ واپس آکر اپنی تعلیمی و دعوتی سرگرمیوں میں مشغول ہوگئے، شیخ جمشید رحمہ اللہ سال میں ایک بار عید کے موقع پر چھٹی لے کر گھر جایا کرتے تھے، اب کہ گھر پہنچے تو پریشان ہوگئے کہ یہاں ہمارا گھر کدھر گیا؟ بتایا گیا کہ یہ پکی دیوار والا ہے تو فرمایا کہ ہمارے کی دیوار تو کچی تھی یہ کسی اور کا گھر ہے، بتایا گیا کہ بارشوں میں دیوار گر گئی تھی مولوی خورشید آکر

یہ پکی دیوار بنا کر چلے گئے۔ بے ساختہ رونے لگے کہ میں تو اس گھر میں نہیں جاؤں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے ہماری مشابہت ختم ہوگئی میں خورشید کو ہرگز معاف نہ کروں گا اس نے یہ مشابہت مجھ سے چھین لی۔ خود بھی روئے دوسروں کو بھی رلایا، بڑی مشکل سے گھر میں داخل ہوئے۔ یہ ہے اس مردِ قلندر کا حال جو چاہتا تو سونے کی اینٹوں سے اپنا گھر بنوا سکتا تھا مگر اُمت کو دکھلا گئے کہ ایسے اللہ اور اس کے رسول کا بن کے جیا جاتا ہے اور ان کی چاہتوں پہ اپنی چاہتیں اور ضرورتیں قربان کی جاتی ہیں۔

ان کی سادگی کے بارے میں کیا لکھوں؟ طعام ہو یا لباس ہر چیز سادہ تھی، پگڑی ایسے سادہ انداز سے باندھتے کہ کوئی سادہ سا کپڑا سر پر باندھا ہوا ہے۔ شیخ کا کھانا انتہائی سادہ ہوتا تھا اکثر ثرید کو ترجیح دیتے کہ سنت کے ساتھ وقت کی بھی بچت ہوتی ہے۔ علمی اور دعوتی سرگرمیوں کی اتنی مصروفیت کہ سکون سے کھانا کھانے کا موقع کم ہی ملتا تھا کئی بار ان گناہ گار آنکھوں نے خود دیکھا کہ گاڑی میں بیٹھے جاتے جاتے کھانا کھا رہے ہیں۔

حاجی صاحب اور شیخ جمشید رحمہ اللہ میں آپس میں بڑی محبت تھی، جب کہ شیخ محبت کے ساتھ ساتھ محترم حاجی صاحب کا احترام بھی بہت کرتے تھے، دورانِ بیان جوں ہی حاجی صاحب کو آتا دیکھ لیتے تو منبر سے اترتے نہیں بلکہ سلپ (Slip) ہوجاتے، ہمیں خوف آتا کہ کہیں شیخ کو چوٹ نہ لگ جائے اور پھر انگلی کھڑی کر کے اجازت لے کر جانا یہ تو ہمیشہ یاد رہے گا۔

اجتماعی چیزوں کی فکر وحفاظت کا جذبہ قابل تحسین تھا دورانِ مشورہ یا بیان بھی اگر کوئی بتی یا پنکھا چلتا ہوا دیکھ لیتے تو فوراً بند کرواتے۔ الغرض حضرتؒ کی ذات منبع صفات وکمالات تھی، ان کی علمی تبحر ہو یا جبلی توکل، تبلیغی جہد مسلسل ہو یا دنیا سے بے رغبتی کی انتہاء میرا قلم ان کی شخصیت کے ہر پہلو پر روشنی ڈالنے سے عاجز وقاصر ہے۔ شیخ جمشید رحمہ اللہ ان ہستیوں میں سے تھے جن کا جنازہ پڑھنے والوں کی ضرور مغفرت بھی ہوئی ہوگی۔ **اللهم اكرم نزله وارفع درجته.** یا اللہ! شیخ جمشید رحمہ اللہ کو اپنے قربِ خاص میں جگہ عطا فرما اور ان کے ساتھ اپنی شایانِ شان رحمت والا معاملہ فرما اور ان کے ورثا کو صبر جمیل عطا فرما۔

مولانا جمشیدؒ کے جنازہ کے موقع پر کیا گیا تعزیتی بیان

مولانا فہیم صاحب
اُستاذِ حدیث مدرسہ عربیہ رائے ونڈ

حضرت مولانا (جمشید) رحمۃ اللہ علیہ کل تک ہم میں تھے آج ہم سے رخصت ہوگئے لیکن جس راستے پر چل کر وہ گئے اگر ہم بھی اسی راستے پر چلتے رہے تو اللہ کی ذات سے اُمید ہی نہیں یقین ہے کہ کل ہم بھی ان کے ساتھ ہوں گے ان شاء اللہ۔

ہم نے اپنے اُستادِ محترم حضرت مولانا (جمشید) رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا؛ اُنہوں نے دِین کے لیے دن دیکھا نہ رات، آندھی نہ طوفان اور نہ ہی کوئی حالات، بلکہ اگر رات کے ڈیڑھ، دو بجے بھی سفر سے آتے تو آتے ہی ہمیں جگا دیتے کہ آؤ بھئی سبق پڑھ لو، اُن کے اُستاد حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سنتے تھے اور آنکھوں سے اُن کے شاگرد کو یہ عمل کرتے دیکھ لیا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اُن ہی سے بارہا سنا کہ ہفتہ کی نیند دس منٹ میں پوری کر لیتے تھے اور آنکھوں سے اپنے اُستاد کو دیکھا کہ ہفتوں کی نیند پانچ منٹ میں دس منٹ میں پوری کر لیتے تھے، اور کبھی چہرہ پر ناگواری نہیں، کسی کے اُٹھانے سے کوئی ترش روئی نہیں، جس حال میں بھی اُٹھایا ہاتھ رکھتے ہی اُٹھے اور اس سے دعوت کی بات کی، دعوت کی بات کے علاوہ اس کے سامنے اور کچھ نہیں۔

ہم سب کو اُن سے تعلق تھا وہ تعلق والے تو دنیا سے چلے گئے، یقیناً صدمہ، غم اور افسوس ہر ایک کو ہوتا ہے، دِل ہر ایک کے رو رہے ہیں، آنسو ہر ایک کے بہہ رہے ہیں، لیکن اس تعلق کا تقاضہ یہ ہے کہ جانے والے حضرت مولانا (جمشید) رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی

طرف سے کچھ نہ کچھ ہدیہ، تحفہ، توشہ بھیجتے رہیں یہ نیت کر لیں کہ آج سے جتنے بھی مسلمان دنیا سے گئے ان کو عموماً اور خصوصاً ہمارے حضرت مولانا (جمشید) رحمۃ اللہ علیہ جو تشریف لے گئے ان کو اپنے اعمال کا ہدیہ بھیجتے رہیں گے۔ ہم نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ کبھی کسی بھی چیز میں اپنے کو پیچھے نہیں رکھتے تھے، جب کوئی دِینی تقاضہ آیا اس میں اپنے ذاتی حال کو، اپنی ذاتی کمزوری کو، اپنی بیماری کو، اپنے گھریلو تقاضہ کو نہیں دیکھا، کام کے تقاضہ کو دیکھ کر چلتے رہے اور حاجی صاحب کی ہر بات پر لبیک کہتے تھے جو چیز بھی جیسے حاجی صاحب فرما رہے ہیں ہمیں تو ویسے کرنا ہے، یہ اُن کا ایک معمول تھا، ہمارے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا۔ اِس لیے ہم اگر چاہتے ہیں کہ کل کو ہمارا حشر بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ ہو ان ہی کے ساتھ ہمارے بھی آخرت میں درجات میں ترقی ہو تو اُن ہی کے نقش قدم پر چلنے کی ہم نیت کریں اللہ سے مانگیں اور کوشش بھی کریں۔

....

''تو میرے پیارو میرے بھائیو میرے دوستو! یہ سارے حالات اللہ نے اس لیے بتائے کہ قیامت تک کے لیے میرے آپ کے لیے اور امت کے لیے جو نمونے ہیں۔ کہ ہمیں تو ہر حال میں ہر مقام میں یہ دیکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقہ کیا ہے۔ بس ہمیں حکم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم والی سنت کو دیکھنا ہے یہ ہمارا معیار ہے، یہ قائم ہوگیا ہر مسلمان، ہر عورت، ہر مرد، ہر قبیلہ، ہر خاندان، ہر مال دار، ہر فقیر ہر ایک کا، ہمارا تمہارا ایک ہی راستہ ہے کہ ہم ہیں مسلمان، ہماری جان قربان، ہم پر ہیں اللہ کے احکام۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دیکھنا اور اس پر جان لگا دینا اور اس پر قربان ہو جانا اور اس پر سب کچھ لٹا دینا یہ ہمارے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعے سے اللہ نے نمونہ قائم کر دیا۔''

(شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحبؒ کی وفات پر ملنے والے مختصر پیغامات وتاثرات

حضرت الحاج محمد عبدالوہاب صاحب دامت برکاتہم (امیر دعوت وتبلیغ پاکستان):

آج اُمت کے لیے راتوں کو اُٹھ کر رونے والا مولوی جمشید چلا گیا، ہر اس چیز اللہ کی ہے، ہر کام اس کا محتاج ہے، اللہ کی چیز تھی اس نے واپس لے لی۔ (بیان فجر رائے ونڈ مرکز ۱۰؍محرم ۱۴۳۶ھ، ۴؍نومبر ۲۰۱۴ء)

مولانا فضل الرحمن (امیر جمعیت علمائے اسلام):

جمعیت علمائے اسلام کے امیر مولانا فضل الرحمٰن نے تبلیغی جماعت کے بزرگ راہنما اور ممتاز عالم دین مولانا جمشید کی وفات پر دلی دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ مولانا جمشید کی دینی، تبلیغی، تدریسی خدمات ہمیشہ یادرکھی جائیں گی انہوں نے حاجی محمد عبدالوہاب اور مولانا محمد احسان الحق اور دیگر راہنماؤں سے دلی تعزیت و ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے مرحوم کے درجات کی بلندی کی دعا کی ہے۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۶؍نومبر ۲۰۱۴ء)

مولانا طارق جمیل (تبلیغی مرکز رائے ونڈ):

میرے استاد محترم حضرت مولانا جمشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ان کی زندگی اشاعت دین کے کاموں میں گزری اور وہ طویل عرصہ سے تبلیغی کام سے وابستہ تھے، ملک اور بیرون ملک اشاعت دین کے لیے عظیم خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ انہوں نے مجھے ایک دفعہ فرمایا ''صحابہ رضی اللہ عنہم کو جانچنے کا معیار قرآن وحدیث ہیں نہ کہ تاریخ''۔ میرا یہ تبلیغی مزاج بنانے میں ان کا دخل ہے۔

میں نے استاذ حضرت مولانا جمشید صاحبؒ سے مدرسہ عربیہ رائے ونڈ میں تفسیر پڑھی تھی، ۷۶۔۱۹۷۷ء کی بات ہے، ان کی خدمت میں شہد لے کر گیا، میں نے عرض کیا حضرت یہ شہد لایا ہوں، پوچھا کہاں سے لائے ہو؟ کہا جی میرے اپنے باغ کا ہے، میں نے خود توڑا ہے، باغ میں لگا تھا آم کا، تو مجھ سے فرمایا کہ ہاں بھائی! تیرے ابا نے

اپنی بہنوں کو زمین میں سے حصہ دیا تھا؟ ایک شہد کی بوتل اس وقت دس روپے کی آجاتی تھی اور کتنا گہرا سوال کیا یہ نہیں کہا ماشاء اللہ جزاک اللہ، بلکہ فرمایا تیرے ابا نے اپنی بہنوں کو زمین میں سے حصہ دِیا تھا اگر دیا تھا پھر تو یہ شہد حلال ہے اور اگر نہیں دیا تھا تو پھر تو سارا ہی حرام ہے، تو میں نہیں لوں گا، میں نے کہا جی شکر ہے میرے ابا کی بہن ہی کوئی نہیں تھی، کہنے لگے اچھا تو تیرے دادا نے اپنی بہنوں کو زمین سے حصہ دیا تھا، میں نے کہا جو چیز میں جانتا ہی نہیں وہ سوال مجھ سے کیوں کررہے ہیں؟ میری پیدائش سے پہلے کی باتیں تو مجھ سے نہ پوچھیں۔ تو پھر ہنس پڑے اور کہنے لگے اچھا ادھر رکھ دو۔

مولانا جیسی مجاہدانہ اور زاہدانہ زندگی پورے رائے ونڈ میں میں نے کسی کی نہیں دیکھی، وہ تھک کر چور ہو کر گرتے تھے اور رات کو دو بجے لوگ آکر اٹھاتے تو آنکھ کھلنے سے پہلے کہتے مرحبا، مرحبا، مرحبا! یہ دیکھ کر دنیادار قسم کے لوگ بھی رونے لگ جاتے تھے کہ یہ کیسا انسان ہے؟ اور ساتھ ہی دعوت شروع ہوجاتی۔ ایک دنیادار شخص مجھے کہنے لگا کہ سالہا سال سے مولانا جمشید صاحب سے ملنے جایا کرتے تھے انہوں فرمایا ہوا تھا کہ جب آؤ مجھے اٹھاؤ۔

اللہ تعالیٰ مولانا جمشید صاحبؒ کو کروٹ کروٹ رحمتیں نصیب فرمائے، جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی نسلوں کو شاد آباد رکھے۔

مولانا محمد زرولی خان (مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ احسن العلوم کراچی):

تبلیغی جماعت کے عظیم بزرگ مولانا جمشید صاحب رحلت فرماگئے ہیں۔ اللہ پاک حضرت کی مغفرت فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اور ان کے اصحاب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

مولانا محمد الیاس گھمن (ناظم اتحاد اہل سنت والجماعت):

مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے شیخ الحدیث مولانا جمشید صاحب کا انتقال ہوگیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مرکز اہل سنت والجماعت کے جملہ اراکین اور احناف میڈیا سروس غم کی اس گھڑی میں تمام اُمت مسلمہ سے تعزیت کرتے ہیں تمام احباب ایصالِ ثواب کا اہتمام فرمائیں۔

مولانا محمد اُسامہ سرسری:

آج میرے بخاری شریف کے اُستاذ حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رضائے الٰہی سے وفات پاگئے، اللہ تعالیٰ انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

مولانا محمد زاہد (نائب رئیس واستاذ حدیث جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد):

تبلیغی جماعت کے بزرگ حضرت مولانا جمشید علی صاحب انتقال فرماگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ، مولانا یوپی کے ضلع مظفرنگر کے قصبے بھیسانی کے رہنے والے تھے، اُن کے خاندان کا حضرت تھانویؒ سے تعلق تھا، مولانا جمشید رحمۃ اللہ علیہ بچپن میں پیدل ہی اپنے قصبے سے تھانہ بھون چلے جایا کرتے تھے، اپنی سادہ زندگی اور اپنے کام میں فنائیت کی حدتک اِنہماک میں وہ اپنی مثال آپ تھے، ہماری ان کے خاندان سے بچپن کی یادیں وابستہ ہیں، دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار کے سامنے مولانا کے بھائی نذیر علی اور ریاست علی رہائش پذیر تھے، نذیر علی دارالعلوم کے مؤذن بھی تھے اور دارالعلوم ہی کی زمین ٹھیکے پر لے کر کاشت کاری بھی کرتے تھے، بھینسیں بھی رکھی ہوئی تھیں، ہم عصر کے بعد ان کے گھر سے روزانہ دودھ لینے کے لیے جاتے تھے بعض اوقات دودھ دوہنے کے انتظار میں کچھ دیر بیٹھنا بھی پڑتا، اس زمانے میں مولانا جمشید علیؒ کا بکثرت وہاں آنا جانا ہوتا تھا، پورا خاندان خلوص اور بہت ہی سادہ طرزِ زندگی کا مرقع تھا۔ جب بھی رائے ونڈ جانا ہوتا بہت شفقت کا معاملہ فرماتے، بے نفسی اور کام سے لگن کے کئی نقوش ذہن پر مرتسم ہیں، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ امتحان لینے کے لئے رائے ونڈ جایا کرتے تھے، اس موقع پر ایک آدھ مرتبہ بعض مسائل پر والد صاحب اور دیگر علما کے ساتھ مباحثہ بھی ہوا جو علمی اختلافِ رائے کی خوب صورت مثال تھا، اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ ان کی مغفرت فرمائے، ان کی حسنات کو قبول فرمائے، اللہم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ۔

مولانا حافظ عرفان الحق اظہار حقانی (استاذ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک):

زمیں کے تاروں سے اک تارہ
آسماں کے تاروں میں جاچکا ہے

پاک و ہند میں دعوت وتبلیغ اور فروغ علم وعمل کی تاریخ جب بھی لکھی جائے گی تو شیخ الحدیث مولانا محمد جمشید علی خانؒ کے بغیر ادھوری رہے گی۔ مولانا مرحوم نے پوری زندگی درس وتدریس اور اشاعت حق کی تبلیغ کے مشن میں صرف کرکے دین کی تقویت کا علم ہر دور میں بلند کئے رکھا۔ مجھے ذاتی طور پر رائے ونڈ میں اُن سے کئی مرتبہ شرف ملاقات حاصل ہوا۔ اور اِن کے بیانات اور درس میں بیٹھنے کی سعادت بھی ملی۔

علم اور اہل علم سے آپ حد درجہ محبت فرماتے تھے، بلکہ یہ محبت آپ کی رگ و پے میں سرایت کی ہوئی تھی۔ زہد وتقویٰ فہم وفراست، جود وسخا، اخلاص وللّٰہیت اپنے مقصد میں ہمہ تن مصروف رہنا سوز وگداز اور نرم مزاجی جیسے اعلیٰ ملکوتی صفات کے حامل تھے۔

تبلیغی جماعتوں کی تشکیل پر ہدایات دیتے وقت اکثر یہ نصیحت فرماتے کہ ہمیں اپنے مزاج میں ریشم جیسی نرمی اپنانی چاہیے اور استقامت اور استقلال میں ریشم جیسی پختگی اور مضبوطی اختیار کرنی ہوگی۔ اسی صورت میں ہم کامیاب وکامران ہوں گے۔

کسی سے ہدیہ اور تحفہ لیتے وقت اکابر واسلاف کی طرح انتہائی حزم واحتیاط سے کام لیتے تھے کہ کہیں مشتبہ یا کسی کا حق نہ ہو۔

اکثر بیان کی ابتداء قرآن کریم کی آیۃ وجاهدوا فی سبیل اللہ حق جهادہ سے فرماتے تھے۔ اژدھام میں ویل چیئر پر جاتے وقت کہتے کہ اے پیارے راستہ دے دو آپ کی باتوں میں حد درجہ مٹھاس محسوس کی جاتی تھی۔ گاہ بگاہ طنز ومزاح سے بھی مخاطبین کو اپنی طرف متوجہ فرماتے افسوس وہ آج ہم میں نہیں رہے۔ حضرت مولانا محمد زبیر الحسن صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان کی رحلت کے حادثے سے علمی اور دعوت وتبلیغ کی دنیا کو بہت بڑا دھچکا لگا ہے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون اللّٰھم اغفرہ وجعل الجنة المثواہ ولاتحرمنا اجرہ ولاتفتنا بعدہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں مرحوم کی رحلت پر اجتماعی فاتحہ خوانی اور دعائے مغفرت کی گئی۔

جان کر منجملہ خاصان میخانہ تجھے
مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ تجھے

مفتی جمال عتیق (ابن مفتی عتیق الرحمٰن شہیدؒ):

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ داعیٔ قرآن حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن شہیدؒ جیسے عظیم شاگرد پیدا کرتے کرتے آج خود بھی دارفانی سے رخصت

ہوگئے۔إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔مولانا جمشیدؒ علم کے چراغ تھے اور فکر انسانی میں زندگی گزارنے والے انسان تھے ان کے وصال سے بہت رنج پہنچا، اللہ پاک حضرت کے درجات بلند فرمائے۔

مفتی سید عدنان کا کاخیل (استاذ جامعۃ الرشید کراچی):

استاذ العلماء مبلغ اسلام دعوت وتبلیغ کی روح، ہزاروں علماء کے استاذ اور صدر مدرس مدرسہ عربیہ رائے ونڈ، شیخ الاسلام حضرت مدنی کے شاگرد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ہمیں یتیم چھوڑ کر دار بقاء کی طرف چل بسے۔إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی (مدیر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور):

اللہ تعالیٰ ان کو اپنی شایان شان بہتر سے بہتر جزاء دے، جنت کی باغ و بہار عطا فرمائے ان کے نیک اعمال کو ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔

مفتی فیصل احمد (مدیر اعلیٰ ہفت روزہ خواتین کا اسلام):

گزشتہ دنوں ایک انتہائی تجربہ کار ''ماہر قلب'' دنیا سے رخصت ہوئے۔مستجاب الدعوات حضرت مولانا جمشید صاحبؒ تبلیغی جماعت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے۔روایتی اسلوب میں تو یہی کہنا چاہیے کہ ان بزرگوں کے جانے سے ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے، لیکن ''فطرت'' تو یہ کہتی ہے کہ نیکی کے سلسلوں میں کوئی شخص بھی ''ناقابل تلافی'' یا ''نہ بھرنے والے خلاء'' کی حیثیت نہیں رکھتا۔یہ سلسلے بہرحال چلتے رہتے ہیں۔ہر شخص اپنے حصے کا کام کر کے ہی دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مسلمان آج تک سکتے میں ہی رہتے، لیکن ایسا نہیں ہے۔نیکی کے سلسلے نہیں رُکتے۔اب ان حضرات کے حصے سے فیض پانے والے کاموں کو آگے بڑھائیں گے۔

محمد عارف:

تبلیغی جماعت پاکستان کے نائب امیر اور علم و دانش کے گوہر نایاب حضرت مولانا جمشید صاحب اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔::: دنیا ایک مدبر، علم دوست، مشعل نور اور مخلص رہنماء سے محروم ہوگئی۔نماز جنازہ کل بعد نماز ظہر رائے ونڈ مرکز پنڈال میں

ادا کی جائے گی۔

الطاف حسین (قائد متحدہ قومی موومنٹ):

متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین نے تبلیغی جماعت کے بزرگ رہنما اور ممتاز عالم دین مولانا جمشید علی کے انتقال پر دلی افسوس اور گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔اپنے ایک بیان میں جناب الطاف حسین نے کہا کہ مولانا جمشید علی کے انتقال سے تبلیغی جماعت کے تمام علماء اور طلباء ایک بڑی بزرگ شخصیت سے محروم ہوگئے ہیں۔

انہوں نے مولانا جمشید علی کے انتقال پر تبلیغی جماعت کے امیر، تمام رہنماؤں، علماء، طلباء اور مرحوم کے تمام عقیدت مندوں سے دلی تعزیت اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مجھ سمیت ایم کیو ایم کا ایک ایک کارکن آپ کے غم میں برابر کا شریک ہے۔انہوں نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مولانا جمشید علی مرحوم کی مغفرت فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور تمام سوگواروں کو صبر جمیل عطا کرے۔

پرویز خٹک (وزیر اعلیٰ صوبہ خیبر پختونخوا):

وزیر اعلیٰ صوبہ خیبر پختونخوا پرویز خٹک کا مولانا جمشید کی وفات پر اظہار تعزیت، دینی خدمات پر خراج عقیدت

صوبہ خیبر پختونخوا کے وزیر اعلیٰ پرویز خٹک نے تبلیغی مرکز رائے ونڈ کے نائب امیر مولانا جمشید علی خان کی رحلت پر انتہائی دکھ و افسوس کا اظہار کیا ہے ایک تعزیتی پیغام میں انہوں نے دنیا بھر میں امت مسلمہ کی مذہبی و روحانی اصلاح اور دین اسلام کی تبلیغ و ترویج کے لیے مولانا جمشید علی کی بہترین مساعی و خدمات پر انہیں زبردست الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔

انہوں نے کہا کہ خیبر پختونخوا کے عوام اور وہ خود بھی مرحوم کی دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعوت تبلیغ اور پر اثر دینی و باعمل تقاریر کے معترف ہیں ان جیسی سایہ دار اور قد آور شخصیات صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں پرویز خٹک نے مرحوم کی مغفرت اور درجات کی بلندی کی دعا کی اور ان کے سوگوار خاندان کے ساتھ ساتھ لاکھوں عقیدت مندوں سے دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔

اپنے الگ تعزیتی پیغامات میں انہوں نے مرحوم کی مغفرت کی دعا کی اور پسماندگان سے دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔

مولانا جمشید صاحبؒ کی وفات پر اخبارات ومجلّات کی تعزیت

روزنامہ اسلام کراچی:

تبلیغی بزرگ مولانا جمشید علی کا سانحۂ ارتحال

تبلیغی جماعت کی بزرگ شخصیت اور ممتاز عالم دین مولانا جمشید علی عاشور کی شب بقضائے الٰہی انتقال کر گئے۔ مرحوم کچھ عرصہ سے جناح اسپتال لاہور میں زیر علاج تھے، ان کی نماز جنازہ منگل کو لاہور رائے ونڈ اجتماع کے پنڈال میں ادا کی گئی، نماز جناہ ان کے صاحبزادے مولانا خورشید نے پڑھائی۔ جس میں ہزاروں افراد، سیاسی ومذہبی جماعتوں کے رہنماؤں اور مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ بعدازاں اُن کو رائے ونڈ تبلیغی مرکز کے قبرستان میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

مولانا سلیم اللہ خان، مولانا قاری محمد حنیف جالندھری سمیت وفاق المدارس کے دیگر رہنماؤں اور مولانا فضل الرحمٰن نے اُن کی وفات پر دلی دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ مولانا جمشید کی دینی، تبلیغی اور تدریسی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ جامعہ اشرفیہ لاہور کے مہتمم واستاذ حدیث مولانا محمد عبید اللہ اشرفی، مولانا حافظ فضل الرحیم اشرفی، مولانا محمد اکرم کاشمیری اور مولانا مجیب الرحمٰن انقلابی نے کہا ہے کہ عالم اسلام ایک عظیم علمی ودینی شخصیت اور داعی سے محروم ہو گیا ہے۔ دینی ومذہبی جماعتوں کے قائدین کے علاوہ انٹرنیشنل ختم نبوت مؤومنٹ کے مرکزی امیر مولانا ملک عبد الحفیظ، مولانا محمد مکی حجازی، مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے شیخ الحدیث مولانا سیف الرحمٰن مہند، مولانا ڈاکٹر سعید عنایت اللہ، مولانا محمد الیاس گھمن ودیگر نے بھی اظہار تعزیت کیا۔ جمعیت علمائے اسلام اور اہل سنت والجماعت کے رہنماؤں نے کہا کہ مولانا جمشید کی وفات عالم اسلام کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے، مولانا کے ارتحال سے شفقت کا سایہ ہمارے سروں سے اُٹھ گیا، مولانا جمشید کی زندگی اشاعت دین کے کاموں میں گزری۔ صوبہ خیبر پختونخوا کے وزیر اعلیٰ پرویز خٹک نے مولانا جمشید کی رحلت پر انتہائی دکھ وافسوس کا

اظہار کیا ہے۔ ایک تعزیتی پیغام میں انہوں نے مولانا جمشید کی بہترین مساعی وخدمات پر انہیں خراجِ عقیدت پیش کیا۔

مولانا جمشید علی کا شمار عالم اسلام کی ان گنی چنی شخصیات میں ہوتا تھا جن کا حلقہ اثر پوری دنیا میں موجود ہے۔ انہوں نے متعدد افراد کو مشرف بہ اسلام کیا، دنیا بھر میں اسلام کی تبلیغ واشاعت، مسلمانوں کی اصلاح اور اسلامی شعائر کے احیاء میں تبلیغی جماعت جو عظیم کردار ادا کر رہی ہے، اس میں مولانا جمشید علی کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ مولانا جمشید پاکستان کی تبلیغی جماعت کے ابتدائی ارکان میں سے تھے اور انہوں نے اپنی ساری زندگی دعوت وتبلیغ کے کام کے لیے وقف کیے رکھی۔ ان کے پرسوز بیانات نے ہزاروں نوجوانوں کی زندگیاں بدلیں اور لاکھوں انسانوں نے ان سے براہِ راست علمی وروحانی استفادہ کیا۔ مولانا کی دل موہ لینے والی سادہ شخصیت دعوت وتبلیغ کی عالمی تحریک سے وابستہ افراد اور علماء وطلباء کے لیے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی تھیں۔ مولانا جمشید علی ایک عظیم مبلغ ہی نہیں بلکہ بلند پایہ مدرس اور اسلامی علوم وفنون کے ماہر عالم بھی تھے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد بھی ہزاروں میں ہے جو پوری دنیا میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ مولانا جمشید کی رحلت پورے عالم اسلام کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے۔ مولانا کی علمی وتبلیغی خدمات تادیر یاد رکھی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ مولانا جمشید علی کی کامل مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

(۶/۴ رنومبر ۲۰۱۴ء)

روزنامہ ایکسپریس کراچی:

تبلیغی جماعت کے رہنما مولانا جمشید علی انتقال کر گئے۔ صدر وزیر اعظم کا اظہار افسوس

تبلیغی جماعت کے بزرگ رہنما، مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے شیخ الحدیث، اُستاذ العلماء مولانا جمشید علی خان انتقال کر گئے۔ ان کی عمر ۸۵ رسال تھی اور ان کی رحلت جناح اسپتال لاہور میں برین ہیمبرج سے ہوئی۔ مولانا جمشید علی کی میت تبلیغی مرکز میں

لائی گئی تو ہر آنکھ اشکبار تھی مرحوم نے اپنی پوری زندگی دعوت وتبلیغ کے لیے وقف کر رکھی
تھی۔۱۹۶۴ء سے رائے ونڈ مرکز میں مقیم تھے، ان کے پوری دنیا میں لاکھوں شاگرد
ہیں، ان کے صاحبزادہ مولانا عبیداللہ خورشید بھی رائے ونڈ مرکز میں مقیم ہیں۔مولانا
جمشید علی کا تعلق ٹنڈو الہ یار سے تھا۔مرحوم کی نماز جنازہ تبلیغی اجتماع گاہ پنڈال سندر روڈ
پر ادا کی گئی۔ پھر ان کو تبلیغی مرکز کے قبرستان میں سپردِ خاک کر دیا گیا، مولانا عبیداللہ
خورشید، مولانا طارق جمیل اور مولانا عبدالرحمٰن نے انہیں لحد میں اُتارا۔نماز جنازہ میں
ملک بھر سے ہزاروں افراد نے شرکت کی، تدفین کے موقع پر رقت آمیز مناظر دیکھنے
میں آئے، نماز جنازہ ان کے بیٹے مولانا عبیداللہ خورشید نے پڑھائی، نماز جنازہ میں
مولانا محمد امجد خان، مولانا نعیم الدین، مولانا محبّ النبی، مولانا محمود میاں، جنرل
سیکریٹری جماعت اسلامی لیاقت بلوچ، اسپیکر پنجاب رانا اقبال خان، اور سابق کرکٹر
انضمام الحق نے بھی شرکت کی۔صدر ممنون حسین، وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف، وزیر
اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف، مولانا فضل الرحمٰن، سراج الحق، لیاقت بلوچ اور دیگر
رہنماؤں نے مولانا جمشید علی کے انتقال پر افسوس اور سوگوار خاندان سے اظہار ہمدردی
کیا ہے۔وفاق المدارس کے رہنماؤں شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان، مولانا ڈاکٹر عبد
الرزّاق اسکندر، مولانا قاری محمد حنیف جالندھری اور مولانا انوار الحق نے بھی اپنے
مشترکہ بیان میں مولانا کی رحلت کو ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔اور کہا کہ ان کی علمی
اور دعوتی خدمات آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔مولانا عبد الغفور حیدری،
حافظ حسین احمد، محمد اکرم خان درانی نے تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ مولانا جمشید کی تمام
زندگی دین اسلام کی دعوت و تبلیغ میں گزری انہوں نے مرحوم کے لیے جنت الفردوس
میں اعلیٰ مقام اور لواحقین کے لیے صبر جمیل کی دعا کی۔(۴ر،۶ر نومبر ۲۰۱۴ء)

روز نامہ نوائے وقت لاہور:

تبلیغی جماعت کے بزرگ مولانا جمشید مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے۔

رائے ونڈ + لاہور (نامہ نگار + این این آئی) تبلیغی مرکز رائے ونڈ کے نائب امیر،

مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے شیخ الحدیث، تبلیغی جماعت کے بزرگ حضرت مولانا جمشید علی
خان مختصر علالت کے بعد جناح ہسپتال لاہور میں انتقال کر گئے۔ وہ چند دنوں سے
ہسپتال میں زیر علاج تھے۔گزشتہ روز ان کا جسد خاکی تبلیغی مرکز رائے ونڈ میں لایا گیا تو
ہر آنکھ اشکبار اور ہونٹوں پر درود جاری تھا۔مرحوم نے اپنی پوری زندگی دعوت و تبلیغ کے
لیے وقف کر رکھی تھی۔اُن کے پوری دنیا میں لاکھوں شاگرد ہیں۔مرحوم کا جنازہ ۱۰؍محرم
الحرام دو پہر ۲؍ بجے تبلیغی اجتماع پنڈال سندر روڈ پر ہوا۔ پھر مرحوم کو تبلیغی مرکز رائے ونڈ
کے قبرستان میں دفنایا دیا گیا۔ جنازے کے موقع پر سکیورٹی کے فول پروف انتظامات
کئے گئے تھے۔مرحوم مولانا جمشید علی خاں مولانا اشرف علی تھانوی کے مرید اور مولانا
حسین احمد مدنی کے شاگرد تھے۔ دریں اثناء صدر ممنون حسین، وزیر اعظم میاں محمد
نواز شریف، وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف، امیر جماعت اسلامی سراج الحق،
سابق امیر سیّد منور حسن، سیکرٹری جنرل لیاقت بلوچ اور صدر جمعیت اتحاد العلماء
پاکستان مولانا عبدالمالک، مولانا ملک عبدالحفیظ، مولانا سیف الرحمٰن مہمند، مولانا محمد
الیاس گھمن، مولانا محمد مکی حجازی، مولانا ڈاکٹر سعید عنایت اللہ، جامعہ اشرفیہ لاہور کے
مہتمم مولانا محمد عبیداللہ اشرفی، مولانا حافظ فضل الرحیم اشرفی، مولانا حافظ اسعد عبید،
مولانا محمد اکرم کشمیری، مولانا محمد یوسف خان، مولانا زبیر حسن، مولانا فہم الحسن تھانوی
اور مولانا مجیب الرحمٰن انقلابی نے مولانا جمشید کے اِنتقال پر گہرے دکھ اور افسوس کا
اظہار کیا ہے۔(۴ر،۶ر نومبر ۲۰۱۴ء)

روز نامہ پاکستان لاہور:

تبلیغی جماعت کے رہنما اور ممتاز عالم دین مولانا جمشید انتقال کر گئے

لاہور (خصوصی رپورٹ) تبلیغی جماعت کے ممتاز عالم دین مولانا جمشید مختصر
علالت کے بعد اِنتقال کر گئے۔تفصیلات کے مطابق تبلیغی جماعت رائے ونڈ کے بزرگ
مولانا جمشید ۸۰ برس کی عمر میں مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ وہ جناح ہسپتال
لاہور میں زیر علاج تھے۔ان کی نماز جنازہ بروز ''منگل'' تبلیغی اجتماع کے پنڈال میں

ادا کی گئی۔ مولانا جمشید معروف مذہبی سکالر مولانا طارق جمیل سمیت متعدد علماء کے استاد بھی تھے۔ مرحوم تبلیغی جماعت پاکستان کے مرکزی امیر حاجی محمد عبدالوہاب کے دست راست تھے۔ مولانا جمشید کے انتقال پر وزیراعظم میاں محمد نواز شریف اور وزیراعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف نے گہرے افسوس کا اظہار کیا ہے۔ (۴، ۶/نومبر ۲۰۱۴ء)

روزنامہ دنیا لاہور:

تبلیغی جماعت کے رہنماء مولانا جمشید انتقال کر گئے، صدر وزیراعظم اور دیگر رہنماؤں کا اظہار تعزیت

لاہور (نیوز ایجنسیاں) تبلیغی جماعت پاکستان کے رہنماء اور نائب امیر مولانا جمشید علی خان انتقال کر گئے، نماز جنازہ ۲/بجے تبلیغی مرکز رائے ونڈ کے پنڈال میں ادا کی گئی، مرحوم ۱۵ روز سے جناح ہسپتال میں زیرعلاج تھے۔ جہاں گزشتہ روز ان کی وفات ہوگئی۔ مولانا جمشید صوبہ سندھ کے شہر ٹنڈو الہ یار سے تعلق رکھتے تھے، انہوں نے ۶۵ برس قبل دارالعلوم دیوبند دہلی انڈیا میں دینی تعلیم حاصل کی، مولانا جمشید کی عمر ۸۰ سال تھی انہوں نے ۵۰ برس قبل تبلیغی جماعت میں شمولیت اختیار کی اور اب تک رائے ونڈ تبلیغی مرکز میں مقیم تھے، مولانا جمشید، مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم کے شاگرد تھے۔ مولانا کے ایک بیٹے مولانا خورشید تبلیغی مرکز رائے ونڈ میں شعبہ تعلیم کے انچارج ہیں۔ مولانا جمشید نے سوگواران میں ایک بیٹا، دو بیٹیاں، سات نواسے، چار پوتیاں اور کروڑوں چاہنے والوں کو سوگوار چھوڑا ہے۔

علاوہ ازیں وزیراعظم میاں محمد نواز شریف، جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق، لیاقت بلوچ، شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان، مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر، مولانا محمد حنیف جالندھری، مفتی محمد نعیم، مولانا فضل الرحمٰن، مولانا سمیع الحق، مولانا محمد احمد لدھیانوی اور دیگر نے مولانا کی رحلت کو ناقابل تلافی نقصان قرار دیا ہے۔ (۴، ۶/نومبر ۲۰۱۴ء)

روزنامہ قدرت:

ممتاز عالم وعالمی مبلغ مولانا جمشید طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔

لاہور (قدرت نیوز) ممتاز عالم وعالمی مبلغ مولانا جمشید طویل علالت کے بعد لاہور کے نجی ہسپتال میں انتقال کر گئے، روزنامہ قدرت کی رپورٹ کے مطابق مولانا جمشید گزشتہ ایک ہفتے سے جناح ہسپتال لاہور کے آئی سی یو میں زیرعلاج تھے، جہاں وہ انتقال کر گئے۔ مولانا جمشید کی زندگی اشاعت دین کے کاموں میں گزری ہے، اور وہ طویل عرصہ سے تبلیغی جماعت سے وابستہ تھے، ملک اور بیرون ملک اشاعت دین کے لیے عظیم خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔

مبلغ اسلام مولانا محمد جمشید علی خان کی رحلت سے عالم اسلام میں جو خلا پیدا ہوا وہ کئی سالوں میں پورا نہیں ہوگا۔ ایک عالم کی موت پورے عالم کی موت ہے اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کو دین عالی کی خدمت کے لیے قبول فرماتے ہیں۔ ان کی خدمات پر دنیا ناز کرتی ہے۔ مولانا جمشید کی دینی، ملی، اصلاحی اور دین الٰہی کے نشر واشاعت کی خدمات بیان کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ مولانا جمشید نے اپنی پوری زندگی دعوت وتبلیغ اور دین کی نشر واشاعت کے وقف کر رکھی تھی۔ ان کا کردار امت مسلمہ کے لیے ایک مثال ہے وہ ہمیشہ دین کی فکر میں تڑپتے رہتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو لاکھوں گمراہوں کی ہدایت کا ذریعہ بنایا۔ (۴/نومبر ۲۰۱۴ء)

روزنامہ گجرات آن ائیر:

تبلیغی جماعت کے رہنماء مولانا جمشید کا انتقال

لاہور (سکندر اعوان سے) تبلیغی جماعت کے رہنماء مولانا جمشید علی خان طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ تفصیلات کے مطابق عالمی تحریک تبلیغی جماعت کے مرکزی رہنما اور مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے شیخ الحدیث مولانا جمشید علی خان ۸۵/ برس کی عمر میں برین ہمبرج کے باعث طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ وہ جناح ہسپتال لاہور میں زیرعلاج تھے۔ مرحوم مولانا جمشید علی خان کا جسد خاکی تبلیغی مرکز رائے ونڈ لایا

گیا تو سینکڑوں تبلیغی کارکنان ان کے آخری دیدار کو پہنچ گئے اور رش کے باعث ان کی میت کو مولانا محمد احسان الحق کے گھر لے جایا گیا۔ اُن کا جنازہ بروز ''منگل'' تبلیغی مرکز رائے ونڈ کے پنڈال میں ادا کیا گیا۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ مولانا جمشید علی خان امیر تبلیغ پاکستان حاجی محمد عبدالوہاب کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے اور وہ معروف مذہبی اسکالر مولانا طارق جمیل سمیت متعدد علماء کے استاد بھی تھے۔ ان کی وفات پر تمام مکاتب فکر نے گہرے دکھ اور رنج کا اظہار کیا ہے۔ (۴،۶/ نومبر ۲۰۱۴ء)

ماہنامہ لولاک ملتان:

نومبر ۲۰۱۴ء میں بہت سارے حضرات یکے بعد دیگرے اللہ رب العزت کے حضور چلے گئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ یہ ماہ شہرالحزن کا مصداق بن گیا۔

دعوت و تبلیغ کے عالمی رہنما، عالمی مبلغ اسلام و داعی، مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے نامور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب بھی اس ماہ وصال فرما گئے۔ آپ کا شمار دعوت و تبلیغ کے مرکزی اور ممتاز رہنماؤں میں ہوتا تھا۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے ممتاز تلامذہ میں شامل تھے۔ آپ کا وجود رحمت خداوندی کے حصول کا باعث تھا۔

دارالعلوم الحسینیہ شہداد پور کے نائب مہتمم مولانا محمد سلیم زید مجدہٗ مولانا محمد جمشید علی خانؒ کے فرزند نسبتی ہیں، اُن کی خدمت میں حاضری ہوئی، میں نے اُن سے مولاناؒ کی وفات پر اظہارِ تعزیت کیا اور مرحوم کے لیے دعا کی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بال بال مغفرت فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل کی نعمت سے سرفراز فرمائیں۔ آپ کے ورثا کے صدمہ میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اور ادارہ لولاک برابر کے شریک غم ہیں۔ حق تعالیٰ آپ کو جنت میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں۔ آمین بحرمۃ النبی الکریم (ماہنامہ لولاک ملتان ربیع الاول ۱۴۳۶ھ)

ماہنامہ الغفور:

۹/محرم الحرام ۱۴۳۶ھ کو عالم فانی سے ایک عالم رَبانی مبلغ اِسلام حضرت مولانا

محمد جمشید علی خان صاحب نور اللہ مرقدہٗ قضاء الٰہی سے رَبّ ذوالجلال سے جاملے۔ کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ حضرتؒ کی قبر سے خوشبو آرہی ہے تو مولوی عبدالغفور صاحب حفظہ اللہ نے مولانا عبیداللہ خورشید صاحب زید مجدہٗ جو کہ حضرتؒ کے صاحبزادے ہیں ان سے اس واقعہ کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے بھی اس واقعے کی تصدیق کی۔
(ماہنامہ الغفور جنوری ۲۰۱۵ء ربیع الاول ۱۴۳۶ھ)

ماہنامہ حق نوائے احتشام کراچی:

تبلیغی جماعت کے مشہور بزرگ، ممتاز عالم دین اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل حضرت مولانا جمشید علی خان صاحب ۹/محرم ۱۴۳۶ھ ۳/نومبر ۲۰۱۴ء کو اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ مولانا محمد جمشید علی خان صاحبؒ کو معتدل، مصلح اور ہمدرد قوم میں شمار کیا جاتا ہے۔ مولاناؒ کا بیان نہایت سادہ، تقریر معتدل اور سمجھانے کا انداز عمدہ تھا، اِس لیے جو اُن کی تقریر سنتے اثر لے کر واپس ہوتے، اللہ تعالیٰ مولاناؒ کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو اُن کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (ماہنامہ حق نوائے احتشام کراچی صفر ۱۴۳۶ھ دسمبر ۲۰۱۴ء)

مجلّہ المصطفیٰ بہاول پور:

ماہِ نومبر ۲۰۱۴ء میں اُمت مسلمہ بالخصوص وطن عزیز پاکستان کو گہرے صدمہ کا سامنا کرنا پڑا۔ ۳/نومبر کو مدرسہ عربیہ رَائے ونڈ کے شیخ الحدیث اور تبلیغی جماعت کے جلیل القدر بزرگ حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحلت فرما گئے۔

حضرت مولانا جمشید رحمہ اللہ متبع سنت، تقویٰ و تواضع اور للّٰہیت کے پیکر، اُمت محمدیہ کے لیے فکر مند و غم خوار اور مستجاب الدعوات تھے۔ مولاناؒ علم و فراست، اِخلاص، قوتِ کلامی، اِفہام و تفہیم اور حکمت و تدبر کے عظیم شہسوار تھے۔ مہمانوں کے ساتھ گھل مل جانا اور اللہ کے رَاستے میں نکلنے والے مہمانوں کی خدمت حتیٰ کہ رَاتوں کو چھپ کر بیت الخلاء صاف کرنا ایسی مشہور و معروف خصلتیں ہیں جو کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔

حضرتؒ کا بیان کرنے کا مخصوص انداز تھا بات کے مطابق آواز کا اُتار چڑھاؤ،

محاوروں اور قافیہ بندی کا برموقع اِستعمال، ایک ایک لفظ کو ٹھہر ٹھہر کے نہایت ہی شیریں لہجے میں وَاقعات کی ایسی دِل نشین تشریح کرتے کہ سننے والوں کے دل و دماغ معطر ہوجاتے۔

آپ کا اِنتقال سالانہ عالمی تبلیغی اِجتماع سے ۳ر دِن قبل ہوا۔ یہ ناگہانی خبر چند گھنٹوں میں پورے ملک میں پھیل گئی۔ بہت سے لوگ رَات ورَات سفر کرکے پہنچ گئے۔ دِیدار کے لیے بڑے نظم وضبط سے قطاریں بنائی گئیں۔ جنازہ پڑھنے وَالوں کی اکثریت اللہ کی رَاہ کے مسافر، حفاظ، قراء، علماء، مفتیان، مشائخ اور طلباء کرام تھے۔ اِنسانوں کا ایک جم غفیر تھا۔ بالآخر اللہ کی رَاہ کا یہ دیرینہ مسافر رَائے ونڈ مرکز کی آغوش میں ہمیشہ کے لیے محوِ اِستراحت ہوگیا۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ مغفرۃ (مجلّہ المصطفیٰ بہاول پور ربیع الاول ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ)

ماہنامہ الخیر ملتان:

۹ر محرم ۱۴۳۶ھ کو مرکز تبلیغ رَائے ونڈ کے رُوحِ رَوَاں اور مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے شیخ الحدیث، دَاعی کبیر حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحبؒ نے دَاعی اجل کو لبیک کہا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

حضرتؒ سفر وحضر میں ضروری اُمور کی انجام دَہی کے بعد باقی وَقت تلاوَت، ذِکر و مراقبہ میں گزارتے تھے۔ اندرون و بیرون ملک سینکڑوں سفر اللہ کے دِین کو دُوسروں تک پہنچانے میں کیے، آخری وَقت تک دِینی جدوجہد میں مصروف رہے۔

آپ کے جنازہ میں جامعہ خیر المدارس ملتان سے اُستاذ الحدیث حضرت مولانا منظور احمد، مولانا مفتی عبدالحکیم، مولانا معاویہ محمود، مولانا عبدالمنان اور رَاقم السطور محمد ازہر کو بھی جنازہ میں شرکت کی سعادَت نصیب ہوئی۔ بلاشبہ آپ کا جنازہ رَائے ونڈ کی تارِیخ کا سب سے بڑا جنازہ تھا، تاحدنظر اِنسان ہی اِنسان نظر آتے تھے، کچھ بعید نہیں کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے بھی خدا تعالیٰ کے اِس محبوب ومقرب بندے کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے ہوں اِس لیے کہ ع

عاشق کا جنازہ ہے ذَرا دھوم سے نکلے

دُعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ حضرت مولاناؒ کی حسنات کو قبول فرما کر دَرَجاتِ عالیہ نصیب فرمائیں اور آپ کے نسبی ورُوحانی پسماندگان کو شریعت کے مطابق آپ کے نقش قدم کی پیروِی نصیب فرمائیں۔ آمین (ماہنامہ الخیر ملتان صفر ۱۴۳۶ھ دسمبر ۲۰۱۴ء)

مجلّہ صفدر گجرات:

تبلیغی جماعت کے بزرگ راہنما، حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے مسترشد اور شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کے شاگرد، مدرسہ عربیہ رائے ونڈ کے استاذ الحدیث حضرت مولانا جمشید صاحب اس دارِ فانی کو چھوڑ کر دارِ حقیقی کی طرف روانہ ہوگئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

یقیناً ہر شخص نے اپنے وقت پر اس دار فانی کو چھوڑ کر جانا ہے لیکن کامیاب شخص وہ ہے جو اپنی زندگی میں زندگی کے مقصد کو پورا کر کے جائے اور پیچھے والوں کے لیے اس کی زندگی اُسوۂ حسنہ ہو، یقیناً حضرت رحمہ اللہ ایسے ہی چند گنے چنے لوگوں میں سے ایک تھے اور ان کی زندگی ہم سب کے لیے مشعل راہ ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ حضرت مفتی عبد الواحد صاحب دامت برکاتہم کے ادارہ سے جاری ہونے والے رسالہ ''دار التقویٰ'' نے حضرت رحمہ اللہ کی سوانح پر ایک خاص نمبر نکالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مجلّہ صفدر ان احباب کو اس فیصلے پر مبارک باد پیش کرتا ہے، ان کی کامیابی کے لیے اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں دست بدعا ہے اور اپنے قارئین سے بھی ان حضرات سے تعاون اور خاص دعا کی استدعا کرتا ہے۔ (مجلّہ صفدر صفر ۱۴۳۶ھ دسمبر ۲۰۱۴ء)

ماہنامہ وفاق المدارس ملتان:

۹ر محرم ۱۴۳۶ھ بروز پیر دعوت وتبلیغ کے بزرگ عالمی مبلغ حضرت مولانا محمد جمشید علی خانؒ زندگی کی چھیاسی بہاریں گزار کر دارِ بقا کے سفر پر روانہ ہوگئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

اصلاحِ باطن اور تزکیہ نفس کے لیے آپ نے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب

رحمہ اللہ کا دامن تھاما تھا اور سلوک کے اعلیٰ مقامات حضرتؒ کی نگرانی میں طے کیے۔ ۱۹۶۴ء میں آپ نے تبلیغی ترتیب پر سات چلے لگائے۔ (اُس وقت علماء کے لیے نو چلوں کی ترتیب طے نہیں ہوئی تھی۔)

آپ کے علومِ ظاہریہ اور باطنیہ سے فیض حاصل کرنے والوں کی تعداد ملک و بیرونِ ملک ہزاروں سے متجاوز ہوگی، صرف امسال مدرسہ عربیہ رائے ونڈ سے دورہ حدیث شریف مکمل کر کے دستارِ فضیلت حاصل والے آپ کے تلامذہ کی تعداد پانچ سو باسٹھ (۵۶۲) ہے، جن میں پاکستان کے علاوہ بیرون ممالک کے ننانوے (۹۹) طلباء شامل ہیں۔ آپ کی وفات اُمت مسلمہ کے لیے عظیم سانحہ ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی کامل و مکمل مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین (ماہنامہ وفاق المدارس صفر ۱۴۳۶ھ دسمبر ۲۰۱۴ء)

فضيلة الشيخ محمد جمشيد على خان الى رحمة اللّٰه

بقلم: عامر خالد

بسم اللّٰه الرحمن الرحيم

لقد شهدت منطقة رائي وند بمديرية لاهور في مقدمة ليلة العاشر من المحرم 1436ه حدثا مفجعا وأمرا غطى مئات الآلاف من الناس بالحزن و القلق، ألا وهو وفاة الشيخ الداعية شيخ الحديث مولانا محمد جمشيد على خان رحمه اللّٰه تعالىٰ، انا للّٰه وانا اليه راجعون ان للّٰه ما أخذ وله ما أعطىٰ وكل شيء عنده بأجل مسمىٰ۔

ولاشك ان وفاة الشيخ الراحل تمثل خسارة فادحة للدعوة الاسلامية والعالم الاسلامى بأسره، فقد كان رحمه الله رمزًا عظيمًا فى مجال الفكر والدعوة الاسلامية وان حزننا لا يعادله الا الابتهال الى الله بأن يطيب ثراه وأن يجعل الجنة مثواه۔

وفيما يلى سأحاول أن اكشف القناع عن بعض جوانب حياته ان شاء اللّٰه، أما الاستيعاب فهو لن يمكن لمثلى ولاسيما نحو هذا العالم الراحل الذي قضى معظم حياته لنشر الدين وخدمته، دون أن يتوقف وبدون أي تمييز بين وقت وآخر، فكانت حياته حافلة بالجهود الجبارة والمتفانية و بالانجازات التى تثير الحيرة والاستغراب.

ترجمة الشيخ رحمه اللّٰه

اسمه و مولده ودراسته:

هو العالم الجليل والداعية وشيخ الحديث ورئيس المدرسين ورمز من رموز الدعوة الاسلامية فى العالم كله فضيلة الشيخ محمد جمشيد على خان رحمه الله تعالىٰ۔

ولد فى منطقة بهيسانى بمديرية مظفر نكر الهند فى سنة 1928 م.

استفتح دراسته فى المدرسة الدنياوية بقريته ثم حالفه الحظ السعيد وبدأ

حفظ القرآن الكريم.

وبعد ما أتم الحفظ انتقل الىٰ المدرسة مفتاح العلوم بجلال آباد بمديرية مظفر نكر ودرس علوم النحو والصرف والأدب وأصول الفقه تحت اشراف الشيخ مولانا مسيح اللّٰه خان رحمه اله، خليفة الشيخ مولانا اشرف على التهانوي رحمه اللّٰه۔

ثم انتقل الى تلك الجامعة الزهراء التي تسمى بأزهر الهند أعنى الجامعة الاسلامية دار العلوم الديوبندية حيث أكمل بقية مراحل الدراسة حتى تخرج في سنة 1952م.

شيوخه:

درس على العديد من الشيوخ الكرام، من أبرزهم شيخ العرب والعجم المجاهد الداعية، الداهية، السيد مولانا حسين أحمد المدني وشيخ الأدب مولانا اعزاز علي والشيخ ابراهيم البلياوي- رحمهم اللّٰه وجزاهم اللّٰه عنا وعن جميع المسلمين أحسن الجزاء۔

تلامذته:

أما تلامذته فلا أقول عنهم سوى أن الشيخ درس قرابة ستين(60) سنة بصورة مستمرة فهم أكثر من الآلاف، من بينهم العرب والعجم، وهم من بلاد مختلفة روسيا وافريقيا والولايات المتحدة والبريطانية والماليزية والتاليندية ونحو ذلك۔

جهوده ومناصبه:

شغل الشيخ الراحل عدة مناصب في حياته الحافلة ، مثل منصب شيخ الحديث في "دار العلوم تندو اله يار" باقليم "السند" تحت اشراف الشيخ مولانا ظفر أحمد العثماني - رحمه اللّٰه- صاحب "اعلاء السنن"، ثم انتقل الى مدرسة عربية رائي وند في سنة 1964م حيث اشتغل كمدرس أولا، ثم بعد وفاة الشيخ مولانا ظاهر شاه رحمه اللّٰه في 1997م تلقى منصب شيخ الحديث ومنصب رئيس المدرسين بمدرسة عربية برائي وند وبقى عل هذا حتى انتقل الى

جوار رحمة اللّٰه عليه۔

وكان الشيخ رمز الاخلاص و العطف على الطلبة و الجهد الدؤوب في مهامه بحيث لا يمنعه شيء مهما خطب الأمر وعظم، وكان يبدو من جهده كأن اللّٰه قيضه لأمور الدعوة في هذا العصر.

رحلاته:

كانت الحركة والتنقل من مكان الي مكان، جزء من حياته، فلا عجب لمثل هذا الراحل الذي يعد رمز الدعوة الاسلامية أن يسافر الى عدة بلاد عربية وأوربية وافريقية وطاف جميع البلد والمدن تقريبا بالمناسبات المختلفة من مناصرة الجماعة وعقد الاجتماعات والقاء الكلمات.

مواظبته على التدريس:

كان شديد الاهتمام بالتدريس ولم يكن يتصور أنه يتعطل حتى اتفق مرات أن مولانا رحمه الله في الطريق الى رائي وند بالقطار فنزل في محطة رائي وند ودرس ثم مضى في سفره بقطار آخر، وشاهدنا طوال السنة الأخيرة (سنة دورة الحديث) للتخرج أن الشيخ يدرس صحيح للامام البخاري رحمه الله قبل صلاة الفجر ليشتغل بعد الصلاة في شؤن الدعوة.

مرضه ووفاته:

كان يعاني من كثير من الامراض، من أعظمها مرض النسيان، وألم في ركبتيه فكان يستخدم عربة النقل لتنقل، وأدخل آخر مرة في المستشفى "جناح" بمدينة لاهور و بقى فيه حتى أفل هذا النجم بعدما غربت شمس التاسع من محرم الحرام 1436ه.

أغدق اللّٰه عليه شآبيب رحمته وأسكنه في فسيح جناته وألهم الصبر أهله وأصحابه وارزقنا جميعا اتباعه، آمين

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چند

بیانات

رائے ونڈ کے جوڑ میں پرانوں سے خطاب

۲۸ مارچ ۱۹۸۵ء

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا!

میرے بھائیو اور دوستو! آج پہلی بات یہ کہ تبلیغ کا کام رواجی نہیں ہے اور خطرہ یہ ہے کہ کہیں رواجی نہ بن جائے اور بن جانے کے بعد پھر اس کے اندر کوئی جان نہیں رہے گی جب تک کوئی چیز اپنی بنیادوں پر رہے گی بہت سے اہل خیر کو بڑی بڑی توقعات ہیں۔ یہ بات نہیں کہ دنیا میں خیر کے کام نہیں ہو رہے بہت سے خیر کے کام ہو رہے ہیں لیکن فی جملہ خیر کے کاموں پر دنیاوی نظاموں نے قابو پالیا یعنی کرنے والوں کے ذہن میں یہ بات ہے کہ ہم کس طرح کام کریں کہ ہمارا دین بچ جائے یعنی جس شکل پر جو پڑا ہے اس کے بچانے کی فکر ہے۔ ان حالات میں مٹے ہوئے دین کے زندہ کرنے کا تو فکر ہی نہیں جن جن شکلوں پر پڑ گئے ان شکلوں کے بچانے کی فکر ہے اور دنیاوی نظام اس طرح چکر کاٹ رہے ہیں کہ جو رہا سہا دین ہے وہ بھی نہ رہے مٹ جائے۔ فتنے جب آتے ہیں اس طریقے سے نقصان پہنچاتے ہیں۔

بھائیو دوستو! ان سب فتنوں سے بچانے کا راستہ ایمان کی محنت ایمان کی بنیادوں پر کرنے میں ہے جب ایمان کی محنت ایمان کی بنیادوں پر کی جائے گی تو فتنوں کے دور ہونے کی شکل خدا پیدا کر دیں گے، آج ممالک میں فتنے موجوں کی طرح آ رہے ہیں دنیاوی اسباب و وسائل کے ذریعے ان کو روکا نہیں جا سکتا ان کے روکنے کی ایک ہی سبیل ہے ایمان کے کام کو ایمان کی بنیاد پر کیا جائے۔ ایمان کی بنیاد یہ ہے کہ اسباب و وسائل سے نظر ہٹا کر صرف اللہ رب العزت کی غیبی طاقت پر نظر رکھ کر کام کو کیا جائے۔ آج یوں تو خیال آتا ہے کہ اگر ہزاروں لاکھوں کام کرنے والے ہو جائیں گے کام یوں ترقی کر جائے گا۔ حالانکہ یہ اکثریت کا یقین ہے اور ہمارے کام کو بے جان کرنے والی

چیز ہے کام کی اساس و بنیاد غیبی طاقت نصرت پر ہے اسباب و وسائل پر کام کی اساس و بنیاد نہیں ہے۔ جس دن اسباب پر نظر آ جائے گی غیبی طاقت نصرت چھوڑ دے گی کام کی جان نکل جائے گی۔ حنین میں بارہ ہزار مسلمان صحابہ کرامؓ جیسے مجمع میں خود سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہیں چار کی نظر کثرت پر پڑ گئی چار ہزار کا مجمع کافروں کے مقابلے میں جب اپنی کثرت پر نظر پڑی اللہ رب العزت نے اپنی مدد ہٹا دی چار ہزار کافر آگے بڑھے مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا، اکیلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رہ گئے ارشاد فرمایا میں جھوٹا نبی نہیں ہوں۔ عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ تو صحابہ کرامؓ نے جب آواز و نداء سنی چاروں طرف سے بھاگے کچھ مجمع اکٹھا ہو گیا سب کے دلوں کی توجہ خدا پر گئی اپنے سے نظر ہٹ گئی اسی آن اللہ رب العزت کی مدد آ گئی۔ ان تھوڑے سے صحابہؓ نے چار ہزار کافروں کو شکست دی۔ جب اپنے پر نظر پڑی تو بارہ ہزار کو شکست ملی قیامت تک کے لیے اللہ رب العزت نے دستور بتایا **و یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً** (القرآن) حنین کے دن جب تمہاری نظر اپنی کثرت پر پڑی تو خدا نے مدد ہٹا دی تمہاری کثرت تو کچھ بھی نہ کر سکی **و ضاقت علیکم الارض بما رحبت** (القرآن) زمین تم پر تنگ پڑ گئی۔ اللہ رب العزت کی جب نظر ہٹ جاتی ہے زمین وسعت کے باوجود تنگ ناکافی ہو جاتی ہے۔ آسمان بھی اسباب بن کر آ جائے سمندر بھی سارے ساتھ ہو جائیں، لکڑی، لوہا، پیتل، تانبہ، فرشتے بھی اگر آ جائے اللہ کی نظر ہٹنے کے بعد سارے ملک بھی فائدہ نہ پہنچائیں کام کرنیوالوں کی سوفی صد بنیاد غیبی طاقت ہے۔ اسباب ظاہری نہیں ہیں۔ جوں جوں جتنی جتنی غیبی طاقت پر نظر جاتی جائے گی اجتماعی اور انفرادی حادثوں میں ہر لائن سے خدا ہی کی طرف رجوع بڑھتا جائے گا جو اسباب نصرت کو روکنے والے ہیں ان کے دور کرنے میں لگا جائے گا اللہ کی نصرت والے اسباب تلاش کیے جائیں گے ان کی کمیوں کو پورا کرنے میں لگ جائیں گے جن سے خدا کی نظر میں انسان گر جاتا ہے جس سے خدا کی مدد مٹ جاتی ہے ان اسباب کی تلاش کر کے دور کرنے میں لگ جائیں گے خدا کی نظر رحمت آئے گی، توں توں کام میں

آگے بڑھتے جائیں گے۔

اساس و بنیاد اس کام کی اسباب و وسائل نہیں ہیں خدا کی مدد اور خدا کا سہارا ہی ہے اس کے لیے پہلی طاقت ایمانی ہے دوسری اعمالی ہے ایک ہے ایمان کی طاقت اور اس کے ساتھ اعمال والی طاقت ایمان و اعمال کے ساتھ خدائی طاقت ہے زمین میں خدا نے کچھ اثر رکھی آسمانوں کی شکلیں خدا نے بنائی، لوہا، پیتل، تانبہ، آگ پانی یہ سب کا سب خدا کا بنایا ہوا ہے جو کچھ اس کو دیا ہے۔ اللہ نے دیا ہے۔ **اعطیٰ کلَّ شیءٍ خلقه ثم هَدٰی** القرآن۔ ہر ہر چیز کو پیدائشی طور پر جو کچھ ملا ہے۔ اللہ رب العزت ہی نے دیا ہے جو لوگ خدا پر سہارا کر کے چلیں گے ایمان یقین اعمال توکل والے بن جائیں گے اگر توکل کی حقیقت نصیب ہو گئی اس توکل کی حقیقت سے ایٹم بم کی حقیقت، مادی ساری طاقت ہیچ ہیں۔ جب توکل ایمان و تقویٰ کے، یقین و اعمال کی طاقت ساتھ ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہی بات اللہ رب العزت کی جناب میں درخواست کی، میں فقیر مسکین آپ بھیج رہے ہیں بادشاہ، وزیر، جہاں مجھے بھیجا جا رہا ہے اسباب ان کے ہاتھ میں ہیں سارا اسباب تو ان کو دیے، نہتا فقیر بنا کے مجھے بھیج رہے **ولهم علی ذنب فأخاف ان یقتلون** o

میں پہلے ہی سے خائف ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے جو میرے قتل کا فیصلہ کر چکے ہوں آپ مجھے وہاں بھیج رہے میری زبان میں لکنت ہے بھائی جان کو میرے ساتھ کر دے اللہ رب العزت نے دونوں درخواستیں منظور فرمائی ایک تو یہ کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو ساتھ کر دیا اجازت دیدی نبوت عطا فرما دی۔ دوسرے کا جواب دے دیا کہ تو جو اکیلے نہتے سمجھ کے جا رہے ہو۔ **اننی معکما أسمع و اریٰ** یہ طاقت لے کے جاؤ میں خود تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ اس کے ساتھ لوہا، اس کے ساتھ سونا، اس کے ساتھ فوج، اس کے ساتھ حکومت، اس کے ساتھ ہتھیار، اس کے ساتھ ملک مصر، اس کے ساتھ وزراء، اور تیرے ساتھ ہے اللہ۔ ہمیں لے کے جاؤ گے اعمال کے ساتھ، خود خدائی طاقت تمہارے ساتھ ہے۔ ان اسباب کی وہ محتاج نہیں ہے، یہ سارے اسباب

عرش سے لے کر فرش تک یہ سب نبوت و دعوت کے سہارے خدا نے کئے ہیں۔ پیغمبروں کو اللہ رب العزت نے اپنا سہارا دیا ہے، مخلوق کا سہارا نہیں دیا ہے، مخلوق پر نہیں چھوڑا ہے۔ اپنے اوپر رکھا ہے تم ہماری بات مان کے چلتے رہو ہم تمہاری بات مانتے رہیں گے۔ مدد اللہ کی۔ پیغمبر اکیلے نہتے، ساری مخلوق سامنے، اکیلے حضرت ابراہیم علیہ السلام، اکیلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

بھائیو دوستو! محنت جو کرنی ہے تو وہ غیبی طاقت کو ساتھ لینے کی محنت کرنی ہے اسباب کو ساتھ لینے کی محنت موضوع ہی نہیں۔ موضوع جو ہے وہ یہ ہے کہ غیبی طاقت کتنی ساتھ ہے۔ غیبی طاقت وہ پیسوں کے ساتھ نہیں ہتھیاروں کے ساتھ نہیں صنعت کے ساتھ نہیں فوجوں کے ساتھ نہیں زمین کے ساتھ نہیں تجارت کے ساتھ نہیں سمندروں کے ساتھ نہیں ان اسباب کے ساتھ نہیں۔ **ان اللہ مع الصبرین** صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہے۔ **ان اللہ مع المتقین** خدا سے ڈر کر چلنا ہے۔ جتنا خدا سے ڈر کر چلنا ہے اتنا ہی خدا ساتھ ہے۔ اگر پورا پورا ڈرنا آ گیا تو پوری پوری خدا کی مدد آ گئی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عمر بن خطابؓ کو مشورہ دیا کہ اے عمرؓ ادھر مال غنیمت آتا ہے، آپ ادھر تقسیم کر دیتے ہیں، بیت المال کو روز جھاڑو دلواتے ہیں۔ چونکہ حکومت کی سکیمیں روپے پیسے پر چلتی ہیں۔ اس لیے حضرت عمر بن خطابؓ کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے مشورہ دیا کہ پیسوں کو کچھ بیت المال میں ٹھہرنے دیں۔ حضرت عمر بن خطابؓ کو غصہ ہی تو آ گیا۔ بات غصہ کی یہ تھی کہ کس پہلو پر لے جا رہے ہو۔ فرمایا یہ بات شیطان نے تمہاری زبان پر ڈالی ہے۔ اور میری زبان پر اللہ رب العزت نے اس کا جواب ڈالا ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ امیر المومنین بن کر بول رہے ہیں وہ کسی گھر کے فرد یا کسی خاندان کے فرد یا کسی قبیلے کے سردار بن کر یا کسی گھر کے ذمہ دار بن کر نہیں بول رہے۔ کسی ایک گھر کو لے کر نہیں چل رہے کسی ایک خاندان قبیلے کو لے کر نہیں چل رہے وہ پوری امارت کے کام کو لے کر چل رہے عبادت بھی چل رہی اس میں جہاد بھی ہو رہے دعوت بھی ہو رہی، تعلیم بھی چل رہی ذکر بھی چل رہا۔ خدمت بھی چل رہی، سارا

نظام چل رہا ہے وہ ایک امیر المومنین بن کر بول رہے ہیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بیت المال میں پیسے کو روکنے کا مشورہ دیا۔

بھائیو دوستو! حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بہت بڑے صحابیوں میں سے ہیں، یہ جو میں کہہ رہا ہوں یہ تو حضرت عمرؓ کی بات کی نقل ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بہت بڑے اونچے صحابہؓ میں سے ہیں، حضرت عمر کا ان سے ایسا فرمانا، یہ ان ہی کا حق ہے اور ان کی آپس کی بات ہے۔ ہمارے لیے وہ دونوں بڑے ہیں۔ اب حضرت عمرؓ نے یہ بات فرمائی کہ شیطان نے یہ بات تمہاری زبان پر ڈالی اور اللہ رب العزت نے اس کا جواب میرے زبان پر ڈالا ہے۔ ہم اسی تقوے پر رہتے ہوئے کاموں کو چلائیں گے جن پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چلایا ہے ہماری حاجتیں ہماری ضرورتیں ہمارے کام کا بنیاد تو تقویٰ ہے پیسہ نہیں **ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ من امرہ یسیرا** (القرآن)۔ جو اللہ سے ڈر کر چلے گا اس کی شکل کو خدا آسان فرما دیں گے۔ مشکلات کا حل تقویٰ میں ہے مشکلات کا حل مال میں نہیں، مشکلات کا حل اسباب میں نہیں، مشکلات کا حل چیزوں میں نہیں، مشکلات کا حل ان سامانوں میں نہیں عہدوں میں نہیں حکومتوں کے ہاتھوں میں نہیں فوجوں کے ہاتھ میں نہیں ہتھیاروں کے ہاتھ میں نہیں۔ مشکلات کا حل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور تقویٰ کے ذریعے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے **ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ من امرہ یسرا** (القرآن) کہ جو خدا سے ڈرے گا اور ہر موقع پر خدا سے ڈر ڈر کے چلے گا اللہ رب العزت اس کے ہر مشکل کو آسان فرمائیں گے۔ مشکلات کا حل ہر موقع کا تقویٰ ہے۔ اس موقع پر اللہ کیا کہہ رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ اسلام کو بڑی زبردست مشکل پیش آ گئی اتنی بڑی مشکل پیش آ گئی کہ پوری حکومت مارنے اور ہلاکت پر اتر گئی اور پوری حکومت نے انتظام کر لیا چار دیواری بنوا دی لکڑیوں سے پٹوا دی آگ بھی جلوا دی چاروں طرف ارکان دولت وزراء کا مجمع جمع ہو گیا منظر دیکھنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام پکڑ لیے گئے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے گئے منجنیق کا تجربہ کر دیا گیا اس قدر زبردست شکل ہے کہ حضرت

ابراہیم علیہ السلام کو باندھ کر منجنیق پر بٹھا کر اس آگ کے ڈھیر میں پھینک دیں گے فرشتے تک چیخ اٹھے کہ ہذا خلیل۔ رب العزت تیرا دوست اللہ رب العزت نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو فرمایا **فاذھب الیہ**۔ جا کر پوچھو میرا خلیل کیا چاہتا ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے کہا **کوئی لک الحاجۃ** حاجت ہے تو ایمان کی اور تقوی کی۔ سطح وہاں تک پہنچ چکی تھی۔ اللہ کو سامنے رکھ کر چلنے کی سطح وہاں تک پہنچ چکی تھی کہ فرشتوں سے بھی آگے چلے گئے یعنی فرشتوں کے استعمال سے بھی اوپر گئے۔

ایمان کی ایک سطح وہ ہوتی ہے کہ آدمی اپنی حاجات میں خدا کے سوا کسی طرف فرشتوں تک بھی نظر لیجانا نہیں چاہتا مطلب یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے آپ کو پیش کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا **اَما الیک فلا جبرئیل** مجھے حاجت تو ہے مگر تمہارے سے نہیں اچھا اللہ ہی سے مانگ لو جواب دیا حاصل جواب کا یہ ہے کہ میرے مالک کو میرے حال کا پتہ ہے مجھے اتنا ہی کافی ہے اب وہ مقام آ گیا کہ درخواست دینے کی بھی حاجت نہیں میرے مولا کو میرا پتہ ہے **حسبی اللہ و نعم الوکیل نعم المولیٰ و نعم النصیر** صرف اللہ کافی ہے بس اللہ رب العزت نے دیکھ لیا کہ یہ میرا بندہ میرے سوا کسی طرف نظر نہیں لے جا رہا کسی فرشتے کو بھی خدا نے واسطہ بنانا گوارہ نہیں کیا براہ راست آگ کو خطاب آ گیا **قلنا یا نار کونی برداً وسلاماً علی ابراھیم** (القرآن)۔ ہم نے کہہ دیا سلامتی والی ٹھنڈی ابراہیم پر بن جا۔ بس تو اتنی بڑی مشکل کا حل خدا پر نظر، خدا سے ڈر، ہر مشکل کا حل اللہ کے پاس ہے اللہ رب العزت مجھے آپ کو ہر کلمہ گو کو یہ دولت عطا فرما دیں۔

تو میرے بھائیو دوستو! ایک ہے ان اعمال ان صفات کے اندر ہر وقت لگنا اور ان کی فکر میں رہنا کہ جن پر غیبی طاقت ساتھ ہو۔ راستہ اس کا دعوت ہے اللہ رب العزت مجھے اور آپ کو دعوت کی حقیقت عطا فرما دیں اور دعوت کیا ہے؟ اللہ سے ہوگا بغیر اللہ کے نہیں ہوگا پیغمبر کے طریقے پر اللہ کرتے ہیں جو پیغمبر کا طریقہ چھوڑ دے تو خدا بھی اس کو چھوڑ دے۔ آسان سی سیدھی بات ہے اکیلے تن تنہا اللہ سے ہو یہ عرش سے لے کر فرش

تک سارے مل جائے اور اللہ ساتھ نہ ہو تو ایک تنکا ہلنے نہ پائے۔ عرش سے لے کر فرش تک سب مل کر کسی کو کوئی نقصان پہنچانا چاہیں اللہ رب العزت کا ارادہ ساتھ نہ ہو تو یہ سب مل کر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا فرشتے بھی جمع ہو جائیں خدا کا ارادہ نہ ہو تو نہ ہو، ہو اللہ سے ہو، دعوت ہی یہ ہے کہ اللہ سے ہو یہ جو کچھ ہوا یہ اللہ سے ہوا عرش اللہ نے بنایا فرش زمین اللہ نے بنائی یہ اللہ ہی کی ہے آسماں اللہ کا ہے سورج چاند اللہ کے ہیں اللہ رب العزت کی ہے ہوا، اللہ رب العزت کے ہیں پہاڑ، سمندر اللہ رب العزت کے ہیں یہ لوہا اللہ رب العزت کا ہے یہ آگ اللہ رب العزت کی ہے یہ سارے انسان اکیلے اللہ رب العزت نے بنائے سارے فرشتوں کو بنانیوالے اکیلے اللہ ہیں یہ سارا کائناتی نقشہ تن تنہا آسمانوں کے بنانے میں کسی فرشتے کا ہاتھ نہیں لگا۔ زمین کے بنانے میں کسی فرشتے نے گارا مٹی نہیں پکڑایا، لوہا، پیتل، تانبہ معدنیات کانیں بنانے میں کسی بھی مخلوق کا کہیں ہاتھ نہیں لگا اکیلے اللہ نے سارا نقشہ بنایا ہے اور وہ ایسے ایسے نقشے کروڑ ہا بنا دے وہ ایسے ایسے نقشے بے شمار بنا دیں بغیر کسی محنت کے بنا دے بغیر کسی کوشش کے بنا دے محض اپنے ارادے سے بناا اور ارادے سے بنا دیں۔ ساری کائنات کی حقیقت خدا کا ارادہ ہے اسی کے ارادے پر ٹھہرے ہوئے اسی کے ارادے کھڑے ہوئے اسی کے ارادے سے یہ چل رہے اسی کے ارادے کے ساتھ ان کی حیات ہے اسی کے ارادے کے ساتھ ان کی بقاء ہے اسی کے ارادے سے ان کی موت۔ سارے درندوں کی چرندوں اور پرندوں کی مچھلیوں کی کیڑے مکوڑوں کی اور سارے انسانوں کی حاجتوں کا اکیلا وحدہ لاشریک پورا کرنے والا ہے۔ کسی کا اس کو سہارا نہیں کسی کے سہارے کو اس کی حاجت نہیں سب کے سب لینے والے اور اکیلا وہ دینے والا۔ دینے میں اکیلا ہے لینے میں ساری مخلوق ہے سارے پرندے اس سے لے رہے سارے درندے اس سے لے رہے ساری مچھلیاں اسی سے لے رہی سارے فرشتے اسی سے لے رہے سورج چاند ستارے سب اسی سے لینے والے۔ سب محتاج، وہ اکیلا غیر محتاج ہے سارے کے سارے اس کے محتاج ہیں درخت اس کے محتاج، پہاڑ اس کے محتاج زمینیں اس کی محتاج،

وہ کسی کا محتاج نہیں **اعطیٰ کل شئ خلقه ثم هدی** (القرآن) ہر ایک کو پیدائشی ساری چیزیں اس نے دیں۔رزق کا انتظام بھی اپنے ذمہ لے رکھا ہے **وما من دابة فی الارض الا علی الله رزقها** (القرآن) ہر چلنے پھرنے والے کا ہر جان دار کا رزق اللہ کے ذمہ پر ہے اللہ میاں ہی سب کو کھلانے پلانے اور دینے والے ہیں۔

بھائیو دوستو! دعوت ہے کہ اللہ سے ہو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہو۔اب کرنی ہی دو باتیں ہیں ایک یہ کہ خدا سے ہونا یہ دل میں بیٹھ کر عمل میں آجائے۔دل میں بیٹھے اور عمل میں آئے اگر یہ بات دل میں بیٹھ گئی دکانداروں کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اللہ سے ہو تو کوئی دکان دار بھی دکان کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو چھوڑ کر نہیں چلائے گا۔ جب دکان دار کا یقین یہ ہے کہ اللہ سے ہو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہو تو اب دکان بعد میں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ پہلے ہے۔پہلے یہ طریقے دیکھے گا کہ میرے دکان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کتنے چالو ہیں اور اللہ کے احکام کتنے چالو ہیں جتنے اللہ کے احکام دکان میں آگئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے دکان میں آگئے تو یہ دکان دنیا و آخرت میں خیر کے اترنے کا ذریعہ جنت دلانے کا ذریعہ قبر میں کامیابی کا ذریعہ حشر میں کامیابی کا ذریعہ پل صراط پر کامیابی کا ذریعہ بن گئی۔اور جتنے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے دکان میں ٹوٹ گئے اور دکان میں سے چھوٹ گئے یہ دکان دنیا میں بھی پکڑانے کا ذریعہ بن گئی اور قبر میں بھی پٹوانے کا ذریعہ بن گئی اور حشر میں پٹوانے کا ذریعہ بن گئی اور پل صراط پر بھی کٹ کر گرنے کا ذریعہ میری دکان بن گئی۔جہنم میں پٹنے کا ذریعہ بن گئی۔اس وجہ سے بنی کہ اس میں اللہ کے لاڈلے نبی کے طریقے چھوٹ گئے اور اللہ کے احکام میری دکان میں ٹوٹ گئے۔خوشی اس کی نہیں کہ دکان لاکھ کی تھی کروڑ کی ہوگئی غم اس کا ہے کہ خدا کے احکام اس میں ٹوٹ گئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اس میں سے چھوٹ گئے۔اگر اندر میں ایمان بن گیا تو دکان کے نہ لاکھ کو دیکھے گا نہ کروڑ کو، نہ نفع کو دیکھے گا نہ نقصان کو اس کا تو نفع یہ ہے کہ میری

دکان میں سنت کے اعمال کتنے زندہ ہو گئے اور نقصان تو یہ ہے کہ سنتیں کتنی ٹوٹیں۔اس کے نفع ونقصان کا معیار ہی کچھ اور ہے اس کے نفع ونقصان کا معیار یہ نہیں کہ میرا مال کتنا بڑھا کتنا گھٹا کون خوش ہوا کون ناراض ہوا کون ٹوٹا کون جڑا۔اس کا تو معیار یہ ہے کہ خدا کتنا خوش ہوا پیغمبر کے طریقے پر کتنا آج عمل ہو گیا خدا کے کتنے احکام میں نے دکان کے راستے میں ادا کر دیئے۔دیکھنے میں، خریدنے میں، لینے میں، دینے میں، بیاہ میں، شادی میں، غمی میں اس کی تو چوبیس گھنٹے یہی فکر ہوگی وہ تو ڈر ڈر کے چلے گا۔ پھونک پھونک کر قدم رکھے گا چاہے وضو ہو چاہے نماز ہو تلاوت ہو چاہے ذکر ہو بیاہ ہو چاہے شادی ہو، لین دین ہو، چاہے مکان بنانا ہو اس کی تو چوبیس گھنٹے یہی فکر ہوگی۔جب اندر حقیقت ایمان کی اتر جائے گی وہ سارے چیزوں کو بعد میں دیکھے گا پہلے اس چیز کو دیکھے گا کہ اس وقت میرا خدا کیا چاہتا ہے۔وہ خدا کو دیکھ کے چلے گا۔اللہ کو دیکھ کے چلے گا وہ پیغمبر کے طریقے کے لیے مارا مارا پھرے گا۔ جب تک کسی کام کے کرنے کا پیغمبر کا طریقہ نہیں ملے گا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں ملے گا اس کام سے ہاتھ دھونا اس کے لیے آسان ہے مگر میرے نبی کا طریقہ چھوڑنا اس کے لیے مشکل ہے۔کام سے ہاتھ دھونا اس کے لیے آسان ہے مگر میرے محبوب کا طریقہ معلوم کئے چلنا اس کے لیے پہاڑوں سے زیادہ بھاری ہے۔حضرت عمر بن خطابؓ کو یہی چیز ستا رہی اور یہی چیز حضرت عمرؓ سے کہلوا رہی کہ عبدالرحمٰنؓ نے ایسی بات کہی، اس بات کو شیطان کی طرف منسوب کیا، وہ کیسی بات تھی یعنی اس مال کو بیت المال میں ذرا ٹھہرنے دو حضرت عمرؓ بن خطابؓ کا تقویٰ جس معیار کا تھا اس معیار کے تقوے سے وہ بات گری ہوئی تھی جس معیار کے تقوے پر حضرت عمرؓ کو خدا نے پہنچایا تھا اس تقوے سے یہ بات گری ہوئی تھی۔ اس واسطے فرمایا کہ یا اللہ یہ مصیبت آگئی بیت المال کو مال سے بھر کر حکومت چلائیں گے۔مطلب یہ ہے کہ ہمارا تقوی بے جان ہو چکا ہے ہمارے تقویٰ میں جان نہیں ہے۔ تقوے کے راستے سے چلنے سے ہم پھر گئے ہیں کہ مال پر سہارا ہوگا۔

بھائیو دوستو! ہر باطل کا توڑ پیغمبر کے اعمال کا وجود ہے یہاں تک فرما دیا کہ جوں

جوں اسلام والے اعمال اور طریقے ہمارے وجود میں آتے جائیں گے باطل کے سارے طریقے خود بخود کمزور ہوتے جائیں گے ایک وقت وہ بھی آئے گا کہ ان طریقوں والوں کے عوام اسلام میں اس طرح داخل ہوں گے کہ ان کے خواص اپنے عوام کو اسلام میں داخل ہونے سے روکنے کی طاقت نہیں رکھ سکیں گے۔

بھائیو دوستو! مسئلہ انتہائی آسان بہت مختصر تھوڑے سے ارادے ہمت کی بات ہے اور وہ یہ ہے کہ اس حقیقت پر عقیدہ تو ہر مسلمان کا ہے، عقیدے سے کوئی مسلمان خالی نہیں ہے۔ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** ہر مومن کا عقیدہ ہے کہ سب کچھ اللہ سے ہو اور محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے ہو۔ دنیا اور آخرت کی کامیابی اسی طریقے میں ہے لیکن بھائی اس کی حقیقت، اس کی حقیقت تک اتر کر یہ عملی طور پر گھر گھر میں ہر بندے میں ہر علاقے میں ہر طبقے میں بوڑھے میں جوان میں غریب میں امیر میں فقیر میں مسکین میں بادشاہ میں وزیر میں سب میں آ جائے ضرورت اس کی ہے۔ اور یہ ضرورت پوری کیسے ہوگی کچھ مرنے کرنے والے ہو جائیں کچھ بھی ایسے ہو جائیں اور یہ طے کر لیں۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ فرماتے تھے اگر لوگ اتنا وقت نکال کر جس سے ان کے اسباب و وسائل پر کوئی زد نہ پڑے، تبلیغ کا کام کریں اس سے ایمان و یقین نہیں آئے گا۔ خواہ اس کے کرنے والے لاکھوں کی تعداد میں ہوں لاکھوں کا مسئلہ نہیں ہے کروڑوں کا مسئلہ ہی نہیں۔ مسئلہ ایمان کا ہے ایمان کی سطح کتنی ہے صفات کتنے ہیں۔ پلے میں ایمان کتنا ہے جتنا پلے میں ایمان ہوگا جتنا پلے میں تقویٰ ہوگا جتنی پلے میں صفات ہوں گے جتنا آخرت کو سامنے رکھ کر چلنے والے بن جائیں گے اس سے خدا خوش ہو کر رہیں گے۔ ہر حال میں خدا ہی کرنے والے ہیں۔ پھر بھی وہی ہے۔ صفات اور ایمان کے بعد خدا کرنے پر مجبور نہیں ہے۔ وہ تمہارے ایمان اور صفات کا محتاج نہیں ہے۔ قدرت ہے کہ بغیر اس کے کر دے لیکن خدا اپنی بات کا پابند ہے۔ انہوں نے اپنے کرنے کو رکھا ہے اپنے کرنے کو بتایا ہے کہ میں کروں گا ایمان پر یوں، اعمال پر یوں، دعوت پر یوں، نماز پر یوں، روزے پر یوں، تقوے پر یوں، صبر پر یوں۔ کریں گے

اللہ، ایمان پر کریں گے اعمال پر کریں گے۔ کسی پیغمبر نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ مال پر خدا یوں کریں گے۔ حکومت ہاتھ آنے پر خدا یوں کر دیں گے ہتھیار ہاتھ میں آنے پر خدا یوں کر دیں گے۔ ہاں اگر تقوی ہوگا تو یوں کر دیں گے۔ اگر اعمال ہوں گے تو یوں کر دیں گے توکل ہوگا تو یوں کر دیں گے اور اللہ کے راستے میں مرنے اور کھپنے والے بن جاؤ گے تو خدا یوں کر دیں گے۔ خدا پر مرو، خدا پر لگاؤ۔

کہیں یہ بات یوں خیال آتا ہے کہ پہلے والوں نے بھی اسباب اختیار کیے تھے مگر اس فرق کو محسوس نہیں کرتے کہ ان کا یقین اسباب پر نہیں تھا اور ہمارا یقین اسباب پر ہے جب اسباب کا یقین نکل جائے گا اب اگر اسباب کو اختیار کرلے گا تو حکم ادا کرنے کے لیے اختیار کرے گا۔ ایک ہے اسباب پر اعتماد کر کے استعمال کرنا اور ایک ہے اسباب سے یقین ہٹا کر خدا پر یقین لے جا کر اور خدا کے حکم کی وجہ سے اسباب کو استعمال کرنا۔ دونوں میں فرق ہے اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اس طریقے سے یقین کی دولت عطا فرما دیں۔

تو میرے بزرگو بھائیو اور دوستو! مسئلہ بہت آسان ہے مشکل بالکل نہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو کرنے کی توفیق عطا فرما دیں جو چیزیں ڈرا رہی ہیں کہ آگے بڑھو صفات میں، آگے بڑھو اعمال میں، آگے بڑھو تقوے میں، آگے بڑھو دعوت میں، آگے بڑھو خدا سے مانگنے میں، جو چیزیں خائف کر رہی ہے تو اس کا کھلا مطلب یہ ہے کہ یقین ان چیزوں میں ہے۔ ادھر نہیں۔ ادھر یقین نہیں ہے۔ ادھر یقین نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ اس سطح پر پہنچ گئے، یہ یقین خدا نے ان کو دیدیا کہ اللہ سے ہو غیر اللہ سے نہیں ہوتا۔ اسباب سے نہیں ہوگا۔ اسباب سے ہٹ کر چلو۔ خدا پر نظر لے جا کر چلو۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا زمانہ آ گیا پہلے زمانہ تھا اسلام کے پھیلنے کا اور اسلام کے آنے کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات پر خداوند تعالیٰ دوسرا رخ دکھانا چاہتے ہیں کہ آئے ہوئے اسلام میں پھیلے ہوئے اسلام میں اگر نقصان آ جائے تو اس کے دور کرنے کے لیے کیا صورت کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ آگے اللہ یہ دکھانا چاہتے ہیں

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ذریعہ سے۔ ایک تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی یہ اتنا بڑا حادثہ تھا۔ اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے کیا حالات ہوئے دوسری طرف خبر منتشر ہوئی، عرب میں پھیلی۔ کہ عجم نے نہاوند میں فوجیں جمع کرنا شروع کر دی ہیں کہ مدینہ منورہ پر چڑھائی کی جائے، کیونکہ مدینہ منورہ پر چڑھائی کا موقع ہے کیونکہ یہود ونصاریٰ کا یقین یہ تھا مسلمانوں کے بارے میں، اور کھلی ہوئی بات تھی اور رات دن وہ دیکھ رہے تھے کہ اسباب کی لائن سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ خدا کی مدد ان کے ساتھ ہے۔ بالکل کفار کا سو فیصد یقین تھا کہ مسلمانوں کے پاس ہتھیار نہیں مسلمانوں کے پاس کھانے کو نہیں۔ مسلمانوں کے پاس تن ڈھانکنے کو کپڑا نہیں۔ مسلمانوں کے پاس رہنے کو جھونپڑی نہیں۔ بعض قافلے بالکل ننگے پاؤں چلے اور پاؤں پر پٹیاں باندھ کر چلے۔ سارے کفار کو معلوم تھا کہ ان کے پاس نہ پہننے کو نہ کھانے کو نہ پینے کو نہ رہنے کو۔ یہ تو خدا کی مدد ان کے ساتھ ہے اس طریقے سے ان کے بارے اسباب ٹوٹتے چلے جا رہے ہیں اور خدا کی مدد ان کو آگے بڑھاتی جا رہی ہے، ان کی بات کو خدا پھیلا رہا ہے اور اسباب والوں کی بات کو خدا توڑ رہا ہے۔

بالکل سولہ آنے یقین تھا کہ ان کے ساتھ خدا کی مدد ہے اور یہ بھی یقین تھا کہ خدا کی مدد پیغمبر کے ساتھ ہے ان کے ساتھ نہیں اس لیے انہوں نے یہ خبر پہنچتے ہی ایک دم فوجوں کی تیاری شروع کر دی کہ بس اب مدینہ ہمارے ہاتھوں میں آئے گا اور مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ سیدھے مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دو۔ خدا کی مدد ہٹ گئی بھوکے ننگے تو یہ ویسے بھی ہیں۔ ایک تو یہ خطرہ ظاہر ہو گیا۔ دوسرے مدینہ منورہ سے چاروں طرف ارتداد پھیل گیا لوگوں نے زکوۃ کا انکار کر دیا کہ یہ تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھی۔ اب ہم زکوۃ نہیں دیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اندرون کے حالات توڑ دیئے باہر کے حالات بگاڑ دیئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے واپس بلا لیا۔ ایسا نہتا کر کے چھوڑ دیا اور ایسے پھنسا دیا کہ کہاں جائیں، پھنس گئے۔ مگر الحمد للہ ایک وہ اس معیار پر چھوڑ گئے تھے کہ جنہیں کام کرنا سکھا گئے کہ ان کو کام کرنے کا

ڈھنگ آ گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی امارت وجود میں آئی سب سے پہلے اس کام کو سوچا کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کے لشکر کو روانہ کر دیں۔ اس میں ایک دم کھلبلی مچ گئی کہ ان کو کیسے روانہ کیا جا سکتا ہے ادھر خطرہ ہے کہ مدینہ منور ہاتھ سے نکل جائے گا اگر دشمن کی فوج آ گئی اور مدینہ منورہ لشکر سے خالی ہو گیا تو مدینہ منورہ ہاتھ سے گیا۔ اگر مرکز ہی ہاتھ سے گیا تو پھر کیا رہ گیا حضرت ابوبکر صدیقؓ اکیلے تنہا ہی رہ گئے اور فرمایا نہیں یہ بات نہیں ہمارا رخ یہ نہیں کہ ہم مرکز کو دیکھیں۔ بلکہ ہمارا رخ تو یہ ہے کہ جس لشکر کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم روانہ کر چکے اور حکم دے چکے ہیں، جس لشکر کی روانگی کا حکم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دے چکے۔ ابوبکرؓ یا کسی اور کی کوئی طاقت نہیں کہ اس کو روک سکے۔ سب کا اتفاق ہے کہ بات بالکل صحیح مگر حالات کو دیکھو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ حالات کو دیکھ کر چلنا تو ہمارا معیار ہی نہیں ہم تو حکم کو دیکھ کر چلتے ہیں ہمیں تو حالات کو دیکھ کر چلنا ہمارا معیار نہیں۔ بات کا حاصل یہ ہے اور حالات کے معاملے میں یہاں تک کہہ دیا **والذی نفسی بیدہ! لو ظننت السباع تأکلنی بالمدینة لأنفذنّ هذا البعث** اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر مجھے اپنے بارے میں یہ گمان ہو جائے کہ مدینے کے اندر درندے گھس کر ابوبکرؓ کو نوچ کر کھا جائیں گے تو ابوبکرؓ اس حالت کی پرواہ نہیں کرے گا کہ ابوبکرؓ کا اپنا حال کیا ہے۔ ابوبکرؓ کو بھی درندے نوچ کر کھا جائیں گے تو اپنے کو بچانے کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہیں ٹوٹ سکتا۔ کہ ابوبکرؓ کی جان بچے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ٹوٹے اس معیار پر خدا نے ان کو پہنچا دیا تھا، آخر بات سنتے سنتے یہاں تک پہنچ گئی کہ مدینے کے اندر چلو ہم اپنے اوپر صبر کر لیں گے ہماری بیٹیاں، ہماری بہنیں، ہماری مائیں اگر دشمنوں کے ہاتھ میں ان کی چوٹیاں آئیں اور وہ گھسیٹ گھسیٹ کر مدینہ منورہ سے لے گئے، ہم اس پر بھی صبر کر لیں گے مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہراتؓ مدینہ منورہ میں ہیں۔ کیونکہ خطرہ معمولی نہیں تھا وہمی نہیں تھا خیالی پلاؤ نہیں تھا سخت خطرے میں واقعی پڑ چکے تھے۔ عجم اس کا عزم کر چکا تھا کہ مدینہ منورہ کو ڈھا دیں گے اور مدینہ منورہ کی اینٹ

سے اینٹ اکھاڑنے کے لیے عجم طے کر چکا تھا۔فوجوں کو جمع کر کے حکم ہوا کہ مدینے میں جہاد ہو رہا ہے۔صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ ہمیں اور فکر نہیں مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں موجود ہیں دشمن کا ہاتھ اگر ان پر پڑے گا تو ان کا کیا ہوگا اے ابوبکرؓ تو ان کو سوچ لے۔ابوبکرؓ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آگے نہیں ہیں۔ادھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ٹوٹ رہا اور تم ان کے بیویوں کی پرواہ کر رہے ہو اگر مجھے یہ بھی اندازہ ہو جائے گا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیویوں کے پیر کتے پکڑ پکڑ کر گھسیٹ کر لے جائیں گے تو یہ حالت ایسی نہیں ہے کہ جس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو توڑ دیا جائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اس سے بڑا ہے ایسی حالت بھی اگر آ جائے تو اس حالت کی پرواہ کر کے ابوبکرؓ کا کام نہیں ہے۔اللہ رب العزت امت کو اس کا ذرہ عطا فرما دیں۔کام کی ترتیب یہ ہے اللہ مجھے اور آپ کو اس کی سمجھ عطا فرما دیں۔

کام کرنا آ گیا بالکل لشکر کو روانہ کر دیا اور حالات کی انہوں نے کوئی پرواہ نہیں کی اس کے بعد اگلا مسئلہ لے کر بیٹھ گئے لشکر اسامہؓ روانہ ہو گیا باقی مہاجرین وانصار کو چھوڑ دیا۔اللہ نے ہر کام کی ترتیب بنائی ہے اگر اس ترتیب پر گاڑی چل گئی تو خدا کہیں سے کہیں تک پہنچا دے گا۔اگر اس ترتیب سے ہٹ کر چلتے رہے تو خدا تعالیٰ خیر کر دے کہاں جا کر منزل پر لگے۔

بھائیو دوستو! اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو صحیح راستے پر آ کر کام کرنے کی توفیق عطا فرما دیں مہاجرین وانصار کو جمع کر لیا اور ان سب کو جمع کرنے کے بعد فرمایا کہ دیکھو عجم کا تو یہ حال ہے کہ وہ فوج نہاوند کے اندر جمع کر چکے اور عرب کا یہ حال ہے کہ وہ مرتد ہو چکے اور زکوٰۃ کا انکار کر چکے تم مجھے مشورہ دو۔آج میں تم میں سب سے زیادہ بوجھل ہو چکا ہوں وزن پڑ چکا آج تم مجھے مشورہ دو گے کہ کیا کروں ایک طرف یہ دین کی کی شکل ٹوٹتی ہوئی نظر آ رہی ہے اور ایک طرف یہ مدینہ منورہ پر چڑھائی کی شکل نظر آ رہی اندرون کے حالات بھی بگڑ گئے اور بیرون کے حالات بھی بگڑ گئے۔سارے صحابہؓ دیر تک سوچتے

رہے دیر تک سوچنے کے بعد سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے سر اٹھایا اور فرمایا کہ ابوبکرؓ جو زکوٰۃ کا انکار کر چکے تھوڑا ان کو چھوڑ دو زکوٰۃ کے معاملے کو چھوڑ دو نماز تو پڑھیں گے اس کو ہی منظور کر لو۔حضرت عثمانؓ کی طرف دیکھا ان کے بات کا حاصل بھی تقریباً وہی نکلا۔حضرت علیؓ کی طرف دیکھا ان کے بات کا حاصل بھی وہی نکلا باقی انصار ومہاجرین کی طرف دیکھا تو سب کا رخ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کے رخ پر پایا۔حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ معاملہ یوں ہے ہی نہیں کہ ہم دین میں نقصان آنے کے بعد اس پر صبر کر لیں۔صبر کا رخ اپنے حالات کی طرف کریں معاملہ یوں نہیں ہے۔جو ہم میں سے قتل ہوگا وہ جنت میں جائے گا جو بچ جائے گا خدا کا خلیفہ بن کر رہے گا ہمیں اس کو نہیں سوچنا کہ مدینہ منورہ کا کیا ہوگا سوچنے کی چیز تو یہ ہے کہ خدا کے دین میں نقصان آ چکا تو ہمیں کیا حکم ہے ہمیں خدا کے دین پر مرنا ہے۔خدا کے دین کو سامنے رکھ کر چلنا ہے۔یہ سطح خدا نے ان کو عطا فرمائی تھی ایک طرف تو خدا کے دین کو دیکھیں اور ایک طرف ہم اپنے حالات کو دیکھیں کام کی ترتیب حالات کے تابع ہو کر نہیں کام کی ترتیب دین کے تابع ہو کر ہے حاصل ان کی بات کا یہ نکلتا ہے اور یہاں تک فرما گئے کہ ایک رسی بھی دیکھوں کہ جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زکوٰۃ میں دیا کرتا تھا۔اگر وہ اتنا بھی روک لے گا پھر ان کا شجر اور جن اور انسان سب مل کر ساتھ دیں پھر بھی میں ان سے ضرور جہاد کروں گا اور ایک رسی کو روکنے کیلئے مجھے قتال کرنا پڑے گا پھر بھی ابوبکرؓ قتال کرے گا۔دین مٹنے کے بعد سب پیچھے ہیں، سب سے پہلا حق دین کا ہے۔ابوبکر صدیقؓ اتنے زوروں پر آئے حضرت عمرؓ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا خدا کی قسم کہ ابوبکرؓ کی زبان پر اللہ نے حق کو جاری کر دیا۔پہلے تو رائے کا اختلاف تھا لیکن بعد میں سب صحابہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ ہو گئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اللہ نے وہ درجہ اور مقام دیا کہ سخت خطرے کی حالت میں مدینہ منورہ کو اللہ کے حوالہ کر کے اللہ کے دین کیلئے سب کو نکال کر لے گئے۔یہاں تک کہ کوئی بالغ مرد مدینہ منورہ میں نہیں چھوڑا۔

تین دن مدینہ منورہ پر سخت خطرے کی حالت میں وہ گزر رہے ہیں کہ حضرت محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں جو ساری مسجدوں کی ماں ہیں کوئی اذان کہنے والا بالغ مرد نہیں ہے۔ اب اس مسجد کا مسئلہ پیچھے اور مدینے کے مٹنے کا مسئلہ پیچھے، اور اب دیکھو، پہلے کاروبار کا مسئلہ، بعد میں دین کا مسئلہ پہلے اپنی جانوں کا مسئلہ بعد میں دین کا مسئلہ، بھائیو! دین کے سامنے کوئی جان جان نہیں، پھر کوئی عزت عزت نہیں، پھر کاروبار کاروبار نہیں پھر حالات حالات نہیں حالات تو حالات کے پیدا کرنے والے کے ہاتھ میں ہے اب بھی اگر حالات سے متاثر ہو کر چلیں گے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ کچا ہے۔ اللہ ہمیں کلمہ پکا کرا دے۔ حالات بنانے والے کے ہاتھ میں ہیں۔ سب کو لے گئے اور مدینہ منورہ سے سب کو نکال دیا عورتیں رات دن خائف تھیں کہ دیکھو، رات کیسے گزرے گی کہ دیکھیں کب دشمن آتے ہیں دن میں خائف کہ آج کا دن کیسے گزرے گا عورتوں بچوں کی عجیب کیفیت تھی۔ پورا مدینہ خالی پڑا بازار خالی پڑے ہیں پورے گھر مردوں سے خالی ہیں پوری جھونپڑیاں مردوں سے خالی ہیں مسجدیں خالی پڑی ہوئی ہیں۔ آج اس مسجد میں کوئی اذان دینے والا نہیں۔ اللہ رب العزت نے دیکھ لیا کہ سب کچھ انہوں نے تن من دھن ہر اعتبار سے کہ انہوں نے مقصد میرے دین کو بنا لیا۔ انہوں نے مقصد نہ اپنے اولادوں کو بنایا نہ کاروبار کو نہ اپنی جانوں کو مقصد بنایا نہ عزت کو۔ عزت کے مقابلے میں دین کو ترجیح دی اپنے جانوں کے مقابلے پر دین کو ترجیح دی اپنے اولادوں کے مقابلے پر دین کو ترجیح دی۔ سب کچھ خدا کے حوالے کر کے چل پڑے۔

پھر اللہ نے مدد کا فیصلہ کر دیا اور اللہ رب العزت کے مدد کے راستے ایک نہیں بے شمار ہیں۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کو ٹھنڈی کر دے جو حضرت یونس علیہ السلام کے لیے آگ کو ٹھنڈی کر دے جو حضرت یونس علیہ السلام کے لیے مچھلی کے پیٹ کو بند کشتی بنا دے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صبر پر چھری کے نیچے سے بچا دے اور جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کو گود میں پلوا دے اور جو اصحاب کہف کو بغیر کھلائے پلائے تین سو نو سال تک سلا دے اس خدا کے بس میں سب کچھ ہے۔ اس کی مدد کا ایک ہی طریقہ نہیں ہے اس کی مددوں کے عجیب طریقے ہیں۔ کسی کو پتہ ہی نہ چلے

خدا کی مدد آ جائے جس کے لیے مدد آئی اس کو بھی شعور نہ ہو کہ تیرے ساتھ خدا کی مدد ہے اور خدا کی مدد آ جائے۔ خدا ہر اعتبار سے قادر ہے۔

اللہ رب العزت نے انتظام کر دیا۔ اس طرف کا بھی کر دیا اس طرف کا بھی کر دیا۔ خدا نے مدینہ منورہ کا بھی انتظام کر دیا۔ عجم کے دل میں خدا نے بات ڈالی کہ یہ جو تمہارا گمان ہے کہ مسلمان کمزور پڑ گئے لہٰذا تم لشکر جمع کر کے چڑھائی کرو اللہ نے ان کے دل میں بات ڈال دی کہ پہلے یہ جو تمہارا گمان ہے اس گمان کی حقیقت تو معلوم کرو کہ حقیقت بھی ایسی ہے کہ مسلمان کمزور پڑ گئے یا نہیں لہٰذا اس کے حقیقت کو معلوم کرنے کے لیے پانچ جاسوس بھیجے کہ پہلے یہ مدینہ منورہ جائیں اور مدینہ منورہ کے حالات لائیں پھر ہم اپنی فوجوں کو حرکت دیں خدا نے وہیں پر کھڑا کر دیا اور مدینہ منورہ کا حال خدا کو معلوم ہے اور مدینہ منورہ کا حال یہ ہے کہ وہاں ایک بالغ مرد بھی موجود نہیں اور وہ مدینہ منورہ کا حال معلوم کرنے کے لیے چل پڑے۔ خدا کا یہ عجیب نصرت کا طریقہ ہے ہر جاسوس، مختلف راستے سے چلا راستے میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کا لشکر فلسطین کی طرف جا رہا تھا ہر جاسوس کی ملاقات خدا نے اس لشکر سے کرا دی اور ہر جاسوس مختلف مقام پر مل کر مرعوب ہو کر خدا نے وہیں سے واپس کر دیا مدینہ منورہ تک پہنچنے کی نوبت ہی نہیں آئی ہر ایک نے جا کر کہا کہ میں ایک لشکر دیکھ کر آیا ہوں تم تو کہتے ہو کہ مسلمان کمزور ہو گئے کل تو ان کے نبی گئے آج لشکر روانہ کر دیئے تو کیسے کمزور دوسرے نے کہا کہ میں نے فلانے مقام پر دیکھا تیسرے نے کہا کہ میں نے فلانے مقام پر دیکھا چوتھے نے کہا کہ فلانے مقام پر پانچوں نے کہا کہ انہوں نے پانچ لشکر روانہ کر دیئے ہیں۔ تو مدینہ منورہ میں کتنے ہوں گے حالانکہ مدینہ منورہ کی حقیقت یہ ہے کہ بے چارے صبح شام خوف زدہ ہیں اور خدا نے انتظام یہ کیا ہے کہ لشکر تیار کرایا اور ادھر مرتدین میں خدا نے مرعوب ہونے کی ہوا چلا دی۔ ان کے دلوں پر خدا نے رعب ڈال دیا کہ ہم زکوۃ کا انکار تو کر چکے پتہ نہیں کہ مدینہ منورہ والے ہمارے ساتھ کیا معاملہ کریں گے۔ جب یہ لشکر مدینہ منورہ سے نکلا صبح کہیں شام کہیں صبح کسی قبیلے پر شام کسی قبیلے پر اب جو خدا تعالیٰ کی مدد آئی تو پورا علاقہ جتنا

مرتد ہوا تھا سب مرعوب ہو گیا۔ اللہ کی یہ مدد دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جھنڈا حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ میں دے دیا اور پھر یہ واپس مدینہ منورہ چلے آئے اور لشکر کو آگے چلتا کر دیا۔

میرے بھائیو دوستو! عرض کرنا یہ ہے کہ ریل گاڑی چاہے پسنجر ہو چاہے تیز رفتار میل ہو وہ پٹڑی پر چڑھا دو گے تو وہ کہیں نہ کہیں جا لگے گی کتنا بھی مضبوط انجن جوڑ دیا جائے پکی سڑک پر لے کر نہیں چل سکتا بغیر پٹڑی کے اگر موٹر کار بہترین مضبوط اور انجن اس کا بہت مضبوط ہو مگر وہ پٹڑی پر نہیں چل سکتی، چاہے سڑک کچی ہو۔ ایک ترتیب ہے کام کی اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو آگے بڑھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تین چیزوں میں ساتھی آگے بڑھتے رہیں گے کام کی سطح بڑھتی چلی جائے گی افراد نہیں بلکہ کام کی سطح بڑھتی چلی جائے گی۔ اول یہ کہ دن بدن صفات میں بڑھتے چلے جائیں روزانہ ہماری نماز کا خشوع خضوع طریقہ ڈھنگ کا بڑھتا جائے روزانہ ایمان کی کیفیات بڑھتی چلی جائیں، اخلاق تواضع دن بدن بڑھتی چلی جائے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر چلنا کام کرنا آ جائے۔ ایثار توکل تواضع، نرمی دن بدن پیدا ہوتا چلا جائے، علم، معلوم کر کے ہم اپنے اعمال معاملات کو راہ پر لائے جائیں۔ ذکر سے دھیان خدا کا بنتا جائے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ملنا جڑنا اکٹھے رہنا، اکرام کی صفت دن بدن بڑھتی جائے۔ اپنے پڑوسی کے ساتھ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اپنے علاقے والوں کے ساتھ اپنے مسلمانوں کے ساتھ سارے عالم کے انسانوں کے ساتھ علماء کے ساتھ بیویوں کے ساتھ بچوں کے ساتھ ایمان کی لائن سے یہ ایمان والا رشتہ دن بدن مضبوط ہوتا چلا جائے۔ ایمان کی صفت کے ساتھ سارے کام کرنا آ جائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے آپ کو اس کی توفیق عطا فرما دیں کہ ہم جائیں گے پوچھیں گے معلوم کریں گے کہ معاشرت میں کیا کرنا ہے معاملات میں کیا کرنا ہے اخلاق میں کیا کرنا ہے بیاہ میں کیا کرنا ہے شادی میں کیا کرنا ہے؟

دشواریاں آئیں گی۔ جو کام رواج سے ہٹ کر کیا جاتا ہے اس میں دشواریاں آیا

ہی کرتی ہیں۔ ان دشواریوں میں خدا کی طرف رجوع خدا سے مانگنا نرمی اختیار کرنا جنگ وجدال نہ کرنا ریشم کی رسی کی طرح مضبوط رہنا۔ ایک ہے لوہے کے سریا کی طرح مضبوطی، ایک ہے پتھر کی طرح مضبوطی، لیکن ریشم کی طرح مضبوطی۔۔۔ کہ نرم بھی ہے اور مضبوط بھی۔ انبیاء علیہم السلام کی مثال ریشم کی رسی سے قریب ہو جاتی ہے کہ برا کہہ رہا ہے کوئی، بھلا کہہ رہا کوئی، مذاق اڑا رہا ہے کوئی، تکلیف دے رہا کوئی، سب کچھ برداشت لیکن پیغمبر کبھی اپنے ارادے سے ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ پیغمبر کبھی اپنے کام سے نہیں ہٹتے اپنی چیز پر جمے ہوئے ہیں مگر نرمی کے ساتھ، اخلاق کے ساتھ، ہمدردیوں کے ساتھ جمے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو یہ صفت عطا فرمائیں۔

اس میں ایک درخواست یہ ہے کہ سب سے پہلے رکاوٹ اپنے اندر کی ہے۔ گھر کی رکاوٹ بعد میں رشتہ داروں کی رکاوٹ بعد میں، کاروبار کی رکاوٹ بعد میں، یار دوستوں کی رکاوٹ بعد میں، پہلی اور اصل رکاوٹ اپنے اندر ہے کہ میں نے بھی ٹھان لیا یا نہیں کہ میں بھی اس کا عزم کر چکا یا نہیں عزم پر خدا کی مدد آئے گی کہ عزم کر لیا اس بات کا کہ یہ کام کرنا ہی ہے اب اس کی خدا تدبیریں سجھائیں گے۔ سوچ کریں گے، غور کریں گے، فکر کریں گے روئیں گے، دھوئیں گے مشورہ کریں گے، ساتھیوں سے ملیں گے، تو وہ چیز نہیں ہے کہ جدا ہونے والی ہو۔ جس چیز کے ساتھ خدا کا وعدہ ہو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو نہ ہونے کا کبھی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دعوت کے ساتھ خدا ہے۔ دعوت کے ساتھ خدا کی مدد ہے جو خدا کی طرف بلا رہا ہے تو خدا اس کے ساتھ ہے۔ دعوت میں تو خدا کی طرف بلانا دعوت میں آخرت کی طرف بلانا دعوت میں اعمال کی طرف بلانا ہے۔ جو اعمال کی طرف بلائے آخرت کی طرف بلائے خدا کی طرف بلائے تو خدا اس کے ساتھ ہے اس کو اس بات کا پورا یقین ہے کہ میرا کام ہی خدا کی طرف بلانا ہے۔ میرا کام ہی اعمال کی طرف بلانا ہے میرا کام ہی آخرت کی طرف بلانا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَنْ جَعَلَ الْهمومَ هما وَاحِدًا هَمَّ الاخرِہ كفاهُ اللّٰهُ هَمَّ الدُّنْيَا وَالآخِرةَ۔ (الحدیث) جس نے سارے غموں کو

ایک غم بنالیا یعنی آخرت کا غم تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیا کے غم کے بھی کفیل اور آخرت کے غم کے بھی کفیل ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اس میں تردد اور شک کی بات ہی نہیں ہے۔ ہاں جب کوئی بات نظر آئے کمی بیشی کا اپنے اندر غور کرنا ہے کہ میرے اندر کوئی کمی رہی۔ کرنے میں کمی رہی نیت میں کمی رہی بولنے میں کمی رہی کسی کی بے اکرامی تو نہیں ہوگئی کسی بھائی نے مجھ سے کوئی تکلیف تو نہیں اٹھالی کوئی بھائی میرے سخت کلمے سے تو ناراض نہیں ہوگیا۔ پکا کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی مسلمان کو اذیت نہ پہنچے۔ مجھے اپنے اندر غور کرنا ہے کہ میری وجہ سے کسی نماز میں بے فکری تو نہیں ہوگئی آج میرے تلاوت و ذکر میں تو کمی نہیں ہوگئی۔ اس کے لیے تو ہر مسئلے کا حل اس کے اپنے اندر ہے اس کے اپنے ساتھ ہے۔ اگر زمین سے لے کر آسمان تک سارا نقشہ فساد سے بھر جائے فتنوں اور بگاڑ سے بھر جائے اس کو کوئی خیال میں لانے کی بات نہیں اس کا علاج اس کے اپنے اندر ہے۔ اس کا علاج اپنے پاس ہے باہر سے علاج کی جوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ علاج کے اسباب باہر نہیں باہر اسباب سے بات نہیں بنے گی اس کے اپنے پاس ہے۔ اس کی نماز پر خدا کریں گے۔ اس کی دعوت پر خدا کریں گے اس کے ذکر پر خدا کریں گے۔ اس کو تو ادھر ادھر دیکھنا ہی نہیں ہے۔ اس کی ادھر نظر جانا ہی یہ بے بنیاد ہے۔ اس کی تو نظر رات دن ادھر جائے کہ اپنے عمال میں اپنے ذکر میں اپنی سوچ میں اپنی بچار میں اپنے مشورے میں اپنے جڑنے میں اپنی ہمدردی میں اپنے ساتھیوں کے اکرام کرنے میں، کہاں کوئی کمی آئی۔ ادھر سارے نقشے مٹ جائے اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اگر اس کا اپنا نقشہ بنا رہا اس کا خدا سے جوڑ رہا اس کے اعمال درست رہے۔ اس کی دعوت ٹھیک رہی اس کی تعلیم صحیح چلتی رہی اس کے گشت صحیح چلتے رہے یہ اگر صحیح چلنے میں لگا رہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے قدرت میں ہے کہ سب کچھ صحیح کر دیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سامنے والا سارا نقشہ بگڑ چکا۔ مگر ابراہیم علیہ السلام کا تعلق بڑھتا رہا تو سارے نقشے کو خدا نے ٹھیک کر دیا ہے۔ ایک ابراہیم علیہ السلام کے

ایمان و دعوت کی لائن پر بگڑے بگڑائے نقشے کو خدا نے ٹھیک کر دیا ہے۔ تو میرے بھائیو بزرگو، دوستو اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو یہ توفیق عطا فرما دیں اور امت کے بچے بچے کو یہ فکر دے دے کہ سارے غموں کا ایک غم آخرت کا بن جائے اور ان کی سوچ آخرت کی بن جائے۔ یہ تو آخرت والے ہیں کہ آخرت میں نفع ہے یا نقصان ایک آدمی کی چوری ہوگئی ایک تو یہ غم کہ مال گیا اور ایک یہ ہے کہ آخرت پر کیا اثر پڑا۔ ایک آدمی کو زخم ہوگیا تو ایک پہلو تکلیف کا ہے، ایک پہلو یہ ہے کہ آخرت میں کیا ملے گا۔ ایک آدمی بیمار پڑ گیا ایک تو بیماری کو سامنے رکھ کر چلنا اور ایک یہ ہے کہ اس کا آخرت پر کیا اثر پڑا ہے۔ ایک آدمی کے بھائی کا انتقال ہوگیا اور بیٹے کا انتقال ہوگیا ایک تو یہ ہے کہ بھائی بیٹے کے جانے سے دنیا میں کیا نفع نقصان ہوا اور ایک ہے کہ آخرت میں کیا درجے ملے۔ یہ تو مرنے میں بھی آخرت کو سامنے رکھ کر چلے گا اور یہ تو جینے میں بھی آخرت کو سامنے رکھ کر چلے گا۔ اس کی تو سوچ ہی اور ہے دنیا کے نقشے ٹوٹ رہے یا دنیا کے نقشے بن رہے یہ اس کی سوچ ہی نہیں ہے کھانا کھانے کو ہے یا نہیں یہ اس کی سوچ ہی نہیں، کپڑا اس کے پاس پہننے کو ہے، یہ اس کی فکر ہی نہیں جوتا اس کے پاؤں میں ہے یا نہیں۔ یہ اس کی فکر ہی نہیں۔

حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: اگر اس کام کو کرتے کرتے بھوک کی وجہ سے تڑپ کر مر جائیں یا پیاس کی وجہ سے بھڑک کر ہم مر جائیں یا ننگے بدن ہم اس جہاں سے چلے جائیں یا ننگے پاؤں ہم اس جہاں سے اٹھالیے جائیں اگر اللہ رب العزت اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کو اور طریقوں کو اس عالم میں زندہ فرما دیں تو ہمارا مقصد حاصل ہوگیا۔ جس لیے ہم کر رہے ہیں وہ ہمیں مل گیا ہم بالکل کامیاب جا رہے ہیں۔ یہ کام اس لیے نہیں ہے کہ اس سے کپڑے بنیں یا اس سے جوتے بنیں، یا اس سے عزت ملے یا اس سے امارت ملے یا اس سے مال ملے یا اس سے مکان بنے یہ کام اس لیے نہیں ہے بلکہ یہ کام تو اس لیے ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم والے عمل اور طریقے چالو ہو جائے اور زندہ ہو جائیں مٹا ہوا

دین زندہ ہو جو آج تک اسلام میں نہیں آئے انہیں ہدایت مل جائے اور جتنا دین موجود ہے نقصان سے بچ جائے اس کا تو موضوع ہی اور ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر لگنے کی توفیق عطا فرما دیں۔

میرے بھائیو دوستو! ہمارے چوبیس گھنٹے کی فکر یہ ہو سوچ یہ ہو آج مسلمان کی سوچ ہی بدل گئی آج اس کے سوچنے کا ڈھنگ ہی بدل گیا بیٹے کا انتقال ہو گیا۔ تو خوشی کرو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا ایک بچہ مر جائے اور اس پر صبر کر جائے تو خدا جنت میں اس کا مکان بنا دیں جنت میں مکان کی خوشی ہو یا بچے کے جانے کا رنج ہو اس کو تو جنت کے مکان کی خوشی ہونی چاہئے اصل سوچنے کی بات تو یہ ہے اللہ اکبر۔

ایک صحابیؓ دن بھر کے تھکے ماندے گھر آئے سوتے وقت پانی طلب کیا بیوی پانی لینے گئی کیسا اللہ نے ان کا ذہن بنا لیا کیسا اللہ نے ان کو آخرت کا فکر عطا فرمایا پانی لانے میں دیر ہو گئی خاوند کی آنکھ لگ گئی بیوی کا لیٹنے کو دل نہیں چاہا اور خاوند کو اٹھانے کو بھی جی نہ چاہی انتظار کرتی رہی آخر رات میں آنکھ کھلی پانی طلب کیا انہوں نے پیا، پوچھا کیا وقت ہے کہا رات کا آخیر حصہ ہے، تم کہاں تھی؟ کہا کھڑی رہی تمہارے انتظار میں۔ لیٹی سوئی نہیں محبت جوش کر آئی فرمایا مانگو کیا مانگتی ہو کہا جو مانگوں سو پاؤں تین مرتبہ یہ بات دہرائی بیوی نے کہا کہ مجھے طلاق دیدو۔ مرد حیران ہے اتنی خدمت گزار رات بھر پانی لیے کھڑی رہی سوتے کو نہ جگائے نہ خود لیٹنے پائے اتنی فرماں بردار۔ وہ تو جنت کے لیے کھڑی تھی کہ خاوند کی خدمت پر خدا مجھ سے راضی ہو جائیں گے اور میرے جنت میں درجے بلند ہو جائیں گے۔ آخرت کا معیار ہی اور ہے شوہر حیران ہو گئے کہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں بیوی نے کہا کہ آپ تین مرتبہ اقرار کر چکے ہیں طلاق دینی پڑے گی۔ اور حیرانی بڑھی، سوچ میں پڑے، کہا کہ چلو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلتے ہیں۔ کہ جو فیصلہ کریں وہ ہم تم دونوں کے لیے قبول ہے راستے میں مرد کو ٹھوکر لگی اور پاؤں میں زبردست چوٹ آئی۔ گر پڑے چلنے سے معذور ہوئے۔ اٹھا کر واپس لائی فرمایا اب میرا طلاق کا مطالبہ ختم ہو گیا۔ اب میں طلاق نہیں چاہتی۔ یہ ہے سوچنے کا

معیار یہ ہے چلنے کا ڈھنگ۔ بات کیا ہے کیوں؟ جب میں اچھا خاصا تھا طلاق مانگ رہی اب میں معذور ہو گیا کمانے کے کام کا بھی نہ رہا تم مجھ سے طلاق کا مطالبہ ختم کر رہی ہو۔ ایک تو آیت سامنے تھی اور ایک روایت سامنے تھی کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جس پر خاص خدا کی رحمت آتی ہے دنیا کے مسائل اسے ایسے آتے ہیں جیسے نیچاؤ میں پانی۔ قرآن پاک کی آیت ہے۔ **ولنبلونکم بشئ من الخوف و الجوع و نقص من الاموال والا نفس والثمرات و بشر الصبرین. الذین اذا اصابتھم مصیبة قالوا انا اللہ و انا الیہ رجعون. اولئک علیھم صلوٰت من ربھم و رحمة و اولئک ھم المھتدون** ۔ کہ ان چیزوں میں ہم نقصان ڈال کر آزمائیں گے: پھلوں میں چیزوں میں سامانوں میں خوف میں بھوک میں اسی طرح تمہارے پاس موت آئے گی بیماری آئے گی ایسے موقعوں پر بشارت دیدو ان لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے ہیں اللہ کے پاس جانا ہے اس میں رنج کی کیا بات ہے یہ چیزیں بھی اللہ کی طرف سے آئی ہیں اور ہم بھی اللہ کے ہیں تو رنج کس بات کا اپنے گھر کی بات ہے ایسے لوگوں کو بشارت دے دو **اولئک علیھم صلوات من ربھم و رحمةً قف واولئک ھم المھتدون** ۔ یہی ہیں وہ لوگ کہ جن کے لیے اس صبر کرنے پر اس جمے رہنے پر اللہ کی طرف شاباش پر شاباش ہے، ایسے لوگوں کے لیے، کہ ایسے حالات پر جمے رہے صبر کرتے رہے برداشت کرتے رہے اور اللہ کے حکم پر چلتے رہے، ورحمة ۔۔ یہ تو دنیا میں شاباش پر شاباش تھی، اور آخرت میں خاص قسم کی رحمت ہے اور سن لو **اولئک ھم المھتدون** ۔ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں انہیں ہدایت مل گئی تو ایسے حالات میں گزریں اور ایسے حالات میں صبر کریں اور خدا ہی کی طرف رجوع کریں، تو فرمایا بیوی نے جب سے تیرے گھر میں آئی کوئی بھی مصیبت اور دکھ نہ پائی۔ تو میں نے سوچا کہ یہ رحمت والا گھر نہیں ہے کوئی دکھ تکلیف پریشانی بیماری آئی ہی نہیں میں ایسے گھر میں رہنا نہیں چاہتی۔ سوچنے کا مزاج ہی اور ہے مسلمان کو تو بھائی ہر پہلو پر یہ سوچ سوچنی ہے کہ آخرت میں کیا اثر پڑا اور قبر پر کیا اثر پڑا

حشر پر کیا اثر پڑا، پل صراط پر کیا اثر پڑا، اور دین کے اعتبار سے میں کس لائن پر جما۔ اس کی تو سوچ ہی اور ہے اس لیے دنیا کی یہ شکلیں نہ اس کی غم کی چیزیں ہیں نہ خوشی کی چیزیں ہیں۔ بلکہ آخرت کی شکلیں اس کی غم اور خوشی کی شکلیں ہیں اس لیے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے سارے غموں کا ایک غم آخرت کا غم بنا لیا تو اللہ تعالیٰ دنیا کے غموں کے لیے بھی کافی اور آخرت کے غم کے لیے بھی کافی۔ ان صفات میں بڑھنا یہ صفات دن بدن بڑھتے جائیں۔ اخلاص نیت کے صحت والی صفت دن بدن کیسے بڑھتی جائے۔

ایک تو مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ صفات میں دن بدن بڑھتے جائیں کام کی شکلوں میں بڑھتے جائیں اور ایک قربانی میں آگے بڑھتے جائیں۔ قربانی کے ساتھ اور کام کی شکلوں کے ساتھ اور ساتھ ساتھ صفات جب ساتھیوں میں بڑھتی جائے گی تو کام کی سطح بڑھے گی۔ کام کی سطح صفات ہیں۔ کام کی سطح قربانی ہے۔ کام کی سطح کام کی شکلوں میں ساتھیوں کا بڑھنا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے آپ کو توفیق عطا فرمائیں۔

تو میرے دوستو بزرگو بھائیو! یہ سب کچھ کب ہوگا کہ فکر کے ساتھ چلیں گے اور ایک ایک چیز پر فکر کے ساتھ دھیان توجہ کے ساتھ لگتے جائیں گے اور اپنی دعوت کا مشغلہ بنایا جائے گا پانچ منٹ ملے تو دعوت میں گزریں۔ جماعت میں نکلیں وہ تو ہے ہی دعوت کا میدان جب بھی نکلے تو ہر ایک دعوت دے رہا ہو۔ اس کے سامنے ایک علاقہ ایک طبقہ ایک قوم ایک زمانہ نہ ہو اسے تو دعوت اتنی محبوب بن جائے کہ اس کو اپنا مشغلہ بنائے۔ کیونکہ دعوت کا حاصل ہے ہدایت، دعوت کا نتیجہ ہے ہدایت، جیسے زمین کی محنت کا نتیجہ ہے غلہ، اور جیسے بازار کے نتیجے میں مال، اور جیسے کارخانے کے نتیجے میں چیزیں، اور جیسے دفتر کے نتیجے میں عہدے ہیں، ایسے ہی پیغمبر کی محنت یعنی دعوت کے نتیجے میں ہدایت ہے۔ جوں جوں دعوت کی سطح بڑھے گی اوں اوں ہدایت اترتی جائے گی۔ اُوں اُوں دین زندہ ہوتا جائے گا اور جوں جوں دین زندہ ہوتا جائے گا اوں اوں خدا کی

رحمتیں اور برکتیں اترتی جائیں گی انسان کو دنیا اور آخرت کی کامیابی مل جائے گی۔ سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہی ہدایت کا ہے نہ کپڑوں کا نہ مکانوں کا۔ سب سے اہم مسئلہ ہی ہدایت کا ہے اللہ رب العزت کا جتنی کتابیں اتریں سب کا موضوع ومقصد ہدایت ہے۔ اور جتنے انبیاء علیہم السلام آئے اور جتنی قربانیاں انبیاء علیہم السلام نے دی ہیں سب کا موضوع ومقصد ہدایت ہے سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ ہدایت کا ہے کام کرتے کرتے کام میں قربانی کے ساتھ لگتے لگتے ہدایت ایسی محبوب ہو جائے **أَحَبُّ الْأَشْيَاءِ إِلَيْهِ هِدَايَةُ النَّاس** کہ سب چیزوں سے زیادہ محبوب کام کرنیوالوں کو، سامنے والے کی ہدایت ہو۔ اپنی بھی ہدایت کیونکہ یہ بھی محتاج ہے سب سے زیادہ محبوب ہدایت ہو۔ اللہ اکبر۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے جا رہے ہیں سامنے دو راستے ایک امن کا ایک خوف کا فرمایا اس راستے سے چلو جس میں ڈاکو ہیں صحابہؓ نے عرض کیا کہ بات کیا ہے فرمایا کہ ہمارا یہ سفر ہو سکتا ہے کہ ڈاکوؤں کے ہدایت کا ذریعہ بن جائے۔ ہمارا ذہن کیا کہ ڈاکوؤں سے میری عزت بچے میرا مال بچے اور ڈاکوؤں سے میری جان بچے اور پیغمبر کی فکر یہ ہے کہ ڈاکو جہنم سے کیسے بچے۔ زمین و آسمان کا فرق۔ ڈاکوؤں سے اپنی مال کی حفاظت ڈاکوؤں سے اپنی جان کی حفاظت ڈاکوؤں سے اپنی عزت کی حفاظت کوئی بری چیز نہیں۔ اچھی ہے مطلوب ہے مامور بھی ہے بعض اوقات، مگر ان سے اونچی فکر یہ ہے کہ یہ ڈاکو جہنم سے کیسے بچے اور راستہ اختیار کیا گیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دو پر نظر پڑی فرمایا کہ یہ کسی طریقے سے میرے پاس لائیں جائیں۔ چنانچہ وہ ان کے پاس لائے گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے آپ نے پوچھا مَنْ اَنْتُمَا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا نَحْنُ مَهَانَان ہم تو قوم کے گرے پڑے لوگ ہیں آپ نے فوراً سنبھالا کہ **انتما مکرمان** نہیں تم کو تو اللہ نے شرافت والا پیدا کیا ہے۔

اسی پر دونوں کو ہدایت مل گئی طائف کے سفر میں کیسی اذیت اور تکلیف پہنچی لیکن

جب دعا کے لیے بیٹھے خدا نے فرشتہ بھیج دیا اگر چاہو تو سارے طائف والوں کو مروا دو فرمایا کہ نہیں! نہیں! اگر ان میں سے آج کوئی ایمان نہیں لایا تو آئندہ ان کی نسلوں میں ایمان کی امید ہے۔ یہ ایمان ہدایت کا مسئلہ ایسا ہے۔ عبداللہ بن اُبی منافق نے سخت تکلیف دی اور اسلام کی بیخ کنی کی لیکن جب اس کی جنت اور جہنم کا مسئلہ آیا اور بیٹے نے آکر کہا یا رسول اللہ وہ تو مرگیا کیا آپ اپنا کوئی کپڑا دیں گے؟ ایک دم کپڑا اتار کے دیدیا انکار نہیں کیا۔ خدا کرے کہ وہ اسی بہانے سے جہنم سے بچ جائے اتنا بڑا اہم مسئلہ ہے جہنم سے بچاؤ کا۔ بیٹے نے کہا کہ آپ نماز جنازہ پڑھائیں گے فرمایا کہ ہاں میں نماز جنازہ پڑھادوں گا اور نماز جنازہ پڑھانے کے لیے جارہے حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ نے فرمایا کہ اگر ستر مرتبہ بھی استغفار کرو گے تو قبول نہیں۔ تو اس وقت شفقت کا غلبہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو بہانہ بنادے اور یہ بے چارہ جہنم سے بچ جائے۔ کچھ بہانہ ہی بنادے میرے استغفار کو۔ فرمایا میں خدا سے اس کے لیے ستر مرتبہ سے زیادہ مانگوں گا۔ تو پیغمبر کے سامنے جنت اور جہنم کا مسئلہ اتنا اہم ہے میرے بھائیو دوستو اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائیں اپنی عزت سے زیادہ ہدایت مطلوب اپنے مال سے زیادہ ہدایت مطلوب اگر اس کے مال پر کوئی ہاتھ ڈال دے تو اپنے مال کے واپس آنے سے زیادہ محبوب ہدایت جو جتنا جتنا ہمت کر کے مال جان لگاتا ہے تو خدا اس کو آگے بڑھا دیتا ہے تو اس کے لیے فرمائیں۔ کون کون تیار ہے ہمت و حوصلے کے ساتھ فرمائیں۔

کراچی اجتماع میں بیان

(۰۳/۰۹/۲۰۰۹ء)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں اور مچھلی سمندر میں، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بچنے کا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں اللہ کو یاد کیا اور پڑھا **لاالہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین** خوب پڑھنا شروع کر دیا، اللہ نے حکم دیا سمندر کو مچھلی کو اٹھا اور باہر لا سمندر نے مچھلی کو اٹھا اور باہر کیا مچھلی نے قے کی اور یونس علیہ السلام کو ریت کے ڈھیر پر پھینک دیا قیامت تک کے لیے اللہ نے اپنا دستور بتا دیا۔ اگر یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تسبیح پڑھنے والے نہ بنتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ سے نہ نکلتے (القرآن)

تو میرے پیارو! اللہ کی ذات کی طرف رجوع کرنا اللہ کے ذکر اور یاد میں لگنا اور اللہ کے حکم کو تلاش کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو معلوم کر کے اس کی ادائیگی میں لگ جانا ہر مصیبت کا علاج ہے، ہر پریشانی کا مداوا ہے وہ ناکام ہو ہی نہیں سکتا۔

ابراہیم علیہ السلام نے جب **لاالہ الا اللہ** کی دعوت دی تو نمبرود کو پتہ چلا تو وہ بڑا ناراض ہوا، خفا ہوا اور ابراہیم علیہ السلام کی دعوت قبول کرنے کے بجائے اپنے ارکانِ دولت کو بلا کر کہا کہ یہ میرے علاوہ کسی اور کو رب مان رہا ہے ان ارکان دولت نے کہا یہ بھی کوئی بات ہے تو بادشاہ ہے ساری روحیں آپ کے قبضے میں ہیں مروادو۔ نمبرود نے کہا یہ مروانا تو میرے لیے بہت آسان ہے دیکھو اس طریقے سے مرواؤ کہ پھر کوئی ایسی جرأت

نہ کر سکے نہ اس کی بات کو لے کر آگے چل سکے، کہنے لگے ہاں یہ بات ٹھیک ہے پھر نتیجے میں یہ بات نکلی کہ چار دیواری بنائی جائے اور وہ لکڑیوں سے بھری جائے اس میں زبردست آگ جلائی جائے اور چاروں طرف تخت بنا کر سارے شہر کو جمع کرو اور سب کے سامنے دہکتی ہوئی آگ میں ابراہیم کو پکڑ کر پھنکواؤ کہنے لگے ہاں یہ بات ٹھیک ہے چنانچہ سارا منظر بنایا اور ابراہیم پکڑائے گئے اور ان کے ہاتھ بھی باندھ دیئے اور پیر بھی اور ان کی زبان پر **حسبی اللہ**۔

فرشتوں نے عرض کیا رب العزت یہ نمرود تیرا دشمن ہے اور ابراہیم تیرا خلیل ہے، تیرا دشمن تیرے خلیل کو آگ میں ڈال رہا ہے، اللہ نے حکم دیا کہ **فاذھبو** میرے ابراہیم کے پاس جاؤ اور پوچھو جو کہے وہ کر کے آؤ فرشتے آن کی آن، خدا کی شان آئے، ابراہیم پھینکنے والے تھے کہ فرشتوں نے کہا کہ ہم فرشتے ہیں اور اللہ کی اجازت سے آئے ہیں **کنا ماترید** جو آپ حکم دیں ہم کریں گے ابراہیم علیہ السلام نے بجائے اس کے کہ ان سے استفادہ کرتے فرمایا: اللہ کو میرے حال کا پورا پتہ ہے کہ مجھے نہیں پرواہ ملک کی نہ مال کی چیزوں کی نہ سامان کی، میں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں اور میرا دشمن میرے ساتھ دشمنی کر رہا ہے، تو اللہ کو ساری چیزوں کا علم ہے، بس مجھے اتنا ہی کافی ہے بس۔ **علمہ بحالی یغنی عن سوالی**۔ تو اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کے توکل اور اللہ پر اعتماد اور اللہ کے سوا کسی سے لو لگانا پسند نہ آیا اور اللہ نے براہ راست خود حکم دیا آگ کو ''**کونوا برداً وسلام علی ابراھیم**'' کہ ٹھنڈی ہو جا سلامتی والی، میرے ابراہیم کے لیے اور اللہ کا حکم ملتے ہی آگ ٹھنڈی آرام دہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہو گئی۔

ابراہیم علیہ السلام جب دہکتی ہوئی آگ میں پھینکے گئے تو جس رسی میں ہاتھ بندھے تھے جلا دی، جس میں پیر بندھے تھے جلا دی اور نہ کپڑے کا تار جلا نہ جسم کا بال جلا تو آگ اصل میں اللہ کی مخلوق ہے اللہ کے ہاتھ میں ہے اللہ نے آگ کو اپنے ارادے سے بنایا ہے، جلانا اللہ نے اس کو دیا ہے، بغیر اللہ کی اجازت کے نہ وہ تنکا جلا سکتی ہے بغیر اللہ کی

اجازت سے نہ آگ کپڑے جلا سکتی ہے۔

تو آگ ہو، چاہے پانی پتھر ہو، یا لکڑی سونا ہو، یا چاندی تانبا ہو، ساری مخلوقِ کائنات ہو، مٹی، چاند، بادل یہ جتنی مخلوقات ہیں اس میں جو کچھ ہے اللہ نے اس میں رکھا ہے، اللہ نے بنایا ہے، اللہ نے اس کو پیدا کیا، اس کی موت اور حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے، اب اس سے ہونے کا یقین جو دلوں میں اترا ہوا ہے وہ تو جائے دل سے نکل، اللہ سے ہوا ہے اللہ ہی سے ہوگا، موت، حیات، عزت، ذلت ہماری صحت کامیابی ناکامی اللہ کے قبضے اور قدرت میں ہے یہ دعوت ہے سب کچھ اللہ سے ہونے کی اور اللہ کے بغیر کچھ نہ ہونے کی اور سب کی موت حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے کامیابی ناکامی اللہ کے ہاتھ میں ہے اس کی دعوت روزانہ ہر گھر میں بھی مسجد میں چلے، ہر مسجد میں بھی چلے، عورت بھی دے، مرد بھی دے، ہر مسجد میں روزانہ دعوت کے حلقے لگیں، ایک ایک آدمی کو دعوت کے الفاظ کہلواؤ، باہر بھیجو اور وہ باہر کے لوگوں کو دعوت کے الفاظ سنائے اور اس کی بنیاد بنا کر مسجد میں لائے کہ دیکھو بھائیو سب کچھ اللہ سے ہی ہوا ہے اللہ ہی سے ہو رہا ہے اور اللہ ہی سے ہوگا، سب کی موت و حیات، عزت و ذلت، کامیابی و ناکامی اللہ کے قبضے اور قدرت میں ہے اور اللہ نے ہر موقع پر انسان کو کامیابی دینے کے لیے احکام عطا فرمائے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے اعمال عطا فرمائے ہیں۔

تو اعمال اور احکام یہ راستہ ہے، اللہ کی ذات سے فائدہ اٹھانے کا اور اسی میں کامیابی ہے۔ اللہ راضی ہو جائے اور اس کی ذات سے استفادہ اس میں غریب مسکین فقیر سب برابر ہیں جس جگہ ہو جس حال میں ہو اللہ کی طرف رجوع کرے اللہ کو پکارے اللہ کو یاد کرے نبی کی سنت معلوم کرے اللہ کا حکم معلوم کرے اور اللہ کے سوا کسی پر نظر نہ لے جائے بالکل اللہ کا وعدہ ہے **من یتوکل علی اللہ** تو اللہ پر ہی بھروسہ کر! اللہ فرماتے ہیں میں تیرے لیے کافی ہوں میرے بزرگو دوستو! آج مجھے آپ کو پوری امت

کو اس دعوت کی محنت کی ضرورت ہے یہ اس امت کا کام ہے اللہ نے ختم نبوت کے صدقے میں اس امت کو اس کا ذمہ دار بنایا ہے، اللہ کی کتاب کا وارث ہونے کی حیثیت سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہونے کی حیثیت سے اور اللہ کے خلیفہ کی نسل میں ہونے کی حیثیت سے۔

میرے بزرگو بھائیو دوستو! یہ تو ہے میرا آپ کا ہر امتی کا اصلی کام اور عورتوں کا بھی مردوں کا کام کہ آج تک آنے والا ہر انسان قیامت تک آنے والی نسلیں بھائی اس کی نیت کر کے اس کا ارادہ کرے اس کو سیکھنا ہے اس میں خود لگنا ہے دوسروں کو لگانا ہے اور جب ہم اس کو اصل کام قرار دیں گے اور اسی کو مقصد بنا کر اسی میں لگیں گے تو بارش کی طرح اللہ کی رحمت برسے گی، مدد آئے گی، دعائیں قبول ہوں گی اور تمہارے کاموں کو اللہ تمہاری دعاؤں سے پورا کریں گے تو کس کے لیے میرے بزرگو دوستو! ہر گھر میں بھی یہ محنت کرو اور مسجد میں بھی محنت کرو اور اس کام کو عارضی طور پر نہیں کہ کبھی کر لیا، کبھی نہیں کیا، سرسری طور پر، نہیں!!!

اس کو تو ہم مقصد بنائیں مقصد، کہ اللہ نے اس امت کو بھیجا ہے اسی کام کے لیے اور اللہ نے اس امت کو چنا ہے اسی کام کے لیے، عالم ارواح میں اسی مقصد کے لیے منتخب کیا، بھائی اس کو مقصد بنائیں اس کو کام بنائیں اس میں بچا کھچا گرا پڑا وقت نہ لگائیں، بلکہ مقصد بنا کر چلیں اس میں احکام خداوندی کو ادا کرنے کے لیے تو پھر وہ برکتیں اور رحمتیں آئیں گی کہ جو ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں، تو اس کے لیے درخواست ہے کہ نیت کرو اس کام کو مقصد بنا کر موت تک کرنے کی اور جہاں کا تقاضا ہو کوئی دور کا تقاضا ہو کوئی نزدیک کا ہو میں زمین کے آخری کنارے تک جاؤں گا، نیت کرو، جہاں کا تقاضا ہو ہم وہاں تک تیار ہیں، نقد ادھار سے بہتر ہے۔ ۷ ماہ کی جماعتیں، ۴ ماہ کی جماعتیں چلوں کی جماعتیں کھڑے ہو کر لکھواتے چلے جائیں کہ ہم ان شاء اللہ اپنی مسجدوں سے تیار ہیں ماشاء اللہ......لکھو بھائی............

بیان شب جمعہ

اقتباس وتلخیص بیان حضرت مولانا محمد جمشید علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلیٰ رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. أَمَّا بعدُ:

اللہ نے محض اپنے ارادے اور قدرت سے تمام کائنات کو بنایا اور ہر ذرے کو اپنے خزانہ غیب سے جود عطا فرمایا۔ اور وجود ملنے کے بعد ہر ذرے میں جو بھی ہے وہ اس کا اپنا نہیں ہے حتی کہ اس کا جسم بھی اس کا اپنا نہیں ہے۔ وہ تو معدوم تھا۔ اللہ جل شانہ نے اپنے ارادے اور قدرت سے سب اسے بنایا، نیستی سے ہستی دی۔ اور اس وجود میں شکل اس نے خود اپنی قدرت سے بنائی۔ اس شکل وصورت میں رنگ اپنی قدرت سے بھرے۔ اور ان میں بو اپنی قدرت سے رکھی۔ سب کچھ اپنے خزانے سے دیا۔

وَ اخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ. زبانیں مختلف، رنگ مختلف، شکلیں مختلف، یہ ساری چیزیں اللہ جلّ جلالہ کی قدرت کو پہچاننے کی نشانیاں ہیں، کسی کا رنگ اپنی چاہت سے نہیں بنا۔ کالے کو گورے پر، اور گورے کو کالے پر، رنگ کی وجہ سے کوئی فضیلت نہیں۔ ہاں، یہ جو اللہ جلّ جلالہ نے انسان کو اختیار، سمجھ بوجھ، دیکھنا سُننا اور بولنا عطا فرمایا ہے، تو اپنے خزانے سے عطا فرمایا ہے۔ اور پھر ان کا استعمال کرنے کی طاقت بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانے سے عطا فرمائی ہے۔

یہ سب عطا فرمانے کے بعد، آزمائش اور امتحان کے لیے اس انسان کو تھوڑے سے وقت کے لیے زمین پر بھیجا ہے۔ آنکھ ہے تو امتحان کے لیے۔ کان ہے تو امتحان کے لیے۔ زبان ہے تو امتحان کے لیے۔ دل ہے تو امتحان کے لیے۔ دماغ ہے تو امتحان کے لیے۔ ہاتھ ہیں تو امتحان کے لیے۔ پاؤں ہیں تو امتحان کے لیے۔

امتحان کا ہے کا ہے؟ امتحان یہ ہے کہ دیکھنے کی طاقت تو اللہ جل جلالہ نے دی، پھر اختیار دیا کہ جہاں جی چاہے دیکھ لے، اور جہاں جی چاہے نہ دیکھے۔ پھر اس دیکھنے کے

احکام بھیجے کہ: یہاں دیکھو، یہاں نہ دیکھو۔ تو جہاں کہے کہ دیکھ لو، وہاں دیکھ لو۔ اور جہاں کہے کہ نہ دیکھو، وہاں نہ دیکھو۔ بس یہی ہے امتحان۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے ہاتھ دیے، پھر اختیار دے دیا کہ جسے چاہے پکڑ لے، اور جسے چاہے نہ پکڑے، یعنی ان کے استعمال کا اختیار دے دیا۔ پھر اس پکڑنے کے احکام بھیجے کہ: اسے پکڑو، اور اسے نہ پکڑو۔ تو جہاں اللہ نے اجازت دی کہ پکڑلو، تو پکڑلو، اور جہاں کہے کہ نہ پکڑو، تو وہاں نہ پکڑو۔ بس یہ ہے امتحان۔

یہی حال کان کا ہے کہ کان اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے عطا فرمائے۔ پھر ان کے استعمال کا اختیار دے دیا، کہ جسے جی چاہے سن لو، اور جسے جی چاہے نہ سنو۔ پھر سننے کا احکام بھیجے کہ یہاں سنو، اور یہاں نہ سنو۔ تو جہاں کہے کہ: سن لو، تو وہاں سن لو، اور جہاں کہے کہ نہ سنو، تو وہاں نہ سنو۔ یہ کانوں کا امتحان ہے۔

اور یہی حال بولنے کا ہے، کہ پہلے زبان کو بولنے کی طاقت دی، پھر اختیار دیا کہ جی چاہے تو بولو، اور جی چاہے تو نہ بولو۔ اس کے بعد بولنے کے احکامات دے دیے کہ فلاں بات، فلاں لفظ بول سکتے ہو، اور فلاں بات اور فلاں لفظ نہیں بول سکتے۔ تو جہاں جتنی اجازت ہے کہ یہ بول لو، تو اتنا بول لو، اور جہاں منع کر دیا کہ نہ بولو، تو وہاں نہ بولو۔

اللہ میاں نے ساری کائنات کو اپنی قدرت سے بنایا، اور ان تمام اشیاء کو پیدا کر کے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا، ''اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْأَرْضِ خَلِیْفَۃً''۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے زمین بنائی، اس میں پہاڑ بنائے، تاکہ ہلے نہیں، اور روشنی کا نظام بنایا، سورج چاند ستارے بنائے، زمین میں اتنے خزانے رکھے، پھل پھول غلے سبزیاں پیدا کیں، تو فرشتے حیران کہ یہ سب کیوں بنایا؟ تو اللہ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا: ''إِنِّی جَاعِلٌ فِیْ الْأَرْضِ خَلِیْفَۃً ......''، إِلیٰ آخرہ۔ تو پتہ چلا کہ اصل، یہ کائناتی نقشہ نہیں ہے، بلکہ اصل تو یہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کی خلافت کے لیے بنے ہیں۔ کسی مخلوق کے بنانے سے پہلے یہ نہیں بتایا کہ اسے کیوں بنایا۔ ہاں! حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو بنایا بعد میں، اور کس لیے بنا رہے ہے، وہ پہلے بتا دیا۔

تو حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی زمین میں آمد کا مقصد خلافت ہے، یعنی احکاماتِ خداوندی حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام پر آئیں گے، اور حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام اللہ جل جلالہ کی مرضی کے موافق خود بھی ان پر عمل کریں گے اور دوسروں سے بھی عمل کرائیں گے۔ گویا احکامات کی تنفیذ کریں گے، یعنی احکامات کو نافذ کریں گے۔ مثلاً اپنی غرض، اپنی خواہش اور چاہت سے بولنے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ اللہ جل جلالہ کے حکم کے تحت اسے بولنے کی اجازت ہے۔ اچھی بات بولنے کی اجازت ہے، اور بری بات بولنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایسی بات جس سے امت میں جوڑ ہوتا ہو، اسے تو بولنا ہے، اور ایسی بات جس سے امت میں توڑ ہوتا ہو، اسے نہیں بولنا۔ جس بات سے مقصود دوسروں کی خیر خواہی ہو، اسے تو بولنا ہے، اور جس سے دوسروں کی بدخواہی ہوتی ہو، اس بات کو نہیں بولنا۔ دعوت کی بات بولنے کی صرف اجازت ہی نہیں، تاکید بھی ہے، اور چغل خوری لگائی بجھائی کے بول بولنے کی اجازت نہیں ہے۔ تو اب بس یہی امتحان ہے کہ آیا یہ انسان اللہ جل جلالہ کی مرضی سے چل رہا ہے یا نہیں۔ زبان ویسے استعمال کر رہا ہے یا نہیں، جیسے ایک خلیفہ کو استعمال کرنی چاہیے۔ کان ویسے استعمال کر رہا ہے یا نہیں، جیسے ایک خلیفہ کو استعمال کرنا چاہیے۔ ہاتھ ویسے استعمال کر رہا ہے یا نہیں، جیسے ایک خلیفہ کو استعمال کرنا چاہیے۔

تو حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خلافت ملی، تو ان کے جانے سے وہ خلافت ختم نہیں ہوئی، بلکہ تمام کی تمام اولادِ آدم علیہ الصلاۃ والسلام خلافت کی اہل ہے۔ خلافت کے معنی حکومت کے نہیں ہیں، بلکہ اس کا معنی یہ ہے: ''تَنْفِیْذُ الْأَحْکَامِ فِیْهَا''۔ تو بھئی! خلافت کا مفہوم یہ ہے کہ: تو اللہ جل جلالہ کا خلیفہ بن کر اللہ جل شانہ کے احکام کو تمام چیزوں اور نعمتوں، آنکھ میں کان میں، ہاتھ میں پاؤں میں، دل میں دماغ میں، لکڑ میں پتھر میں، تجارت میں، زراعت میں، ملازمت میں حکومت میں، وزارت میں صدارت میں، اور اس کے علاوہ ہر جگہ پر نافذ کر۔ اپنے افعال میں ضروریات کو بنیاد نہ بنا، بلکہ تو اللہ جل جلالہ کی خلافت کو دیکھ کر چل۔ ہر ایک

عمل میں اللہ جل شانہ کے حکم کو دیکھ کر چل۔ تو تو اللہ میاں کا خلیفہ ہے، حکم ملے گا اللہ جل شانہ کی طرف سے، اور اس کو نافذ کرے گا تو۔

تو بھئی! ہمیں تمہیں ہر ایک کو عمل میں لگنا ہے، لیکن ضرورتِ نفس کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اللہ جل جلالہ کے حکم کے تحت خلیفہ بن کر ہر عمل میں لگنا ہے۔ تو تمام انسان اور جن، خلافت پر آجائیں۔ خلافت کیا ہے؟ کہ بھئی! اپنی حاجت کی بنا پر کاموں میں نہیں لگنا ہے، بیاہ میں شادی، حکومت میں ملازمت میں، وزارت میں صدارت میں، مزدوری میں ٹھیکیداری میں، تجارت میں زراعت میں، غرض ہر ہر کام میں اللہ جل شانہ کے حکموں کو پورا کرنا ہے۔

حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اسلام والے اعمال جوں جوں وجود میں آتے جائیں گے، (یعنی اللہ جل جلالہ کے احکام اللہ کے بندے اللہ کے حکم کی بنیاد پر پورے کرتے جائیں گے)، تمام باطل طریقے خودبخود مضمحل اور کمزور ہوتے جائیں گے۔

تو بھئی! کمزوری تو میری اور آپ کی ہے۔ نہ پیٹ بھرنا مقصود ہے، نہ بھوکا مرنا مقصود ہے۔ تو ہر کام میں اللہ جل جلالہ کے حکم کی بنیاد پر لگنا ہے۔ تو مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اسلام والے اعمال جوں جوں وجود میں آتے جائیں گے، تمام باطل طریقے خودبخود مضمحل اور کمزور ہوتے جائیں گے''۔

ارے بھئی! جب سورج نکلے گا، تو رات باقی رہے گی؟ جب سورج نکلے گا تو دن چڑھ جائے گا۔ گویا سورج کا نکلنا رات کا بھاگنا ہے، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کا وجود میں آنا باطل طریقوں کا مضمحل ہونا ہے۔ اگر ہم اللہ جل جلالہ کے حکموں اور پیغمبروں کے طریقوں پر آتے جائیں گے، اور اللہ جل شانہ کی رضا کے لیے عمل کرتے جائیں گے، تو ایک وقت وہ بھی آئے گا کہ باطل والوں کے عوام اس طرح اسلام میں داخل ہوں گے: ''یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ أَفْوَاجًا''۔

اللہ جل شانہ نے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''کَافَّةً لِّلنَّاس'' یعنی: سارے

انسانوں کی طرف پیغام پہنچانے کے لیے بھیجا ہے۔ ہمیں بھی نائب بنا کر بالکل وہی کام دیا ہے، بالکل اسی طرح۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ساٹھ ہزار کا لشکر پانی کو پار کر گیا، تو فارس والوں نے صلح کا پیغام بھیجا۔ اس پر امیر لشکر نے کہا کہ: ہمارے ہاں لمبا چوڑا چکر تو ہے نہیں، اَللّٰہُ ابْتَعَثَنَا۔ اللہ جل جلالہ نے ہمیں نائب بنا کر بھیجا ہے۔ تو حضرت رِبعی بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بادشاہ کی مجلس میں کہا: اَللّٰہُ ابْتَعَثَنَا إِلَیْکُمْ۔ جیرت کی حد کی حد ہے۔ یہ بھی نہیں کہا کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھیجا ہے۔ نہیں، اللہ جل جلالہ نے بھیجا ہے۔ تم اللہ کی مان لو، جھگڑا ختم۔ تو رستم جو سب سے بڑا، اور طاقت ور پہلوان مانا جاتا تھا، اس نے بادشاہ اور مجلس والوں سے کہا کہ: ''اس آنے والے کے کپڑوں کو نہ دیکھو، یہ دیکھو کہ بات کیا کر رہا ہے۔'' ''لا تنظروا إلیٰ لباسِه، ولکن انظروا إلیٰ کلامِه''۔ وہ بات کیا تھی؟ ''لنخرج العباد من عبادة العباد إلیٰ عبادة رب العباد، من ضیق الدنیا إلی سَعَة الآخرة، من جور الأدیان، إلی عدل الإسلام''... إلی آخرہ۔ نہ تو کسی جگہ پر قبضہ کرنے آئے، نہ ہی کچھ لینے آئے۔ بلکہ اللہ جل جلالہ کے بھیجے ہوئے، اللہ کی طرف بلانے آئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے تمہیں، سب کو آج اسی احساس کی یاد دہانی کی توفیق عطا فرمائے۔ آج ہمیں بڑی بھول لگی ہوئی ہے۔

ہمیں کس نے پیدا کیا؟ اللہ نے پیدا کیا۔ پھر صاف فرما دیا کہ کیوں پیدا کیا؟ ارشاد فرمایا: تبَارَکَ الَّذِی بِیَدِہِ الْمُلْکُ کہ وہ ذات برکت والی ہے جس کی مٹھی میں ہر چیز ہے۔ اس کی دلیل کیا ہے کہ اس کی مٹھی میں ہر چیز ہے؟ تو آگے فرما دیا: وَھُوَ عَلیٰ کُلِّ شیءٍ قدیر، یہ اس کی دلیل ہے۔ تو دعوی تو یہ تھا کہ ہر چیز اس کی مٹھی میں ہے، اس کی دلیل چاہیے۔ اس کی جو دلیل دی کہ وھُوَ علیٰ کُلِّ شیءٍ قدیر کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو وہ پہلے دعوے کی دلیل تو بنی، مگر یہ خود اس سے بھی بڑا دعویٰ ہو گیا۔ تو جو دلیل ہے، وہ تو خود ہی ایک دعوی ہے، تو آگے اس کی دلیل ہے: الَّذِی خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاةَ لِیَبْلُوَکُمْ کہ پتہ ہے وہ اللہ کون ہے؟ اس نے تو ہر چیز کی موت

اور زندگی کو پیدا کیا۔ تو جب پیدا کیا، تو اس پر قادر بھی ہوا۔ اور جب قادر ہوا تو ملک بھی اس کے ہاتھ میں ہے۔

پھر اس جگہ موت کو مقدم کیا، کہ اس کا انکاری کوئی بھی نہیں ہے۔ ماں تڑپ رہی، بچے پھڑک رہے، بیوی سر پٹک رہی، پھر بھی مر رہا، تو ضرور کوئی اور ہے جس کے ہاتھ میں موت ہے۔ اور جس کے ہاتھ میں موت ہے، اس کے ہاتھ میں ہی حیات بھی ہے۔ اور جب ہر ایک کی موت ہو یا حیات، اسی کے ہاتھ میں ہے تو اس کی قدرت ہر شے پر ہوئی۔ تو آگے یہ ہے کہ اس موت وحیات کے درمیان جو عرصہ ہے اس میں کیا چاہتے ہیں؟. تو کہا کہ: ''لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ''۔ بس اتنا ہی مسئلہ ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کا فکر یہ ہو کہ ہر عمل بڑھیا سے بڑھیا ہو۔ اچھے سے اچھا عمل ہو۔

تو بھئی یہ عمل اچھے سے اچھا کیسے ہو؟ ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ..... إلىٰ آخِره. تو جو عمل جتنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونے پر ہوگا، اتنا ہی بڑھیا ہوگا۔ ہر عمل کو پرکھو کہ نمونہ کے مطابق ہے یا نہیں؟ تمام امت اور ساری نسلوں کا ہر عمل نمونہ کے مطابق ہو، یعنی سنت کے مطابق ہو۔ تو ہمیں جو محنت کرنی ہے وہ اعمال پر کرنی ہے، اور اعمال کی جان ہے ایمان۔ اعمال میں سے وہ عمل بڑھیا بنے گا جس میں ایمان بڑھیا ہو۔ اور ایمان کی محنت کے لیے اللہ جل جلالہ نے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو بھیجا کہ جا کر دعوت دو: لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰه ۔ (ضربوں کے ساتھ کئی مرتبہ، اور مجمع بھی ساتھ ہی)۔

اللہ کے غیر سے ہونے کو، دل سے دو نکال

اور: اللہ سے ہونے کو، دل میں دو ڈال

اور ایسا ڈالو کہ ہر حال میں اللہ پر نظر جائے، کسی نقشہ پر نہیں۔ اور اللہ میاں پر نظر جانے کا مطلب یہ ہے کہ: اس مصیبت، پریشانی دکھ میں اللہ جل جلالہ کا حکم کیا ہے، اس کو دیکھ کر اپنے کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے موافق اس میں لگا لو۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے پوچھا: اسم اعظم کیا ہے؟ تو

آپ اسے لے کر دریا کے کنارے پر کہا اور کہا کہ: اندر چل۔ وہ اندر داخل ہوا، تو آپ نے کہا: اور اندر۔ اسی طرح کرتے کرتے اس کی گردن تک پانی آ گیا، تو آپ نے کہا: اور اندر چل۔ تو اس نے کہا کہ: اس طرح تو ڈوب جاؤں گا۔ تو آپ نے فرمایا کہ: اسمِ اعظم تو تبھی پتہ چلے، جب اور آگے جائے گا۔ وہ اور آگے ہوا تو غوطے کھانے لگا۔ تو آپ نے اسے پانی سے نکلوایا اور پوچھا کہ: صحیح بتاؤ! جب تمہیں غوطے آ رہے تھے تو دھیان میں کیا تھا کہ کون بچا سکتا ہے؟ تو کہنے لگا: یہی تھا کہ بس اللہ ہی بچا سکتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ: یہ ہے اسمِ اعظم کہ اللہ کا نام اس طرح لیا جائے کہ اللہ جل شانہ کے غیر کی طرف توجہ ہی نہ ہو۔

ایک چھوٹا سا پرندہ تھا، وہ اڑا چلا جا رہا تھا کہ دانہ دُنکا تلاش کر کے پیٹ بھروں کہ اس کے پیچھے ایک شکرہ لگ گیا۔ اس چھوٹے سے پرندے کو جو پتہ لگا کہ میرے پیچھے شکرہ لگ گیا ہے، تو اس نے پوری قوت سے اڑنا شروع کر دیا، تا کہ جان بچے۔ کافی دیر تک وہ اڑتا رہا، لیکن جدھر کو وہ جاتا، پیچھے ہی پیچھے وہ شکرہ بھی پہنچ جاتا، حتیٰ کہ یہ ننھا پرندہ اڑتے اڑتے تھک کر چور ہو گیا۔ جہاں یہ تھکا، وہیں وہ شکرہ بھی تھک کر چور ہوا۔ اور دونوں کے دل میں آئی کہ تھوڑی دیر کہیں بیٹھ جائیں۔ چنانچہ وہ ننھا پرندہ نیچے اتر کر ایک درخت کی ٹہنی پر جو گھنے پتوں سے ڈھکی ہوئی اور کافی نیچی تھی، بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ شکرہ بھی اسی درخت کے پاس آیا، اور اسی درخت کی اوپر والی ٹہنی پر بیٹھ گیا۔ اب پرندے کے بچنے کی ایک ہی صورت تھی کہ اپنی جگہ پر چپ چاپ بیٹھا رہے تا کہ شکرے کو اس کی موجودگی کا پتہ نہ چلے۔ اور کسی لمحے شکرے کو غافل پا کر اڑے اور جان بچانے کی کوشش کرے۔

بہر حال، وہ اپنی جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شکاری وہاں آ نکلا۔ اس نے جو پرندے چپ چاپ بیٹھا دیکھا تو خوش ہو گیا کہ چلو قریب ہی میں شکار مل گیا۔ اپنا تیر کمان نکالا اور پرندے کو نشانہ باندھنے کی تیاری کرنے لگا۔ پرندے کی نظر جب شکاری پر پڑی تو بہت پریشان ہوا کہ اب کیا کروں؟ اڑوں کہ بیٹھوں...!!! اڑوں تو شکرہ پکڑے، بیٹھا رہوں تو شکاری۔ اوپر موت شکرے کی شکل میں، نیچے موت شکاری کی شکل میں، نہ جائے

ماندن، نہ پائے رفتن۔ اس گومگو کی حالت میں اس کے دل کی نگاہ اللہ جل جلالہ کی جانب اٹھی اور بے اختیار اس کے منہ سے نکلا: ''اَللّٰہ''۔ فوراً اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوئی، اور اس ننھے پرندے کی جان بچانے کا فیصلہ ہو گیا۔ اسی آن ایک کالا سانپ نکلا، اور اس شکاری کے پاؤں پر لپٹ گا، اور اس کی ٹانگ پر ڈس لیا۔ اور نشانہ جو اس ننھے پرندے پر بندھا ہوا تھا، اور چوک کر شکرے کو جا لگا۔ اس طرح دونوں مارنے والے مر گئے، اور اس پرندے نے جو اللہ جل جلالہ کو دو موتوں میں پکارا، تو اللہ جل شانہ کی نصرت آئی، اور دو موتوں کو موت آئی۔ تو بھئی!

اللہ کے غیر سے ہونے کو، دل سے دو نکال

اور: اللہ سے ہونے کو، دل میں دو ڈال

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت عالم کے تمام لوگوں کے لئے عام، اس کا میدان تمام زمین، اور قیامت تک کا زمان۔ اب اللہ جل شانہ نے تمہیں اپنا خلیفہ بنایا ہے، اسی کو صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فارس والوں سے کہہ رہے ہیں: اَللّٰہُ ابْتَعَثَنَا إِلَیْکُمْ.

کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ تو بھئی! اللہ جل جلالہ نے ہمیں خلیفہ بنایا ہے، ہم اس کو سوچیں۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس کو خوب سمجھتے تھے کہ کس کے خلیفہ ہیں؟ پیغام کس کا ہے؟ اور بھیجنا کس کی طرف سے ہے؟ تو اب مقابلہ میں چاہے آندھی آئے طوفان، ہمیں جمے رہنا ہے جیسے چٹان۔ بھیجنے والے اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہے، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قوت ہمارے ساتھ ہے۔ ہمیں بس اس کے پیغام کو پہنچانا ہے، اور خلافت کا حق ادا کرنا ہے۔

اگر ہم سمجھ لیں، تو اصل مسئلہ بس یہ ہے کہ: اللہ جل جلالہ نے ہمیں خلافت عطا فرمائی ہے، اس لیے ہمیں اللہ کے احکام پر چلنا ہے اور احکامات کو بس اللہ کا حکم ہونے کی وجہ سے پورا کرنا ہے۔ بس، ہم تو لگیں اس دعوت کی محنت میں۔ سارے کے سارے انسانوں کی شفقت اور خیر خواہی دل میں ہو۔ اور دعا بھی کریں کہ: اے اللہ! ہمیں بھی

ہدایت دے، اور انہیں بھی ہدایت دے۔ ہمیں بھی جنت میں پہنچا دے، اور انہیں بھی جنت میں پہنچا دے۔ بس، مرنے سے پہلے اللہ جل شانہ کی رضا مل جائے۔

تو اصل مسئلہ یہ ہے کہ: ہم توکل اور بھروسہ، اللہ جل جلالہ پر کریں، اور امت کے تمام طبقے، چور، ڈاکو، مسلم، کافر، مشرک، بت پرست، ڈاکٹر، انجینئر، صدر وزیر، مستری مزدور ہماری محنت کا میدان ہیں، میں اور آپ نیت کر کے اپنے آپ کو خلیفہ سمجھ کر اعمال میں لگو اعمال میں لگا وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے یقین کے ساتھ۔

ہماری اس محنت کا مقصد عہدہ نہیں، مال نہیں۔ سیم نہیں، زر نہیں۔ بلکہ اللہ جل شانہ کی رضا کے لیے اعمال میں لگنے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ پھر ایسی ایسی اللہ کی مدد یں آئیں گی جیسی صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ آئیں۔ جب ایک پرندے کے ساتھ اللہ کی مدد ہے، تو کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں ہو گی۔ تو بھائی! دعوت کی محنت میں امت کے ہر طبقے کو اپنی محنت کا میدان سمجھ کر لگو۔ اور ہر ہر فرد کو منت سماجت سے خوشامد سے اعمال پر لانے کی محنت کرو۔ یقین کی محنت پر لاؤ۔ کسی طبقے کو، کسی فرد کو غیر نہ سمجھو، یہ سارے امت ہماری اپنی امت ہے۔ نیت کرو کہ کوئی انسان مر کر جہنم میں نہ جائے، بلکہ کامیاب ہو کر مرے۔ حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''ہزاروں سینکڑوں قومیں ملا کر امت بنا کرتی ہے۔ جو کوئی بھی کسی قوم یا گروہ کو اپنا سمجھے، اور دوسروں کو غیر، تو وہ امّت کو ذبح کرتا ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی محنتوں پر پانی پھیرتا ہے''۔

تو بھائی، سارے طبقوں کو امت میں شامل سمجھ کر، اللہ کی رضا کو سامنے رکھ کر، ساری امت کو محنت کا میدان سمجھتے ہوئے، منت سماجت سے ہر ہر فرد کو پورے کے پورے دین پر لانے کی محنت کرنی ہے، تا کہ ہر ایک شخص میں لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُحَمَّدٌ رَّسُـوْلُ اللّٰهِ والا یقین پیدا ہو جائے، اور ہر ہر فردِ امت میں اللہ کی رضا کی خاطر اعمال میں لگنے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ تو کوشش کرو گے بھائی!

رائے ونڈ اِجتماع میں بیان

(۱۰/۱۱/۲۰۰۷ء)

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

الحمدللّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذباللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لاالہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا محمدا عبدہ ورسولہ اما بعد فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم والذین جاھدوفینا لنھدینھم سبلنا وان اللّٰہ لمع المحسنین وقال اللّٰہ جل جلالہ قل ھذہ سبیلی ادعوالی اللّٰہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اللّٰھم لا عیشَ الا عیشُ الآخرۃ وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نَعم امۃ امّیۃ لا نکتب ولانحاسب اوکما قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم.

بھائیو دوستو بزرگو! اللہ رب العزت نے محض اپنے ارادے اورقدرت سے سات آسمان زمین، سورج چاند، ہوا آگ، پانی مٹی، درندے پرندے چرندے، پتھر لکڑ، لوہا پیتل، تانبا کانسی، سردی گرمی، روشنی اندھیرا، انسان جنات، فرشتے چوپائے، تالاب ندی نالے، ہر مخلوق اللہ رب العزت نے محض اپنے ارادے اورقدرت سے بنادی، زمین کا ارادہ کیا تو بن گئی، آسمانوں کا ارادہ کیا تو بن گئے، سورج چاند ستارے کا ارادہ کیا تو بن گئے۔

غرض یہ کہ فرشتے ہوں، چاہے جنات، انسان ہوں، خواہ حیوانات، یہ سب کے سب اپنے بننے میں اللہ رب العزت کے ارادے اورقدرت کے محتاج ہیں، خود بنے

نہیں، اُن کی حیات اُن کے اپنے ہاتھ میں نہیں، اُن کی موت اُن کے اپنے ہاتھ میں نہیں، عزت ذِلت، بیماری، صحت، کامیابی، ناکامی یہ سب کچھ اللہ رب العزت کے قبضے اور قدرت میں ہے اور اللہ رب العزت نے پوری زمین کے سارے انسان قیامت تک کی نسلیں اور زمان سب کو دنیا میں مرنے سے پہلے قبروں میں اٹھنے سے پہلے اور قیامت کے دن میں پل صراط پر چلنے سے پہلے، پل صراط پر جنت میں پہنچنے سے پہلے، ہر جگہ کامیابی سب کی نہ ملک کے ساتھ جوڑی نہ مال کے ساتھ، نہ مادی اسباب کے ساتھ، ہر جگہ کی کامیابی اللہ رب العزت نے ہر موقع اور ہر حال کے اپنے احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور اعمال کے ساتھ وابستہ فرمائی ہے اور ہر موقع اور ہر حال کے اللہ رب العزت کے احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ادا کرنا اس کا اختیار اللہ رب العزت نے ہر ہر انسان کو اپنے پاس سے غیبی خزانے سے عطا کیا ہے۔ جو انسان بھی ایمان لانے کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے توفیق کے دروازے کھول دیے ہیں، جو انسان بھی چوبیس گھنٹے کے اعمال دیکھنا، بولنا، ہنسنا ہاتھ پیر استعمال کرنا، کھانا، پینا، بیاہ، شادی، تجارت، زراعت، حکومت جتنے بھی اعمال اختیار اور ارادے سے اِنسان کرتا ہے تو اللہ رب العزت نے اپنے غیبی خزانے سے انسانوں میں یہ صفت اور خوبی اور اختیار قوت عطا فرمادی ہے کہ یہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے حکموں پر نبی کے طریقے پر اللہ کی رضا کے جذبے کے ساتھ چل سکیں اور یہ امت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے اس کو اگلی صفت بھی عطا فرمائی کہ چوبیس گھنٹے کے ہر عورت، مرد، بوڑھے، جوان، فقیر، مسکین، بادشاہ، وزیر کے اعضاء و جوارح سے صادر ہونے والے اعمال حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور اللہ تعالیٰ کے رضا کے جذبے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام کی ادائیگی کے ساتھ صادر ہوں، وہ عبادت بن جاتے ہیں، ہر انسان میں اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار و خوبی اور قوت و طاقت رکھ دی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے اپنے احکام نازل فرمائے تاکہ ہر زمانے کے اِنسان

پیغمبر اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی منشاء اور مرضی پہچان سکیں اور اس کے مطابق چوبیس گھنٹے کے اعمال دیکھنا، بولنا، سننا، کھانا، پینا، کمانا، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج سارے اعمال کرسکیں، یہ اللہ رب العزت نے ہر ہر انسان میں خوبی اور صفت رکھ دی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں اگلی بات بھی رکھ دی کہ یہ ایسی محنت کرے گی کہ آگے والے بھی اُمت بن کے چلیں، اسی واسطے حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ آخری بیان میں فرماتے ہیں کہ:

''امت میں امت پنا نہیں رہا، امت میں سے امت پنا نکلا ہوا ہے محنت ہمیں یہ کرنی ہے کہ امت میں امت پنا آجائے۔ کہیں پر بھی کوئی بھی کیسا بھی کلمہ پڑھنے والا مسلمان بھائی، عورت، مرد، بوڑھا، جوان، فقیر، مسکین، بادشاہ، وزیر، پڑھا لکھا ان پڑھ ہر ہر مسلمان ہر حال میں ہر مقام میں بہر حال مخلوق ہے، اس سے اثر نہ لے ایک ہی بات کو دیکھے کہ اس حال میں میرے لیے اللہ رب العزت کی منشاء اور مرضی یعنی اس کا کیا حکم ہے؟ قید میں ہو، چاہے آزادی میں، بیماری میں ہو یا صحت میں، فقر وفاقے میں ہو چاہے مال داری میں، سفر میں ہو خواہ حضر میں ہر ہر مسلمان عورت و مرد، بوڑھا، جوان، فقیر مسکین، بادشاہ، وزیر، پڑھا لکھا، ان پڑھ سب کا ایک ہی کام ہے ایک ہی ذمہ داری ہے''۔

ہر ایک مسلمان اس بات کو پہچانے اور اس بات کو جانے اور اس بات کو معلوم کرے کہ مجھ سے اس حال میں اس وقت اللہ تعالیٰ کیا چاہتے ہیں؟ جب مرد، عورت، بوڑھا، جوان، فقیر، مسکین، بادشاہ، وزیر، بیمار، تندرست جو کوئی بھی ہو اس کے اندر کی ہوک اور اندر کی بھوک اور اندر کی چاہت اور تقاضا یہ ہوگا کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے اور اس کی منشا اور اس کی مرضی کو دیکھ کر چلنا ہے، لہٰذا حالات کچھ بھی ہوں حالات سے اثر نہیں لینا، اللہ رب العزت کیا چاہتے ہیں؟ اللہ رب العزت کی مرضی منشاء کیا ہے؟ بس یہ وقت تو اللہ تعالیٰ کی چاہت مرضی اور منشاء کو دیکھ کر چلنے میں لگ جائے۔ اور ہم چونکہ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں ہیں، دوسروں پر بھی محنت یہ کریں کہ

ہر ہر مسلمان، عورت، مرد، بوڑھا، جوان، فقیر، مسکین، بادشاہ، وزیر اللہ تعالیٰ کی منشاء اور مرضی کو دیکھ کر چلنے والے بھی بنیں اور وہ دوسروں کو بھی دین پر لانے والے بنیں اور اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو موت تک اور قیامت تک چلا دیں، بس اتنا ہی کام ہے، ہر مسلمان شہری دیہاتی ایک ہی بات کی فکر میں پھرتے رہیں کہ میرے لیے اس حال میں کیا حکم ہے اور حکم کو ادا کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کیا طریقہ سکھایا ہے؟۔

لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة ...... پکی اور یقینی بات ہے کہ تمہارے لیے چوبیس گھنٹے کی زندگی گزارنے کے لیے نمونہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بنا کر بھیجا ہے۔ بہترین اعلیٰ قسم کا طریقہ / نمونہ اللہ تعالیٰ نے بنا کر بھیجا ہے۔ جہاں آپ کا غم امت کو بھی غم، جہاں آپ کی خوشی امت کی بھی خوشی ......جس حال میں جو کیا، جو بتایا، جو دکھایا وہ اُمت کے لیے ضابطہ حیات ہے۔ اور اپنی دعوت و محنت سے امت کو یہی بتا گئے کہ ہر حال میں عورت ہو یا مرد، عالم ہو یا صوفی، مال دار ہو یا غریب ایک ہی کام میں لگ جائیں کہ ہمیں اللہ رب العزت کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پہ چلنا ہے، انہی کی دعوت دینی ہے، انہی پہ جان کھپانی ہے، انہی پہ قربان ہونا ہے، اسی پر چلنا اور چلانا اور لگنا اور لگانا ہے تو اس کی کامیابی میں شک کی گنجائش نہیں۔ گھر میں کھانے کے دانے ہوں چاہے نہ ہوں، بدن پر چیتھڑے، پیروں میں لیتھڑے، گھر میں ٹھیکرے، سر چھپانے کو جھونپڑے ہوں چاہے نہ ہوں اس کی کوئی حیثیت دلوں میں نہ ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ اللہ کے یہاں کوئی حیثیت نہ پکے مکانوں کی ہے، نہ کچے مکانوں ہے، نہ کارخانوں کی ہے، نہ دکانوں کی ہے، نہ زمینداروں کی ہے، نہ بادشاہوں کی ہے، نہ وزیروں کی ہے، نہ توپوں کی ہے، نہ ایٹم بموں کی ہے، نہ سونے کی کانوں کی ہے، نہ چاندی کی کانوں کی ہے۔ ان چیزوں کی کوئی حیثیت ان کی ذات کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے یہاں نہیں ہے، حیثیت صرف ایک ہی چیز کی ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت چھوٹنے نہ پائے، اللہ رب العزت کا کوئی حکم مٹنے نہ پائے، اللہ تعالیٰ کے احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور اعمال یہی ہے حیثیت کی چیز اور اللہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعے سے ایسی مشق کرائی کہ قیامت تک کے لیے نمونہ بنا دیا۔ ایسے حالات لائے کہ قیامت تک کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نمونہ اللہ تعالیٰ نے بنایا، **لاالہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ.**

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا آپ تشریف لے گئے، اب یہ اس قدر عظیم سانحہ اور حادثہ اُمت کے لیے تھا کہ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسی ہستی محبت کی شدت میں حال یہ تھا کہ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے کہ اگر کسی کی زبان پہ یہ بات آئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے موت پائی تو گردن اُڑا دوں گا۔ وہ تو اپنے رب سے ملنے گئے ہیں۔ ایسی سچی محبت تھی اور ایسا غم طاری ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ جیسے صحابی رسول کہہ رہے ہیں کہ کسی زبان پر یہ بات آ گئی تو گردن اُڑا دوں گا، **لا الـٰـه الا الـلّٰـه**. حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گئے اور کپڑا ہٹایا اور دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، باہر آئے صحابہ رضی اللہ عنہم پر پریشانیوں کے پہاڑ ٹوٹے پڑے تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا **وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسول افأمن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم** اب جو یہ آیت پڑھی تو صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے ابھی یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اور اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر پھیل گئی تو یہود و نصاریٰ پہلے سے انتظار میں بیٹھے تھے کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے پاس ہے تو کچھ نہیں نہ ہتھیار نہ فوج ساری چیزیں تو ہمارے ہاتھ میں ہیں یہ بے چارے مٹھی بھر فقیر مسکین نہ تن ڈھکنے کو چیتھڑے نہ ان کے پیروں میں لیتھڑے نہ گھروں میں کھانے کے دانے یہ فقیر مسکین لوگ ہیں۔ ہاں

نبی کے ساتھ اللہ کی مدد ہوا کرتی ہے وہ چلے گئے اب تو میدان ہمارے ہاتھ میں ہے اور انہوں نے یہ سنتے ہی مدینے پر چڑھائی کرنے کے لیے عراق میں فوجیں لگا دیں، اب مدینہ انتہائی خطرے میں ہے اور رات دن اسی خوف میں کہ کب یہود و نصاریٰ چڑھائی کے لئے آ جائیں، دوسری طرف بہت سے قبائل نے یہ سنتے ہی کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، زکوٰۃ کا انکار کر بیٹھے، تیسری بات حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لشکر کے بارے میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے چکے تھے کہ جیش اسامہ کہ اسامہ کے لشکر کو روانہ کرو کہ وہ تیار رہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، اب اگر اس لشکر کو بھیجتے ہیں، فلسطین کی طرف تو مدینہ فوج سے بھی خالی، یہود و نصاریٰ چڑھائی کے ارادے کر چکے۔ اندرونی حالات یہ ہیں کہ بہت سے قبائل زکوٰۃ کا انکار کر چکے۔ اندرونی حالات مزید بگڑ گئے اور بیرونی حالات بھی بگڑ گئے، ابھی ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان تمام تر مصائب اور پریشانیوں کو اور گھیراؤ کو اور نہتے ہونے کو اور فقر و فاقے کو دیکھتے ہوئے فیصلہ فرمایا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو روانہ کرو جلدی...... اس بات کا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرما چکے کہ جیش اسامہ۔ اے ہمارے امیر اگر یہ لشکر چلا گیا فلسطین، تو مدینے کا کیا ہوگا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے ابوبکر اس کو نہیں ٹال سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا حکم ہے، ہم نہیں جانتے کہ ہمارا کیا ہوگا مدینے کا کیا ہوگا؟ لشکر روانہ ہو کر رہے گا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پریشانی میں فرمایا کہ: ابوبکر! مدینے میں ہماری بیویاں بیٹیاں ہیں، یہود نصاری چڑھ کر آئیں گے اور وہ ہماری بیویوں بیٹیوں کی چوٹیاں پکڑ کر لے جائیں گے، کیا ہوگا حالات یہ ہیں۔

ایک ہیں حالات اور ایک ہیں احکام، تو اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے احکام کو دیکھ کر چلنا اور حالات سے غیر متاثر ہونے کی بنیاد قائم فرما دی کہ ہمارا کام

احکام کو دیکھ کر چلنے کا ہے، حالات کو دیکھ کر چلنے کا نہیں، ہم حالات کے غلام نہیں، حالات مخلوق ہیں، ہم تو اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے غلام ہیں اور فرمایا کہ لشکر روانہ ہو کر رہے گا، چنانچہ لشکر کو روانہ کر دیا۔ اب مدینہ خالی ہے۔ ڈیڑھ سو کے لگ بھگ مدینے میں مسلمان ہیں، اِدھر زکوٰۃ کا انکار بہت سے قبائل کر چکے، اُدھر یہود و نصاریٰ عراق میں فوجیں لگا چکے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ جو ۱۵۰ رکے قریب مسلمان موجود ہیں، ان کو لے کر چلو مرتدین کے مقابلے پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ابوبکرؓ! آپ ہمارے امیر ہیں، آپ کیا کر رہے ہیں؟۔ مدینہ فوج سے خالی ہوگا، یہود و نصاریٰ چڑھ آئیں گے تو کیا حال ہوگا، ہماری بیبیوں کا؟ چلو ہم اپنی بیبیوں اور بیٹیوں پر صبر کر لیں گے، ازواجِ مطہرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں مدینے میں موجود ہیں، تو اگر مدینے میں یہود و نصاری چڑھ کر آئیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر لے جائیں گے، ابوبکرؓ ہمارا کیا ہوگا؟ تو اللہ کو یہ بنیاد قائم کرنی تھی ان حضرات کے ذریعے سے کہ احکام اصل ہیں، حالات اصل نہیں ہیں، حالات کو دیکھ کر نہیں چلنا یہ احکام ساری امت کے لیے اترے ہیں، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو معاف فرمائے کہ اپنے حالات پہ نظر جاتی ہے کہ حالات کیا چیز ہیں؟ ہم حالات کے بندے ہیں، اللہ کے احکام کیا ہیں ہمیں نہیں معلوم۔ جس کے احکام ہیں وہ جانیں۔ نہیں میرے بھائیو بزرگو! وہ خالق حالات ہے، حالات اللہ کے ہاتھ میں ہیں، غیر اللہ کے ہاتھ میں نہیں اور جو اللہ کے احکام کو دیکھ کر چلے گا اللہ کی مدد اور نصرت اس کے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ہے اس کے لیے زمین سے آسمان تک حالات بگڑ جائیں، پھر بھی اس کے ساتھ اللہ ہے، **ان اللّٰہ مع المتقین** اللہ کے بن کے چلو، اللہ تمہارے ساتھ ہے، اس کا حکم ادا کرو، نیکو کار بن کے چلو، نبی کی سنت کی اتباع کرو۔ اللہ تمہارے ساتھ ہیں، تو اللہ کی نصرت کو ساتھ لینا یہ اصل ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم دیا ہے کہ جیش

اسامہ کو نافذ کر دو میں اس حکم کو نہیں توڑ سکتا، یہ تو حکم ہو کر ہی رہے گا۔ اس امت کو حق پر ڈالنے کی اللہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو توفیق دی، حالات کچھ بھی ہوں، گھریلو، بیرونی، ملکی، طبقاتی، قومی، علاقائی ہمیں حالات سے کوئی سروکار نہیں۔ ہمارا تو کام ہی ایک ہے کہ اللہ کا حکم کیا ہے؟ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سنت طریقہ کیا ہے۔ کیونکہ حالات جو ہیں یہ تو مخلوق ہیں۔ ان سے کچھ نہ بگڑے، نہ سدھرے، نہ ہم بگاڑ کو دیکھیں گے نہ سدھار کو۔ ہمیں تو حکم کو دیکھنا ہے، ٹھیک یہی بنیاد کہ اللہ رب العزت نے موسیٰ علیہ السلام کو طور پر بلایا، فرمایا: اے موسیٰ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ تو اس لیے اللہ تعالیٰ نہیں پوچھ رہے کہ وہ جانتے نہیں بلکہ اس لیے کہ موسیٰ کی زبان سے بات نکلے جو نہ ان کے تجربے کی ہے نہ ان کے مشاہدے کی ہے اور قیامت تک آنے والی نسلیں ان کو سنیں، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا...... یہ تو میری لاٹھی ہے، لکڑی ہے، بے جان چھڑی ہے، پتے جھاڑتا ہوں اس سے بکریوں کے لیے اور ٹیک لگاتا ہوں اس سے اپنے لیے، سہارا لگاتا ہوں اپنے لیے جب تھک جاتا ہوں، بہت سے کام اس سے نکلتے ہیں تو اللہ نے فرمایا...... باوجود یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو ضرورت تھی لاٹھی کی۔ حکم ہوا کہ **القھا** ...... پھینک دو تو پھینک دی...... اچانک سانپ بن کر لہرانے لگا اور موسیٰ علیہ السلام کے وہم میں نہ گمان میں، رات کا وقت ہے پہاڑ کا اوپر ہے اور جاڑے کا موسم ہے، موسیٰ علیہ السلام ڈرے اور پیٹھ موڑ کر بھاگے۔ کہ اس سانپ نے تو ذرا سا بھی منہ لگا دیا تو میں یہاں پڑا رہوں گا، میری بی بی وہاں انتظار کرتی ہے، پیٹھ پھیر کر بھاگے، اللہ نے فرمایا کہاں جا رہے ہو؟ **لاتخف**...... اس کے سامنے آؤ **خذھا** پکڑو...... حکم ہے کہ سانپ کو سامنے سے آ کر پکڑو۔ اب اگر مشاہدے کو دیکھیں، تجربے کو دیکھیں، تو معذرت کریں کہ یا اللہ بیوی بھی میری اکیلی ہے، یہ سانپ ہے ڈس لے گا، مر جاؤں گا، کیا ہوگا؟ یہ مشاہدہ اور تجربہ ہے، لیکن حکم کیا ہے کہ **اقبلھا**۔ اس کو پکڑ! تو سارے مشاہدات اور تجربات کو ٹھکرا کر حکم ادا کرنے کے لیے سامنے آئے اور وہ لہرائے جا رہا تھا اور موسیٰ

علیہ السلام نے اللہ کا حکم ادا کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا، انگلیوں کے پوروں میں سانپ کے دانت لگتے ہیں، ہاتھ لگاتے ہی لاٹھی کی لاٹھی، تو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو حالات سے غیر متأثر ہو کر حکم ادا کرنے کی بنیاد پر تن من ڈال دیا، اللہ مجھے آپ کو قیامت تک آنے والی نسلوں کو اپنے احکام اور پیغمبر علیہ السلام کی سنت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور حالات سے غیر متأثر ہو کر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لـو ظـنـنـت ......اگر مجھے اس بات کا گمان ہو جاوے کہ کتے مدینے میں گھس کر ازواج مطہرات کے پیر پکڑ کر یا گھسیٹ کر لے جائیں گے تو بھی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نافذ کر کے رہوں گا۔ تو یہ بنیاد ہمارے لیے قیامت تک کے لیے عام ہوگئی کہ ہم حالات کے غلام نہیں، ہم حالات کے تابع نہیں، ہم تو احکام کے غلام ہیں، احکام کے تابع ہیں، ہر آن ہر گھڑی ہر حال میں اللہ کی منشاء اور اللہ کی مرضی اور اللہ کا حکم یہ ہے ہمارا اصل سرمایہ! کہ اللہ کی منشاء کیا ہے، مرضی کیا ہے، اللہ کیا چاہتے ہیں، ہمیں تو اللہ کی چاہت کو جان دینی اور اللہ کی منشاء پہ مرنا ہے اور سب کچھ قربان کرنا اللہ تعالیٰ کی منشاء اور مرضی پہچاننے میں خود لگنا اور اس کی دعوت دے کر دوسروں کو لگانا ہے، یہی ہمارا موضوع اور مقصود ہے، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لشکر روانہ کیا، مدینہ لشکر سے خالی، اللہ حالات کو دیکھ رہے ہیں کہ انہوں نے میرے نبی کو دیکھا، حالات کو نہیں دیکھا، اُدھر اللہ نے یہود و نصاریٰ کے دل میں یہ بات ڈالی تم مدینے جا تو رہے ہو پہلے اس کی تو تحقیق کر لو کہ مدینے کا حال کیا ہے، لشکر تیار اور دل میں یہ بات آئی کہ لشکروں کو روک دیا اور کہا کہ بھئی پہلے تحقیق کر لو کہ مدینے کا حال کیا ہے اس کے بعد چلیں گے لشکر روک دیا، پانچ آدمی مختلف اوقات میں مختلف راستوں سے مدینے کو روانہ کیے۔ اب جو فلسطین کی طرف والا لشکر جا رہا تھا، اُس کا راستہ ایسا تھا کہ یہ جو خبر لینے کے لیے گئے تو کسی کی ملاقات کہاں تو کسی کی ملاقات کہاں، دو دن بعد کسی کی تین دن بعد اس لشکر سے ملاقات ہوئی اور خوف زدہ ہو کر

واپس چلے آئے، ہر ایک نے آ کر خبر دی کہ میں نے لشکر وہاں دیکھا، وہاں دیکھا، تو ان کا ذہن یہ بنا کہ پانچ لشکر روانہ ہو چکے ہیں، اب بتاؤ مدینے میں کتنے ہوں گے؟ تو اللہ نے ان کو خوف زدہ کر دیا اور وہیں رک کر کھڑے ہوگئے۔ جب کہ اِدھر مدینہ بالکل خالی ہے مردوں سے۔

تو میرے پیارو میرے بھائیو میرے دوستو! یہ سارے حالات اللہ نے اس لیے بتائے کہ قیامت تک کے لیے میرے آپ کے لیے اور امت کے لیے جو نمونے ہیں کہ ہمیں تو ہر حال میں ہر مقام میں یہ دیکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقہ کیا ہے۔ بس ہمیں حکم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم والی سنت کو دیکھنا ہے یہ ہمارا معیار ہے، یہ قائم ہوگیا ہر مسلمان، ہر عورت، ہر مرد، ہر قبیلہ، ہر خاندان، ہر مال دار، ہر فقیر ہر ایک کا، ہمارا تمہارا ایک ہی راستہ ہے کہ ہم ہیں مسلمان، ہماری جان قربان، ہم پر ہیں اللہ کے احکام۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دیکھنا اور اس پر جان لگا دینا اور اس پر قربان ہو جانا اور اس پر سب کچھ لٹا دینا یہ ہمارے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعے سے اللہ نے نمونہ قائم کر دیا میرے بھائیو! دوستو! مجھے اور آپ کو اور قیامت تک کی نسلوں کو اس پر آنا اس پر لانا اس کی محنت کرنا اور اس کی محنت پر دوسروں کو آمادہ کرنا تاکہ ہر گھر میں ہر قبیلے، خاندان میں ہر قوم میں ہر ملک میں ہر علاقے میں ہر حال میں ایک ایک مسلمان کا ذہن میں یہ یقین بن جائے کہ ہمارے ساتھ کیسے بھی حادثات پیش آ جائیں، یہ ہمارا موضوع ہی نہیں، اس پر ہمیں سوچنا ہی نہیں، اس کا یقین ہمیں ہو کہ ہم ہر موقع ہر حال کے اللہ کے حکم کو دیکھ کر چلیں گے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلیں گے، اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہے۔ ہمیں یقین ہو کہ اللہ کے احکام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر کامیابی ہے، اللہ نے ہمیں نائب بنایا، اس امت کو اپنے نبی کا نائب بنایا اور اپنا خلیفہ بنایا ایک ہی ہستی تمام کائنات میں ایسی ہے جس کے بارے میں اللہ نے اپنا خلیفہ ہونے کا ارشاد فرمایا اِنِّیْ جاعِلٌ فِی

الارض خلیفۃ ......میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں اور وہ آدم ہیں، ہم آدم علیہ السلام کی نسل میں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں، رسول کی امت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نائب ہے، تو بھائی ہمارا سب سے بنیادی اور اصل کام یہ ہے کہ ہم اللہ کے حکموں پر یقین کر کے اور دنیوی چیزوں سے غیر متأثر ہو کر چلنا سیکھ لیں، اس کے لیے دعوت دینا اور نیابت وخلافت کی ذمہ داری نبھانا۔ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہونے کی حیثیت سے پوری زمین کے سارے انسان قیامت تک کی آنے والی نسلوں کو دعوت دینا ہماری ذمہ داری ہے۔ سب کی شفقت آپ کے دل میں ہو، سب کی خیر خواہی دل میں ہو، سب کی ہمدردی دل میں ہو اور نائب ہونے کی ذمہ داری اور خلیفہ ہونے کی ذمہ داری یہ ہمارے سامنے ہو، جب آپ **خلیفۃ اللہ فی الارض** اور **نائب رسول اللہ فی الارض** کی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اور اس کی ذمہ داری سامنے رکھتے ہوئے دعوت دیں گے تو پورے عالم پر اثرات پڑیں گے۔ اعمال کریں گے پورے عالم پر اس کے اثرات پڑیں گے، مشورہ کریں گے پورے عالم پر اس کے اثرات پڑیں گے، جب آپ **خلیفۃ اللہ** اور **نائب رسول اللہ** ہونے کی حیثیت سے دعوت میں لگیں گے تو دعوت تو کسی ایک مسجد میں، ایک گھر میں، ایک علاقے میں، ایک فرد ہو یا چند افراد کو دے رہے ہیں، مگر نائب ہونے کی حیثیت سے، خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اس کے اثرات پوری زمین کے سارے انسانوں پر پڑیں گے اور اس کے اثرات قیامت تک کی نسلوں پر پڑیں گے اور ہر ہر مسلمان نیابت اور خلافت کی حیثیت اور اس ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے دعوت دے گا تو پورے انسان کے دلوں پر اس کے اثرات پڑیں گے اور قیامت تک کی نسلوں پر اللہ اس کے اثرات ڈالیں گے، چنانچہ دعوت ایک گھر میں چل رہی ہے، ریل میں چل رہی ہے، سفر میں چل رہی ہے، حضر میں چل رہی ہے لیکن اس کے اثرات پورے عالم کے دل پر چل رہے ہیں، جوں جوں اس کے اثرات پڑتے اور پھیلتے چلے

جائیں گے، انسانوں میں حق کے قبول کرنے، اسلام کے قبول کرنے اور ہدایت پر آنے کی استعداد بڑھتی رہے گی اور ایسی استعداد بڑھتی رہے گی کہ پھر وہ وقت بھی قریب آجائے گا کہ اللہ آپ کی قربانی سے اور آپ کی محنت سے خوش ہو کر ہدایت کا فیصلہ عام فرمادیں گے اور ہدایت کا فیصلہ عام ہوجائے گا تو **یدخلون فی دین اللہ افواجا** ...... کہ گروہ کے گروہ اسلام میں داخل ہوں گے، علاقے کے علاقے، بستی کی بستیاں اور ملک کے ملک اللہ کے احکام کو زندہ کر کے چلیں گے اور اس کے احکام پر جان دیں گے اور قیامت تک کے لیے اس کے نقشے اللہ بنائیں گے، میرے بھائیو! حقیقت میں بات تو یہ آسان ہے، مشکل نہیں بالکل آسان ہے، مسئلہ تو کرنے کا اور اس میں لگنے کا ہے اور لگانے کا اور ڈھالنے کا ہے، ایک ڈھلے گا تو اس کے اثرات ۵۰ رلوگوں پر پڑیں گے ان شاء اللہ، ہم تو امت ہیں، جماعت ہیں، ایک جماعت ہونے کی حیثیت سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خالی ایک فرد کو نہیں بنا کر گئے امت کو بنا کر گئے ہیں اور حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی بات کو کہہ کر گئے ہیں کہ امت میں سے امت پنا نکل گیا اور امت پنا یہ ہے کہ پوری زمین پر کہیں بھی ایک مسلمان سے بھی کوئی سنت چھوٹ گئی تو پوری امت ہل کر رہ گئی اب کہیں پر بھی ایک حکم ٹوٹ گیا پوری امت ہل گئی پوری امت کو ہر ہر حکم اور ہر ہر سنت قربان کرنے کا جذبہ ہو، ایک ایک سنت مٹنے کا غم ہو اور ایک ایک حکم نکل جانے کا پوری امت کو غم ہو، جب امت میں امت پنا آگیا اور اگر کہیں حکم ٹوٹ گیا کہیں سنت چھوٹ گئی تو اس امت میں اس کا غم نہیں اس کی فکر نہیں اس کی محنت نہیں تو امت میں سے امت پناہ نکلا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو معاف فرمائے، پوری امت میں یہ بات آجائے کہ سب کچھ قربان ہے مگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہ چھوٹنے پائے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمل بھی چھوٹنے نہ پائے اور ایک حکم بھی ٹوٹنے نہ پائے اس پر آنا اس پر لانا اس پر سب کچھ لگانا یہ ایک ایسی نعمت ہے اور اللہ کا ایک ایسا انعام ہے کہ سات زمین آسمان سورج چاند ایک سنت کا مقابلہ

نہیں کر سکتے، سات زمین آسمان اتنی قیمت نہیں رکھتے، جتنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی قیمت ہے۔

اب وقت لگانا ہے، اس کے لیے باہر جانا ہے، اس کے لیے نکلنا ہے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ کے راستے میں رسول کی محنت میں ایک صبح کا خرچ کرنا یا ایک شام کا پوری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سونا چاندی ملک مال فوج حکومت زمینداری تجارت زراعت صنعت کپڑے لکڑی برتن جو کچھ بھی مال ومتاع ہے، پوری دنیا میں اس سارے کی وہ حیثیت نہیں جو ایک سنت کی حیثیت ہے، جو ایک صبح کی حیثیت ہے، یا ایک شام کی۔ میرے پیارو، میرے بھائیو، دوستو! آج ایسی محنت کرنی ہے کہ ہر ہر امتی کے دل میں دین کے کام کی عظمت، کام کی اہمیت اس طرح بیٹھ جائے کہ جیسے اللہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو عطا فرمائی تھی کہ جو اللہ کے راستہ میں نکل جائے پھر اس کی یہ خواہش کہ جان ومال کچھ چھوٹنے نہ پائے سب کچھ اللہ کے راستے میں لٹ جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت نہ چھوٹنے پائے، پوری امت کے دل میں اس کی عظمت اللہ تعالیٰ ڈال دیں اور اس کا راستہ وہی ہے کہ ہر مسلمان عورت مرد جوان عملاً جتنا اس پر جان کھپائے گا اتنا ہی دل میں یہ جان دار یقین بنتا چلا جائے گا۔

میرے بھائیو میرے دوستو بزرگو! اللہ نے ہم سب کو ایک امتحان میں پیدا کیا ہے کہ کوئی بھی حکم نہ ٹوٹنے پائے ایک ایک مسلمان کو اس کا غم ہو ایران، تہران، ہندوستان ہو یا جاپان کہیں کا بھی رہنے والا ہو میرے نبی کی سنت پر جان دینے والا ہو، اللہ کے احکام پر سب کچھ قربان کرنے والا ہو، یہ صفت اللہ امت کو دوبارہ عطا فرمادے اس کے لیے درخواست ہے کہ جو نیت کرے گا ارادہ کرے گا ہمت کرے گا ایک ایک شخص پوری امت کا ذمہ دار ایک ایک امتی پوری امت کا ذمہ دار، پوری چیز کا ذمہ دار اور پوری امت ایک ایک مسلمان پر ذمہ دار تو اس ذمہ داری کا احساس دل میں لے کر کھو جب ہم کام میں لگیں گے دوسروں کو لگائیں گے تو اس کے اثرات اللہ ایسے ایسے دلوں میں

ڈالیں گے کہ ہمارے تصور میں بھی نہ ہوگا، میرے پیارو طرح طرح کے حالات آئیں گے، جیسے ابوبکر رضی اللہ عنہ حالات کے باوجود مدینے کو خالی چھوڑ کر ۱۵۰؍کو لے کر اس بنیاد پر جارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم چھوٹنے اور ٹوٹنے نہ پائے بس۔ اللہ کے راستے میں نکلو گے تو رات رات ہی میں ایسے حالات کو اللہ پلٹا دیں گے اور ایسے بگڑے حالات کو سدھاریں گے ایسے اللہ کی نصرت اور مدد آئے گی بارش کی طرح اللہ کی رحمت برسے گی تو میرے پیارو مسئلہ تو میرا اور آپ کے نکلنے کا ہے ہم سب کے سب اجتماعی طور پر بھی انفرادی طور پر بھی پورے عالم میں پورے اسلام کی محبت کو زندہ کرنے کے لیے ہر گھر میں ہر مسجد میں پھیل جائیں اور ہر جماعت میں ہر علاقے میں ہر طبقے میں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت بھی مٹنے نہ پائے اللہ کا ایک حکم بھی ٹوٹنے نہ پائے۔

آج اس کام کو ہم اوڑھنا اور بچھونا بنالیں، ہر ساتھی اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھے کہ اگر ساری دنیا تبلیغ کے کام کو چھوڑ دے مجھے نہیں چھوڑنا اور اگر ساری امت تبلیغ میں لگ جائے تو مجھے نہیں چھوڑنا ساری امت لگ جائے تب بھی نہیں چھوڑنا اور کوئی نہ لگے تب بھی نہیں چھوڑنا اس پر اللہ کی مدد آئے گی اور اس پر اللہ کی وہ رحمت آئے گی اور وہ اللہ کی طرف سے رحمت برسے گی کہ انسان تو انسان درندے پتھر پر بھی اس کے اثرات پڑیں گے تو اس کے لیے بھائی آج مجھے اور آپ کو اس کا موقع ہے کہ ہم اس کے لیے تیار ہوں اور اس کے لیے عزم کریں اور اس کے لیے ارادہ کریں اور اس کے لیے تیار ہوں۔

ارے میرے پیارو! رات کا رونا اور دن کا روندنا اور اسی فکر میں بھاگنا یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ عرش سے فرش پر اللہ کی رحمت برستی ہے اللہ مجھے اور آپ کو توفیق عطا فرمائے، تیار ہیں بھائی! اللہ سے مانگو اور پکے ارادے کرو، عزم کرو اس کے لیے کون کون تیار ہے۔

قربانیوں والا راستہ

(بعد عصر: ۱۱/۳/۱۹۸۳ء)

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

قال اللہ تعالیٰ والذین جاھدوا فینا لنھد ینھم سبلنا وقال تعالی قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی

بھائیو اور دوستو! اللہ رب العزت نے یہ نقشہ آسمان سے لے کر زمین تک سارے کا سارا عارضی طور پر بنایا۔ یہ دائمی اور ہمیشہ کے لیے نہیں۔ نہ زمین ہمیشہ کے لیے نہ آسمان، نہ دن نہ رات۔ اس عالم کا سمندر عارضی، ہمیشہ کے لیے نہیں۔ پہاڑ عارضی، ہمیشہ کیلئے نہیں۔ اور یہاں انسان کا قیام بھی عارضی ہے۔ ہمیشہ کے لیے نہیں۔ یہ سارا نقشہ ہی عارضی ہے۔ اللہ رب العزت ہمیشہ سے ہیں ہمیشہ رہیں گے۔ البتہ یہ انسان رہے گا ہمیشہ۔ اس جہاں سے قبر میں چلا جائے گا۔ پھر حشر میں۔ پھر پل صراط کے راستے جنت میں۔ پھر وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ انسان ہمیشہ سے نہیں اور رہے گا ہمیشہ۔ لیکن انسان کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ قبر میں عمل نہیں، حشر میں عمل نہیں، جنت میں عمل نہیں۔ جنت تو آرام کی جگہ ہے۔ پہننے، رہنے سہنے کی جگہ ہے، وہاں گانا بجانا جائز، سونا چاندی پہننا جائز، جو پہنو، جو کھاؤ چھٹی۔ دنیا میں کھانے پر پابندی۔ جنت میں کوئی پابندی نہیں، جو کھاؤ جو پیو اجازت۔ شہد، شراب، دودھ جو پیو آپ کی مرضی۔ وہاں کی شراب یہاں جیسی گندی اور ناپاک نہیں ہوگی۔ وہاں انسان ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ اللہ کو ازل سے ہمیشگی ہے اور انسان کو مرنے کے بعد ہمیشگی ہوگی۔ اللہ کی نعمتیں بے حد و بے شمار کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ ارب کھرب سال اللہ کی دَین (عطاء) ختم نہیں ہوگی۔ ایک تو نعمتیں ملیں گی جنت میں داخل ہوتے ہی۔ دوسرے بڑھتی ہی رہیں گی۔ جس کی کوئی انتہا نہیں ہوگی۔ تھوڑے سے دنوں کا معاملہ ہے۔ تھوڑے دن کی یہ پابندی ہے۔

پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھٹی۔ پابندی سے چھٹکارا مل جائے گا۔

واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی ٥ فان الجنۃ ھی الماوی ٥ جس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روک لیا اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔ اس نقشہ کو قربان کر کے اللہ کے حکموں کو ماننے والا بن جائے بس اس کا کام بن گیا۔ اور شکل کے اعتبار سے قربانی ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے قربانی نہیں۔ شکل قربان کرنی ہے۔ حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ''لوگ خواہشات کے پیچھے پڑ کے خواہشات کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ خواہشات پوری کی جاتی ہیں خواہشات کو توڑ کر۔ تھوڑے دنوں کے لیے اس کی خواہشات ٹوٹیں گی پھر اللہ تعالیٰ آخرت میں ایسی پوری کریں گے کہ دنیا والے تو کبھی اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اصل مسئلہ ہے آخرت کا۔ حدیث میں آیا کہ اللہ نے دنیا کو حکم دے دیا ہے جو ہمیں چھوڑ کر دنیا میں لگ جائے تو اس سے اتنا کام لے کہ تھکا دے۔ اور جو تجھے چھوڑ کر ہمارے کام میں لگے، دین کا کام کرے تو اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس کی خادم بنی رہے۔ دنیا، دنیاداروں کی مخدوم، اور دین داروں کی خادم۔

حقیقت یہ ہے۔ اسی واسطے کامیاب ایمان والے ہیں، اعمال والے ہیں۔ کامیاب چیزوں والے نہیں، ملکوں والے، تجارت والے، بلڈنگ والے، سواریوں والے، سڑکوں والے، کارخانوں والے نہیں۔ کامیاب ایمان والے ہیں، نماز والے، علم والے، اللہ کی یاد کرنے والے، اللہ کی نسبت سے اکرام کرنے والے ہیں، اللہ کی رضا کے لیے کام کرنے والے ہیں۔ کامیاب وہ ہیں جو اللہ کے دین کے لیے اپنا مال اور جان قربان کرتے ہیں۔ پورا کامیاب وہ ہے جو پورا مال اور پوری جان اللہ کی رضا کے لیے خرچ کر دے۔

من کان للہ کان اللہ لہ

یہ ہے راستہ قربانیوں والا۔ صرف وقت لگانے کا مسئلہ نہیں ہے، قربانی کا مسئلہ ہے۔ اور اپنے جذبات کو پیس کر کام کرنے والے بن جائیں تو اللہ ہدایت کے فیصلے

کر دیں۔ ہدایت کے فیصلے ہوتے ہیں آسمان سے۔مگر اترتے ہیں قربانی پر۔ یہاں کے سب نقشے عارضی ہیں۔ جب تک اللہ کا دین اس نقشے میں ہوگا اللہ اس کو باقی رکھیں گے۔اور جب دین نہیں رہے گا اللہ اس کو توڑ پھوڑ دیں گے۔اصل ہے اللہ کا دین۔انسان بنا ہے اللہ کے دین کے لیے۔ہوائیں، پہاڑ، بارشیں یہ سارا نقشہ اللہ کے دین کے لیے ہے۔جب تک یہ دین اس نقشہ میں ہے یہ نقشہ باقی ہے۔جب یہ دین نہیں رہے گا یہ نقشہ بھی ختم کر دیا جائے گا۔ چرندے پرندے نہیں رہیں گے، سورج، زمین، پانی یہاں تک کہ فرشتے بھی نہیں رہیں گے، آسمان کو توڑ دیں گے، ستاروں کو بکھیر دیں گے، سمندر کو آگ لگا دیں گے۔سب سے اونچا اللہ نے اپنے دین کو بنایا ہے۔سارا نقشہ اس کے تابع ہے۔اور یہ شرافت اور کرامت اللہ نے انسان کو بخش دی۔انسان کی روح نے ہاں کر دی جب اللہ نے اپنے دین کی امانت پیش کی تھی۔

انا عرضنا الامانة علی السمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان

ہم نے اپنی امانت کو پیش کیا آسمانوں پر، زمینوں پر، پہاڑوں پر کہ بولو امانت اٹھاؤ گے۔آسمانوں نے معذرت پیش کر دی، زمینوں نے معذرت کر دی، پہاڑوں نے معذرت کر دی۔

یہ دین اتنی اہم امانت ہے کہ زمین اور آسمان نے معذرت کر دی۔انسان نے کہا کہ رب العزت میں تیری امانت کو اٹھاؤں گا۔یہ امانت پر ہاں کرنے کی وجہ سے نواز دیا گیا۔اب یہ آسمان بھی، یہ زمین بھی، یہ چرندے، پرندے، مچھلیاں، فرشتے سب تمہارا ادب کریں گے۔

واذ قلنا للملئکة اسجدوا لادم

اللہ پاک فرشتوں سے فرماتے ہیں جاؤ اس کا ادب کرو۔اب یہ معزز بن گیا ہے، دین کی امانت اٹھانے کی وجہ سے۔یہ ادب اس لیے کرایا گیا کہ اس نے ہاں کر دی۔جس کی حامی بھرنے سے آسمان بھی کپکپا گیا، پتھر کو بھی ہمت نہ ہو سکی، زمین نے

بھی 'نا' کر دی۔

میری آپ کی پیدائش اس دین کے صدقے میں ہے۔آنکھ، ناک، ہاتھ، پیر سارا انسانی نقشہ، ساری خوبیاں اور صفات دین کی برکت سے ہیں۔اب اس کا سارا نقشہ دین کے تابع ہو جائے اس کے لئے محنت کرنی ہوگی۔اب جتنی جتنی جان دین پر لگے گی، جتنی زندگی دین پر لگے گی، صحیح جگہ پر لگے گی۔جتنی قربانیاں دین کے لیے دے گا، صحیح جگہ دے گا۔ جتنا مال دین کے مطابق کمایا اور دین پر خرچ کیا، صحیح جگہ خرچ کیا۔دین کو چھوڑ کر دوسری جگہ لگانا بڑا ظلم ہے۔جس کام کے لیے جو چیز بنی ہو اس جگہ نہ لگے یہ ظلم ہے۔دین پر لگنا مقصد ہے، یہی اصل جگہ لگنا ہے۔دین کی سوچ اصل سوچ ہے۔اصل مسئلہ یہ ہے ہر ہر انسان دین میں لگ جائے۔دین کی محنت کرے۔اسی پر مرے، اسی پر کھپے۔اسی پر اپنی حاجتوں کو قربان کرے۔اسی کی فکر کرے۔

دشمن انسان کے دو ہیں۔"نفس اور شیطان۔"

اگر ہم کہیں گے کہ ہم سارے کے سارے دین پر لگیں گے تو دونوں کہیں گے "پھر کھائیں گے کہاں سے؟" اس کا جواب اللہ رب العزت بتائیں گے کہ ہم کھائیں گے کہاں سے۔من جعل الهموم هم واحدا ای هم الآخرة كفاه الله هم الدنيا والآخرة۔جس نے سارے غموں کا ایک ہی غم بنا لیا یعنی آخرت کا غم کفاہ اللہ ہم الدنیا وھم الآخرہ

یعنی سوائے آخرت کے غم کے کوئی غم ہی نہ رہا۔آخرت کی عظمت کے سوا کوئی عظمت ہی نہیں۔جب حضورؐ نے فرما دیا کہ آخرت کی فکر کرنے والوں کیلئے دنیا کے غموں کا ذمہ دار اور کفیل اللہ تعالیٰ ہے تو جاؤ دنیا کے غموں سے چھٹی مل گئی۔دنیا کے فکر کی ضرورت نہیں۔تمہاری ذمہ داری اللہ نے لے لی۔اب سارا کائناتی نقشہ اس انسان کے تابع ہوگا۔درندے اسے راستہ بتائیں گے، پہاڑ اسے سلام کریں گے۔جہاں ہم لگے ہوئے ہیں بڑے نقصان میں ہیں۔اللہ قسمیں کھا کھا کا بتاتے ہیں کہ اللہ کے دین کا کام کرنے والے بن جاؤ۔دنیا آخرت کے نقصان سے بچ جاؤ گیاس کے لئے ایمان

ہے، نیک اعمال ہیں، حق کی وصیت اور اس پر جمنا ہے۔ والعصر ہ ان الانسان لفی خسرہ الا الذین امنو وعملو الصلحت و تواصو بالحق و تواصوا بالصبر ہ

آج تبلیغ کے نام سے یہ آواز لگائی جا رہی ہے۔ جن غموں میں آج امت پھنس چکی ،اس کی سوچ صحیح نہیں۔ اس کی فکر صحیح نہیں۔ یہ کون ہے؟ مسلمان! اس کی سوچ اسلامی، اس کی فکر اسلامی، اس کی تجارت اسلامی۔

تاجر کون ہے؟ جو تجارت کی فکر کرے۔ حاکم کون؟ جو حکومت کی فکر کرے۔ زارع کون جس کو زراعت کی فکر ہو۔ مسلمان وہ ہے جسے اسلام کی فکر ہو۔ مسلمان اسلام سے ہے۔ تاجر کا کام تجارت، صانع کا کام صنعت، زارع کا کام زراعت ہے۔ مسلمان کا کام اسلام کی محنت۔ یہ تو اللہ کا ہے اور کسی کا نہیں۔ اس کا اقرار تو یہ ہے الحمد للہ رب العلمین۔ کہ پالنے والا اللہ ہے۔ پالنے کا یقین اللہ پر آ جائے۔ پالنے کا یقین کائنات سے نکل جائے۔ کائناتی نقشہ نہیں پالتا۔ اس دھوکہ میں نہ آ جانا۔ یہ کائناتی نقشہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے امتحان کے لیے بنایا ہے اس میں مشاہدہ اور تجربہ سے حقیقت تک یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچنا ہے۔ یہ بات نہیں کہ نقشہ سے ہو رہا ہے، ہو رہا ہے اللہ سے۔ اب نظر کو ہٹاؤ۔ یہ تو سارا کائناتی نقشہ ہے۔ اس سے ہوتا نظر آتا ہے۔ اس کی نفی کرو۔ یہ تو مشاہدہ ہے۔ اس کی نفی کرو، کلمہ والے بنو۔ حقیقت تک پہنچو۔ یہ امتحان کے لیے ہے۔ الذی خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم احسن عملا ☆ اس نے موت اور زندگی بنائی ہے امتحان کے لیے۔ تاکہ تمہیں آزمائیں۔ حضورؐ نے ۲۳ سال محنت کر کے اس امت کو اس محنت پر ڈال دیا۔ یہ دنیا اسباب کا جال ہے۔ ایک پردہ ہٹا تو معلوم ہوا کہ یہاں سے ہوا۔ دوسرا پردہ ہٹا تو معلوم ہوا کہ یہاں سے ہوا۔

خالی عقلی اور علمی راستے سے بغیر نور ایمان کے چلے گا تو بہک جائے گا۔ جیسے سمندر سے کیڑا نکلے اور اس کے سامنے انسان کی بنائی ہوئی چیزیں آ جائیں تو سوچ میں پڑ جائے گا اس کو حقیقت کا پتہ نہیں چل سکتا۔ ایسے ہی ایمان کے نور کے بغیر اس راستے پر

چلنا بہت مشکل ہے۔

لا الہ الا اللہ۔ یہ ہے دعوت والے راستے اور دوسرے راستے میں فرق۔ ایک طرف راستہ کریدتے چلے جاؤ گے مگر پتہ نہ چلے گا۔ اور دوسری طرف لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا تو فوراً کہے گا اللہ سے ہو رہا ہے۔ اگر کلمہ کی دعوت چل جائے گی تو اللہ سے ہوتا نظر آئے گا۔ یہ کلمہ لا الہ الا اللہ سارے کائناتی نقشہ کی نفی ہے کہ ہونے کی جگہ تن تنہا وہی ہے۔ سب کچھ اس نے اپنی غیبی طاقت سے بنایا۔ ان سب چیزوں کو اللہ نے طاقت دی۔ نہ آسمان میں طاقت، نہ زمین میں، نہ پہاڑ میں طاقت، نہ چرندوں میں، نہ مچھلیوں میں طاقت، نہ انسان میں۔ لا حول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم ایک وحدہ لا شریک میں طاقت ہے۔ آسمانوں کی طاقت کا مالک، زمینوں کی قوت کا مالک، سارے کائناتی نقشے میں جو کچھ ہے اس کا مالک اکیلا اللہ ہے۔

اتنی دعوت دو، اتنے بول بولو، اتنے بول سنو کہ ٹھاٹھیں مارنے والے سمندروں کا یقین نکل جائے، چیزوں کا یقین نکل جائے، سونے چاندی کا یقین نکل جائے۔ سوائے اللہ کے کسی کا یقین دل میں نہ رہے۔

تعلیم میں لگنا دوسرے نمبر پر ہے۔ دعوت میں لگنا پہلے نمبر پر۔ خدمت میں لگنا تیسرے نمبر پر اور ذکر میں لگنا چوتھے نمبر پر۔ ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے دعوت دی گئی۔ یا ایھا المدثر o قم فا نذر o و ربك فكبر o دعوت سب سے مقدم ہے۔ پانچ منٹ ملیں دعوت دو، دس منٹ ملیں دعوت دو، سوتے وقت، جاگتے وقت، ہاتھ دھوتے وقت، کھانا کھاتے وقت، دعوت کو عام کرو۔ اگر ہمارا ہر ساتھی داعی بن گیا، اور دعوت کی حقیقت اس کے اندر اتر گئی تو سب کام آسان ہو جائیں گے۔

اللہ کی طرف بلانا دعوت ہے، آخرت کی طرف بلانا، اعمال کی طرف بلانا ایمان ہے۔ حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے دعوت کیا ہے۔ مخلوق سے خالق کی طرف بلانا، دنیا سے آخرت کی طرف بلانا، چیزوں سے اعمال کی طرف

بلانا۔

جب کوئی گھاٹی پیش آئے اعمال میں لگ جائے۔اس کا رجوع اللہ کی طرف ہو جائے۔ہر مشکل کو اللہ سے حل کرائے۔جیسے بچے کو جب کوئی مشکل پیش آئے تو ماں کی طرف جاتا ہے۔کوئی دھمکائے،کوئی مارے اسی طرح مومن ہر حاجت میں اللہ کی طرف جائے۔اگر ہم دعوت دینے میں لگ گئے تو یہ حقیقت ہے کہ جتنی عظمت اللہ کی،دل میں اتری ہوگی اتنا ہی ہر گھڑی میں اللہ کی طرف رجوع ہوگا۔

کائناتی نقشہ کی مخالفت یا موافقت سے کچھ نہیں ہوتا۔پوری نمرودی طاقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دشمنی پر لگی ہے۔پیدا ہونے سے پہلے ہی دشمن بنی ہوئی ہے۔پتہ بھی لگ گیا،آگ کا ڈھیر بھی لگ گیا،پھینک بھی دیا۔لیکن ومکروا ومکراللہ اِدھر یہ تدبیر کر رہے ہیں اُدھر اللہ کی تدبیر بھی چل رہی ہے۔اللہ تعالیٰ سب تدبیروں سے بہترین تدبیر کرنے والے ہیں۔ابراہیمؑ پر تنکے برابر بھی نمرود کی تدبیروں کا اثر نہیں۔دعوت پر جان لگا رہے ہیں۔ہاتھ پیر باندھ دیے۔منجنیق لائی گئی،پکڑ کر باندھا گیا لیکن پکڑے جانے سے وہ ڈرے جو اللہ سے نہیں ڈرتا۔فرشتے آگئے۔"ھل لك حاجة۔قال اما اليكم فلا" فرشتو حاجت ہے مگر تم سے نہیں۔دعوت میں اگر لگ گئے،دعوت کی سطح پر اگر چڑھ گئے تو اللہ اس ایمان کی جھلک دکھا دیں گے۔جب اس کی جھلک مل گئی تو سارا کائناتی نقشہ صفر نظر آئے گا،ایک کلمہ کے مقابلے میں اور دو رکعت کے مقابلے میں۔سبحان اللہ کا بول،الحمدللہ کا بول قیمتی ہے،سارے نقشہ کے مقابلہ میں۔

تو دعوت کے راستے سے اللہ سے لینے والے بن جاؤ۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے اب فرشتے اپنے آپ کو پیش کر رہے ہیں۔مگر آپ فرما رہے ہیں "فرشتو! حاجت ہے مگر تم سے نہیں"۔سیدھی اللہ پر نظر ہے۔فرشتوں نے کہا اللہ سے مانگ لو۔تو فرمایا علمہ بحالی یغنی عن سوالی۔ میری حالت کا اللہ کو پتہ ہے۔سوال کی ضرورت نہیں۔اگر اللہ پر توکل آجائے اور صبر آجائے تو پھر کسی کی ضرورت نہیں۔

دعوت میں جتنی جان لگ جائے گی اتنا ہی ایمان بن جائے گا۔مولانا الیاسؒ فرمایا کرتے

تھے اگر کہا جائے کہ مدینے کی کھجور ہے کون لے گا۔تو سب تیار ہوں گے۔لیکن مدینے والے صلی اللہ علیہ وسلم کا کام کرنے کو تیار نہیں۔حالانکہ یہ کام کرنے کا ہے۔جان مال لگانے کا ہے۔کھپنے کا ہے۔ایک دوسرے کو دعوت دو اور آمادہ کرو۔یہ اہم بات ہے پلے باندھ لو۔ہر ساتھی دعوت دے اور دوسروں کو تیار کرے۔

☆☆☆

محنت کی شکلیں قربانیوں کے ساتھ بڑھتی رہتی ہیں

(بعد از عصر۔۲۳/۴/۱۹۸۵)

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اللہ رب العزت نے دنیا،آخرت میں کامیاب کرنے کیلئے ہر ہر موقع کے احکام دیئے ہیں۔مسلمان کا کمانا صرف کھانے کیلئے نہیں بلکہ آخرت کے کاموں میں خرچ کرنے کیلئے۔صحابہ کرامؓ اپنی ذاتی حاجتوں کو اتنا بھولے ہوئے تھے کہ گھر میں کھانے کیلئے کچھ نہیں۔بائیس ہزار درہم ہدیہ ملے مگر سب خرچ کر دیے،اپنی ضرورت کیلئے رکھنا یاد ہی نہیں۔آخرت پر سارا خرچ کر دیا۔اپنے گھر فاقہ ہے،اس کیلئے رکھنے کا خیال ہی نہیں۔

اگر آج ایسا کوئی کر گزرے تو اسے سارے دیوانہ کہیں۔حالانکہ اصل وہی ہے جو انہوں نے کیا۔آخرت اصل ہے۔دنیا اس کے تابع ہے۔

احد میں ستر صحابہؓ شہید ہوئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک بھی شہید ہوئے۔تھکاوٹ،زخموں سے چور،ستر شہیدوں کا صدمہ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان شہید ہونے کا صدمہ۔ان ساری شکلوں کے باوجود ابھی ہتھیار کھول ہی رہے تھے کہ حکم آگیا پھر نکلو۔اور وہی نکلیں جو احد میں شریک تھے۔چنانچہ سب کے سب ایسی حالت میں دوبارہ نکلے کہ ظاہری اسباب،تجربات اور مشاہدات کے بالکل خلاف تھا۔

اس نکلنے میں نہ اسباب کی گنجائش کو دیکھا جائے نہ تجربات و مشاہدات کو دیکھا جائے۔ایمان یہ ہے کہ حکم پر جان دی جائے۔ چنانچہ نکل گئے۔تو اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں پر رعب ڈال دیا۔

ایک ہے اسباب کی قلت ، ایک ہے اسباب کا فقدان ، ایک ہے اسباب کی مخالفت۔کوئی چیز آڑے نہ آئے۔ اسباب کم ہوں تب بھی ، نہ ہوں تب بھی ، اسباب بالکل مخالفت پر تلے ہوئے ہوں تو بھی ایمان والے کیلئے یہ ساری طاقتیں ہیچ ہیں۔وہ کسی چیز سے اثر نہیں لیتا۔ بدر میں بہت تھوڑی تعداد، اسباب کا فقدان ،جن کو پکڑنے کیلئے نکلے تھے ان کو بچا دیا گیا۔اور ایک ہزار مسلح مقابلہ میں آگیا۔ادھر ۳۱۳۔ایمان کا ٹکراؤ اسباب سے آگیا۔ایمان کا تقابل اسباب سے آگیا، ایمان کہتا ہے اللہ سے ہوتا ہے۔اسباب کہتے ہیں ہم سے ہوتا ہے۔

اس کام کی اساس اور بنیاد ایمان ہے۔عرش سے لے کے فرش تک سارا نقشہ ایک طرف اور اللہ کی طاقت ایک طرف۔سارا نقشہ مخالفت پر آجائے نظر اللہ کے سوا کسی پر نہ جائے۔

یہ محنت کی شکلیں قربانیوں کے ساتھ بڑھتی رہتی ہیں۔ان میں جان آئیگی تو ایمان کی سطح بڑھے گی۔اگر سہولتوں کے ساتھ نکلیں گے اور قربانیاں نکل جائینگی تو یہ شکلیں بے جان ہو جائیں گی۔آگے قدم بڑھانے کی ہمت نہیں ہوگی۔خوف اور وحشت دلوں پر چھا جائے گی۔

ہر عمل ایک تو ایمان کی کیفیت کے ساتھ ہو دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے ساتھ ہو، تیسرے نیت اور جذبہ کی درستی کے ساتھ ہو۔چوتھے مجاہدہ کی شکل ہو۔مشقتوں کو برداشت کرتے اور جھیلتے ہوئے ،نفس کے خلاف برداشت کرتے ہوئے ہر عمل کو کریں گے تو عمل اللہ کے ہاں قبول ہوگا۔

ہماری زندگی کا مقصد اللہ کے دین کی محنت ہے۔اس دین کو اپنی زندگی میں بھی لانا اور سارے عالم میں وجود میں لانا ہے۔اس جسم کو راحت ملے یا نہ ملے یہ

مقصد ہی نہیں۔کھانے کو ملے یا نہ ملے، پینے کو ملے یا نہ ملے یہ مقصد ہی نہیں۔رہنے کو ملے یا نہ ملے یہ مقصد ہی نہیں۔بغیر کپڑے مکان کے دین کی محنت کرنا اور اس کیلئے مرنا کھپنا نصیب ہو جائے۔اسکی جو ترتیب صحابہؓ نے قائم کی وہی اصل ترتیب ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد جب حضرت ابو بکر صدیقؓ کا دور آیا تو چاروں طرف سے فتنے امڈ آئے ظاہر کا تقاضا تھا کہ مدینے کو خالی نہ چھوڑا جائے مگر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے سب کو اللہ کے راستے میں نکالا تو اللہ نے حالات بدل دیے۔ ہمارا تو مقصد ہی اللہ کا بھیجا ہوا دین ہے۔سب کچھ اسی پر لگانا ہے۔اسی کی سوچ، اسی کی فکر، اسی کی دھن لگن لگی ہوئی ہو کہ اسی پر لگنا ہے اور اسی دین کیلئے مرنا اور کھپنا ہے۔

☆☆☆

ہماری زندگی کا مقصد

(بعد از عصر۔۱۱/۷/۱۹۸۷)

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

”والذین جاھدو فینا لنھدینھم سبلنا۔“”قل ھذہ سبیلی ادعوالی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی“

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم لاخرہ۔

بھائیو اور دوستو! آپ ایک کام اور ایک مقصد کے لیے جمع ہوئے ہیں۔مقصد تو یہ ہے کہ پوری روئے زمین پر سارے انسانوں میں سارے جنات میں اللہ رب العزت کا بھیجا ہوا دین اور دین کی محنت چالو ہو جائے۔اس وجہ سے کہ جس زندگی سے ہم گزر رہے اس زندگی کا مقصد نہ تو دنیا میں رہنا ہے نہ مکان، نہ راحت نہ عہدہ نہ جاگیر نہ منصب نہ سونا نہ چاندی نہ روپیہ نہ پیسہ۔

اس زندگی کا سو فی صد مقصد اللہ رب العزت کے بھیجے ہوئے احکام اور پیغمبر علیہ السلام کے طریقے ہیں۔یعنی زندگی کے ہر شعبے میں اور ہر حال میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم والے طریقے ہماری زندگیوں میں آجائیں۔یہی مقصد ہماری زندگی کا اور پیدا ہونے کا اور یہاں آنے کا ہے۔اس زمین پر آنے اور پیدا ہونے کی غرض اللہ رب العزت کے بھیجے ہوئے احکام اور پیغمبر علیہ السلام کے طریقے ہیں۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبوت کا سلسلہ جاری تھا لیکن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ سلسلہ بند کر دیا گیا۔اللہ نے اس امت کو یہ شرف بخشا کہ یہ خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔اس کا کام یہ ہے خود بھی دین پر چلے دوسروں پر بھی محنت کرے۔

اللہ رب العزت نے ہر ہر موقع کے احکام دیے ہیں کھانے میں، پینے میں، سفر میں ،حضر میں، انفرادی زندگی میں، اجتماعی زندگی میں۔سفر میں ہے تو سفر کے احکام، قیام میں قیام کے احکام، مال داری میں مال داری کے احکام، فقیری میں فقیری کے احکام۔نہ صرف یہ کہ ان پر خود چلتا رہے بلکہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کی نسبت یہ بھی سوچے کہ میرے گھر میں، پڑوس میں، رشتہ داروں میں، آس پاس کے علاقوں میں اور پورے روئے زمین پر اللہ رب العزت کے احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کا کیا حال ہے۔

یہ دیکھنا، یہ سوچنا اس کی تدبیروں میں لگنا۔اس کیلئے کمانا، اسی پر جان کھپانا۔یہ مقصد ہے زندگی کا۔دوسری جگہ جان کا لگنا، مال کا لگنا ضائع ہونا ہے۔

جتنا مال زیادہ ہوگا اتنا ہی ڈرپوک ہوگا، پریشان ہوگا۔ہر وقت اسی کی حفاظت کا فکر۔بڑا مالدار بڑا گرفتار، چھوٹا مالدار چھوٹا گرفتار۔دنیا کے اعتبار سے جتنے بڑے بنیں گے اتنے ہی پھنسیں گے۔اور جتنے چھوٹے بنیں گے اتنی راحت میں ہوں گے۔جیسے بھنگی کبھی مقدمے میں نہیں پھنستے۔کبھی گرفتار نہیں ہوتے۔کوئی بڑی بیماری بھی ان کے ہاں نہیں آتی۔سب سے زیادہ تندرست بھنگی ملیں گے۔

بچے ان کے مٹی میں لتھرے، ہر وقت مٹی میں بھرے۔دنیا صفائی کے پیچھے پڑی۔بھنگی سب کی صفائی کرتا ہے۔خود صفائی کے قریب بھی نہیں آتا۔سب سے زیادہ آزاد دنیا میں بھنگی۔سب سے زیادہ مقدمے زمینداروں کے، کارخانہ داروں کے، دکانداروں کے ملیں گے۔جتنا بڑا زمیندار اتنا بڑا مقدمہ۔دشمن بھی بڑے۔پریشانی بھی بڑی۔دنیا مصیبتوں کا گھر ہے۔

جس حال میں ہو اس حال میں اللہ کے حکموں کو دیکھو۔پیغمبر علیہ السلام کے طریقوں کو سیکھو۔یہ ہے مقصد زندگی۔

اگلا کام کیا ہے؟ اس کو سوچو کہ پوری روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے احکام کا کیا حال ہے۔زمیندار اپنی فصل کو سوچ رہا، کارخانہ دار اپنے کارخانے کو سوچ رہا۔مسلمان کا کام یہ تھا فلاں بستی میں دین کا کیا حال ہے، اس کو سوچتا۔جو اس کام کو چھوڑ کر دنیا میں پھنسا ہوا ہے وہ مقصد پر نہیں ہے۔

کامیابی اللہ نے صرف دین اسلام میں رکھی ہے۔کسی اور دین میں رکھی ہی نہیں۔مسئلہ یہ ہے کہ سب کچھ لگ رہا پر کہاں لگ رہا۔مال تو لگ رہا پر کہاں لگ رہا۔اگر وہیں لگ رہا جہاں لگنا چاہئے تھا پھر تو مقصد حاصل ہوا۔اگر وہاں نہیں لگ رہا تو فکر کی بات ہے۔سال لگانے سے مقصود تو یہ تھا کہ ہماری فکر بدلی ہے یا نہیں؟ ایک سال لگا کر بھی فکر مسجد میں ہے یا زمین میں؟ مسجد میں ہے یا کارخانے میں؟ دین کی فکر ہے یا دنیا کی۔اللہ کے حکموں کا کیا حال ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کا کیا حال ہے؟ بار بار چلے لگا کر، بار بار باہر جا کر یہ سارے کام کرنے کے بعد فکر کہاں ہے؟ اگر فکر لگ گئی ہے دین کی، اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تو اللہ آگے بڑھائے گا۔میں اور آپ اس کی مشق کریں۔نبی علیہ السلام کے دربار میں کلمہ پڑھتے ہی فکر بدل جاتا تھا۔فکر بدلنے کا حال یہ تھا ابوبکر صدیقؓ نے کلمہ پڑھ لیا۔چھ دکانوں کے مالک۔پورے جزیرۂ عرب کے ججوں کے جج۔رئیس القضاء۔پورے جزیرۂ عرب کے نسب کو جاننے والے۔کلمہ پڑھتے ہی فکر بدل گئی۔روزانہ سوچتے تھے دکانوں کو، اسباب کو، چیزوں کو،

آج سوچ رہے ہیں کلمہ کو، ہدایت کو۔ پہلے سوچتے تھے گاہکوں کو۔اب سوچتے ہیں دوستوں کو کہ کون کلمہ پڑھ کر دوزخ کی آگ سے بچ جائے۔رات بھر سوچتے رہے ۔صبح تک سات آدمیوں کو تیار کرلیا کلمہ پڑھنے کیلئے۔اور ساتوں کے ساتوں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے۔ہم یہ سوچیں ہم چار مہینے کے بعد کہاں لگ رہے۔ڈیرے مسجدوں میں لگنے شروع ہوئے یانہیں اگر دنوں کو لوگوں کے پاس جارہے،خود مسائل پوچھ پوچھ کر زندگی گزار رہے، اڑھائی گھنٹے سے بڑھا کر عصر سے اشراق تک لگا رہے اور ایک ایک کو منا رہے تو الحمد للہ۔ورنہ رونے کی بات ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں گھر گھر میں مردہ اور جنازے نکل رہے۔اللہ کے احکام ٹوٹے ہوئے۔اس کا درد نہ ہونا امت کا سب سے بڑا مرض ہے۔صحابہؓ کو اس بات کی فکر ہوتی تھی۔دنیا اِدھر کی اُدھر ہوجائے کوئی چیز اس غم سے نہ ہٹانے پائے۔احد میں جارہے،خندق میں جارہے،تبوک میں، فتح مکہ میں، حنین میں جارہے۔رات دن سفر میں۔اِدھر سے آئے اُدھر گئے۔دس سال میں چوالیس (۴۴) سفر ہوئے جہاد کیلئے۔اس قوم کا حال دیکھو جس پر سارا جزیرہ عرب آ گیا خندق میں۔نہ دکان کھولنے کا وقت نہ کھیتی باغات کا موقع۔نہ گھر والوں کو دیکھنے کی فکر۔

ستائیس (۲۷) سفروں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی شریک ہوئے۔اسکے علاوہ صحابہ کرام کہیں وفد بن کر، کہیں قاصد بن کر جارہے، کہیں خط میں دعوت کا پیغام لے کے جارہے۔اس لحاظ سے ایک سو پچاس (۱۵۰) سفر بن جاتے ہیں۔جو اتنے سفر کر چکا ہو وہ کتنا گھر بیٹھا ہوگا۔دکانیں بند، کھیتیاں اجڑ گئیں۔جب فتح مکہ ہوگئی تو بعض صحابہؓ کے دل میں یہ خیال آیا کہ اب تو دین کے حمایتی بہت ہوگئے۔تھوڑا سکون کا سانس لے لیں۔کھیت اجڑ گئے، باغات ویران ہوگئے۔تھوڑا ان کی دیکھ بھال کرلیں۔یہ سوچ کر آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تو اتنے میں جبرئیل علیہ السلام یہ آیتیں لے کر آ گئے۔

یا ایھا الذین امنو انفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی

التھلکۃ ۔جیسے لگے ہوئے ایسے لگے رہو۔اسے چھوڑ کر اپنے ہاتھوں اپنے آپ ہلاکت میں نہ ڈالو۔یعنی دین کی محنت چھوڑ کر کھیت، دکان میں لگنا اس کو ہلاکت سے تعبیر کیا ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو اخبار دیکھنا پسند نہ تھا۔فرماتے تھے کہ اگر اخبار میں دین کے نقصان کی خبر پڑھوں پھر میں اس کے دور کرنے کے لیے فکر مند نہ ہوں تو کہیں قیامت میں پکڑا نہ جاؤں۔اس وقت پوری دنیا میں ایک فیصد بھی دین زندگیوں میں موجود نہیں۔پوری روئے زمین اور سارا دین ایک ایک مسلمان کی محنت کا میدان ہے۔پوری روئے زمین میں پورے دین کی محنت کی نیت سے جو لگے گا اسے پورے عالم کی محنت کا ثواب ملے گا۔یہ محنت پیسے، اسباب کی محتاج نہیں۔یہ تو سو فیصد اللہ تعالیٰ کی ذات پر سہارا کر کے کرنے کی محنت ہے۔محنت کا نہج یہ ہے محنت کرتے جاؤ، صبر کرتے جاؤ۔رکاوٹیں آئیں برداشت کرتے جاؤ۔مال، چیزوں پر بھروسہ نہ ہو۔ہر حال پر اللہ پر نظر کرتے جاؤ۔ابراہیم علیہ السلام اکیلے تن تنہا۔کوئی انسان ساتھ نہیں۔کوئی سامان ساتھ نہیں۔محنت کا بیڑا اٹھایا۔محنت کرتے جارہے۔ماں باپ مخالف بنتے جارہے ہیں، نمرود مقابلے پر آرہا جو سب سے بڑا بادشاہ کہلوا رہا۔جتنی مخالفت بڑھتی جارہی اتنی ہی اللہ پر نظر بڑھتی جارہی۔گھبراؤ نہیں ڈٹ جاؤ۔اللہ سے کروانے کا کام تبلیغ ہے۔کرتے رہو، پستے رہو، صبر کرتے رہو، بڑھتے رہو، ڈرتے رہو۔

دل کے اندر اللہ کا یقین اترتا جائے، یقین بڑھتا جائے۔جتنی مخالفت کی شکلیں بڑھتی جائیں اتنا اللہ کی طرف رجوع بڑھتا جائے۔مسجدیں آباد ہوتی چلی جائیں۔حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر لوگ اتنا وقت نکال کر جس سے ان کے اسباب و وسائل پر کوئی زد نہ پڑے تبلیغ کا کام کریں گے اس سے ایمان و یقین نہیں بنے گا۔چاہے لاکھوں ہو۔اور اگر دس بیس ایسے ہوجائیں جو اسباب و وسائل کی ساری شکلوں کو قربان کر کے اس محنت میں لگیں تو ان کو اللہ وہ یقین نصیب فرمائیں گے کہ ان کے سامنے اگر اسباب کے پہاڑ بھی آ کھڑے ہوں تو وہ بھی دب

کررہ جائیں۔جتنی قربانی بڑھے گی اسباب پر زد پڑے گی۔اتنی ہی خیر کی شکلیں آئیں گی اتنی ہی اللہ کی رحمتیں اتریں گی۔جیسے آب زم زم حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی قربانی پر اللہ نے جاری فرمایا۔صفا و مروہ پر ایسی دوڑ لگائی کہ اللہ نے اسکو قیامت تک جاری کردیا۔پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے مل کر بیت اللہ کی تعمیر کی۔پھر منیٰ کی قربانی بھی حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہماالسلام کے حصے میں آئی۔دین کا مزاج ہی قربانی ہے۔

صحابہ کرامؓ نے بھی کلمہ پڑھتے ہی قربانی کرنی شروع کی اور اخیر دم تک قربانی چلتی رہی۔عجیب منظر تھا مدینے کا۔احد میں خبر اڑی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی۔ کہرام مچ گیا۔عورتیں نکل پڑیں گھروں سے۔ایک عورت نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر دو۔کسی نے کہا کہ تیرا خاوند شہید ہوگیا،کسی نے کہا تیرا بیٹا شہید ہوگیا،کسی نے کہا تیرا بھائی شہید ہوگیا،کسی نے کہا تیرا باپ شہید ہوگیا۔اس نے ہر ایک کے جواب میں یہی کہا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ یہ دل گردہ تھا عورتوں کا۔آج صحابہؓ بدر میں شہید ہورہے،کل احد میں شہید ہورہے۔روزانہ یہی آواز لگ رہی۔حضرت خنساءؓ کے چار بیٹے ایک ہی معرکے میں شہید ہورہے اور اللہ کا شکر ادا کررہیں۔اے اللہ شکر ہے تو نے خنساء کو چار شہیدوں کی ماں بنادیا۔کسی کا بیٹا شہید ہو رہا کسی کا خاوند۔رات دن یہی قصہ چل رہا۔وہاں مسئلہ ہی کچھ اور تھا ہم کیا کہتے ہیں ’نہ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی لگے رنگ آئے چوکھا چوکھا‘۔یہ قربانیوں کا راستہ ہے۔جوں جوں قربانیوں کے راستے بڑھیں گے۔دنیا پر زد پڑے گی اور جو یوں دیکھیں کہ اِس کو ٹھیس نہ لگے اُس کو ٹھیس نہ لگے۔دنیا پر کوئی زد نہ آئے۔ہماری دنیا بھی بڑھتی چلی جائے اور دین کا کام بھی ہوتا چلا جائے یوں سمجھو کہ ان کو کام کی ہوا بھی نہیں لگی۔

صحابہ کرامؓ کی قربانیاں تو دیکھو۔احد کی رات ابھی ہتھیار کھولنے بھی نہ پائے۔کہ جبرئیل علیہ السلام آگئے کہ دوبارہ چلنا ہے اور وہی جو پہلے گئے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے صحابہؓ سے فرمایا چلو ابھی فوراً۔وہ کفار پھر واپس آرہے ہیں۔صحابہؓ

سارے تھک کر چور ہوگئے تھے،زخموں سے بھرے ہوئے تھے۔اعلان یہ ہوا نیا کوئی نہ شریک ہو۔چلنا دشوار،تھکے تھکائے۔تھکاوٹ اور زخموں کو دیکھیں تو چلنے کا نام نہ لیں۔ لیکن حکم کو دیکھا اور اسی وقت نکل گئے۔زخمیوں کو سواریوں پر لادکر لے جارہے۔اس کو نہیں دیکھا کہ ہمارا کیا حال ہے۔بس ہمیں تو حکموں کو دیکھ کر چلنا ہے جسموں کو نہیں۔ ایمان اللہ پر ہے ہتھیاروں پر نہیں۔لشکروں پر نہیں ایمان ہے اللہ کے وعدوں پر کہ اللہ نے کہہ دیا چلو تو چلو۔زخمی ہیں تو چلو۔تھکے ہوئے ہیں تو چلو۔اللہ نے حکم جو دیدیا۔اسے پتہ ہے ہم تھکے ہوئے۔اسے پتہ ہے ہم زخموں سے چور ہیں۔ہمیں کچھ پتہ نہیں مریں گے یا زندہ واپس آئیں گے اس نکلنے پر دشمنوں پر اللہ نے رعب ڈال دیا۔ان کی ہمت ہی نہ ہوئی۔اس حکم کے پورا کرنے پر اللہ نے خطرہ سے بچالیا۔

ہمیں اللہ کے حکم کو دیکھ کے چلنا سیکھنا ہے۔چیزوں کو دیکھ کے چلنا یہ ہمیں سکھایا ہی نہیں گیا۔پیغمبر علیہ السلام نے یہ سکھایا ”لا الہ الا اللہ“۔اللہ کو دیکھ کے چلو۔غیروں کو دیکھ کے چلیں گے اللہ کی مدد سے محروم ہوجائیں گے۔بس اسی کی مشق کیلئے نکلنا ہے۔ تیار ہیں بھائی؟

☆☆☆

خلافت کے معنی کیا ہیں؟

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الكريم قال الله تعالیٰ "ان الله يمسك السموت والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسكهما من احد من بعد ه" وقال تعالیٰ "انی جاعل فی الارض خليفه"

خلافت کے معنی حکومت کے نہیں ہیں۔ آدم علیہ السلام کے پاس نہ ملک ہے نہ مال اور ہیں خلیفہ۔ نہ فوج نہ ساز وسامان۔ اگر حکومت ضروری ہوتی تو کوئی نہ کوئی شکل ضرور دی ہوتی۔ خلافت کے معنی علماء نے تنفیذ الاحکام فی الارض۔ زمین میں اللہ کے حکموں کو چالو کرنا۔ ۷۰ فی صد حکم ایسے ہیں جن کیلئے حکومت کی کوئی ضرورت نہیں۔ مثلاً

"قل للمومنين يغضوا من ابصارهم ويحفظوا فروجهم"

"ان السمع والابصار والفؤاد كل اولئك كان عنهم مسئولا"

کھانے پینے کے بارے میں، سونے کے بارے میں، ہاتھوں پاؤں کے بارے میں، آنکھ کان کے بارے بھی جتنے احکام ہیں وہ سب انفرادی زندگی سے متعلق ہیں۔ ہر ہر موقع کے احکام دیے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا

"يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك"

"يا ايها الرسل كلوا من الطيبت واعملو صالحا"

تمام دھندوں میں لگنا ہے خلیفہ بن کر۔ کیا مطلب؟ ہر کام میں اللہ کا حکم اور نبی کا طریقہ دیکھ کر عمل کرنا ہے۔

کھانا اللہ کے حکم کی وجہ سے، کمانا اللہ کے حکم کی وجہ سے۔ ایک ہے اغراض کی وجہ سے کسی کام میں لگنا۔ ایک ہے حکم کا لحاظ کر کے عمل کرنا۔ چوبیس گھنٹے ہم اللہ کے خلیفہ، نبی کے نائب اور کتاب کے وارث ہیں۔ عورت اس فکر کے ساتھ گھر میں نہ رہے کہ مجھے

صرف کھانا پکانا ہے۔ صرف کھانا پینا ہی ہمارا کام نہیں۔ یہ تو اللہ کا انعام ہے کہ اس نے مجھے اپنا خلیفہ، اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب اور اپنی کتاب کا وارث بنایا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ عورتیں گھر کے سارے کام کر کے جب فارغ ہوتی تھیں تو خود سوت کات کر مردوں کیلئے کپڑا بنتی تھیں۔

آج جتنی بے برکتی ہے وہ اس وجہ سے ہے ہم نے اپنے کو خلیفہ نہیں سمجھا۔ قیامت تک کے سارے انسان ہماری محنت کا میدان ہیں۔ ہم نے یہ سوچنا ہے کہ جہاں جہاں بے دینی ہے وہ کیسے ختم ہوگی؟ اس کیلئے عورتوں اور مردوں دونوں کی سوچ استعمال ہوگی۔ عورتیں جب آپس میں بیٹھیں ایک دوسرے کے علاقے میں تبلیغی کام کے احوال معلوم کریں۔ مگر شیطان فوراً کپڑوں، زیورات، گھر، برتنوں کی طرف نظر پھیر دیتا ہے۔ اس سے بچنا ہوگا۔ جنت کی نعمتوں کا ذکر کرو۔ اللہ کی بڑائی کا ذکر کرو۔ اللہ کی بڑائی دل میں اتنی اتر جائے کہ سونا چاندی سب کی عظمت دل سے نکل جائے۔

اس کام میں لگ کر، باقی سب چیزوں سے توجہ ہٹ جائے۔ جیسے نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ سے مخلوق کی طرف دھیان حرام ہوجاتا ہے۔ اس کا راستہ دعوت ہے۔ ہر عورت ایک دوسرے کو کلمہ سنائے۔ اور کہے کہ ہم نے اس کلمہ میں اقرار کیا ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ سے ہوا، اللہ تعالیٰ سے ہورہا، اور اللہ تعالیٰ سے ہوگا۔ اللہ کے حکموں کو نبی علیہ السلام کے طریقے پر اللہ کی رضا کیلئے پورا کرنا ہی کامیابی ہے، زبان تو اقرار کر چکی جب تک ہمارے تمام اعضاء وجوارح اس کے مطابق استعمال نہیں ہوں گے تب تک کہ یہ بول دل کے اندر حقیقت بن کر نہیں اتریں گے۔

ہم سے کوئی حال پوچھے تو ہم جسم کے تقاضوں اور کاروبار کے تقاضوں، بیوی بچوں کے تقاضوں کے اعتبار سے حال بتاتے ہیں۔ مگر صحابہؓ کی کیفیت یہ تھی کہ جب حارثہؓ سے پوچھا گیا" کیف اصبحت؟ فرمایا مومنا حقا۔ پھر پوچھا لکل قول حقیقة۔ وما حقیقة قولك۔ ہر بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے تیری بات کی کیا حقیقت ہے؟ تو کیا فرمایا

کانی انظر الی اھل الجنة یتزاورون ۔گویا کہ میں دیکھتا ہوں کہ جنت والے ایک دوسرے کی ملاقاتیں کررہے ہیں وکانی انظر الی اھل النار یتعاوون۔ گویا کہ میں دیکھتا ہوں کہ جہنم والے آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہیں۔

وکانی عرش اللہ امام قلبی کل حین گویا کہ اللہ کا عرش ہر وقت میرے سامنے رہتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے تیرے سینے کو ایمان کے نور سے منور کر دیا ہے اس پر ثابت قدم رہیو۔ اس ایمان کو سیکھنے کی محنت خود بھی کرنی ہے اور ساری امت کو اس محنت پر لانا ہے۔

☆☆☆

ہر عمل کو اس طرح کرنا کہ اللہ دیکھ رہا ہے

(بعد ظہر۔۱۱/۴/۲۰۰۴)

حضرت مولانا محمد جمشید علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

"الا لہ" کس کو کہتے ہیں؟ یَضْطَرُّ اِلَيْهِ الْاِنْسَانُ فِي جَمِيْعِ حَاجَاتِهٖ۔
جس کی طرف انسان اپنی تمام حاجات میں بے چینی کے ساتھ متوجہ ہو۔

"الیقین" کیا ہے؟ پہاڑ کے اندر گہرا غار ہو، اس کی تہہ میں تھوڑا تھوڑا پانی رستا چلا جائے۔ جب تیز ہوا چلتی ہے تو اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جس طرح باہر کی تیز ہوا کا اثر غار کی تہہ میں ٹھہرے ہوئے پانی تک نہیں پہنچتا کہ تمام ہواؤں سے یہ غیر متاثر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی چیز دل میں ایسے بیٹھ جائے اور انسان کو کیسے ہی حوادث اور حالات پیش آجائیں۔ جو بھی شکلیں سامنے آجائیں وہ متاثر نہ ہو۔ اس کیفیت کو یقین کہتے ہیں۔

"عبادت" کہتے ہیں بے سوچے سمجھے بات کو مان لینا۔ "عبد" عربی کا لفظ ہے۔

لغت میں اس "غبار" کو کہتے ہیں جو راستے پر چلتے چلتے پیروں میں رگڑا کھاتے، گھستے گھستے بالکل سرمہ بن جائے، اس میں کوئی رمق نہ رہے۔ اس کو عبد کہتے ہیں۔ "الطریق العبد۔"

ہر عمل کو اس طرح کرنا کہ اللہ دیکھ رہا، اللہ سن رہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے ساتھ کرنا، کلمہ والے یقین کی کیفیت کے ساتھ کرنا، فضائل کے شوق اور استحضار کے ساتھ کرنا۔ نفس کے تقاضوں کی مخالفت کے ساتھ کرنا۔

اس کام کو کام بنائیں۔ یہ وقتی اور عارضی کام نہیں۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اور چنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات بنائی۔ پھر آدم علیہ السلام کو بنانے سے پہلے فرمایا میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ آدم علیہ السلام اللہ کی خلافت کے لیے پیدا کیے گئے۔ خلافت سے مراد حکومت نہیں۔ وہاں حکومت کا سوال ہی نہیں تھا۔ اس وقت خلافت سے مراد علماء کرام نے تنفیذ الاحکام لکھی ہے۔ ہر ہر عمل کو اللہ کے حکموں کے مطابق مذکورہ بالا صفات کے ساتھ خود بھی کرنا ہے اور دوسروں کو بھی اس پر ڈالنا ہے۔ ہم بھی جب بار بار اعمال کریں گے اور کرائیں گے اس کی عادت ہو جائے گی۔ پھر اس عمل کا چھوڑنا مشکل ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس میں استعمال فرمادے۔ راتوں کا رونا، دنوں کو رُلنا اور اس فکر میں گھلنا، یہ ہمیں نصیب ہو جائے۔

اذا تکرر الکلام علی السمع رسخ فی القلب۔

ہر آدمی کی نگاہ الگ ہے۔ ایک دکان کا مالک ہے، ایک نوکر ہے، ایک گاہک ہے، ایک چور ہے۔ سب کی سوچ الگ، سب کا جذبہ الگ۔ ہم ہیں مسلمان، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب۔ خلیفہ اور نائب ہونے کی حیثیت سے ہر چیز دیکھیں گے، پرکھیں گے، سوچیں گے۔

نیابت، خلافت، وراثت کے اعتبار سے اپنی فکروں کو استعمال کرنا ہے۔ اس کو مانگنا ہے کہ اللہ ہم کو اس حیثیت سے استعمال فرمادے اور اس کی حقیقت ہمارے دلوں میں کھول دے۔

آہ! مولانا جمشید رحمہ اللہ

نتیجہ فکر: میر محمد اسلم، گنجاہی

ٹوٹ پڑا اُمت پہ بڑا کوہِ غم — مولانا جمشید ہوگئے راہی ملک عدم
ہر آنکھ دُکھ سے ہے اشک بار — موت سے نہیں ممکن کسی کو فرار
ٹنڈو الہ یار بنا لیا تھا اپنا مسکن — رائے ونڈ کو بنا لیا تھا اپنا مسکن
تبلیغ دِین بنا لیا مقصدِ حیات — ایک ہی فکر تھی بس دِن رات
پیش نظر رہتا ہر دم اسوۂ رسول — بنا لیا تھا زندگی کا اپنا معمول
لحنِ داؤدی میں جب پڑھتے قرآن — سامعین سن کے ہوتے بڑے حیران
حاجی عبد الوہاب کے دست راست — قوم کو سمجھاتے راہِ نجات
عرب جماعتوں کی جب کرتے ترجمانی — پیار سے چومتے وہ ان کی پیشانی
گم ہوگیا ہے اک گوہر نایاب — بادلوں کی اوٹ میں چھپا آفتاب
دین کی خاطر گزری یہ زندگانی — لیکن نہیں ملنا اب ان کا ثانی
اسلام کا ہے یہ اپنا انداز — ہر مرد و زن کے لیے ہے فرض نماز
کل عالم میں محنت ہوگئی جاری — موت تک کرو موت کی سب تیاری
پورے انسانوں کے تھے وہ خیر خواہ — کسی کالے گورے میں نہ فرق ذرا
ڈوب گیا ہے اِک بہتر درخشاں — جانتے تھے سب انس و جاں

بیاد! استاذی شیخ الحدیث حضرت مولانا جمشید صاحب رحمہ اللہ

نتیجہ فکر: مولانا محمد اسامہ سرسری (بیت العلم کراچی)

ان کی تدریس تھی رحمتیں، برکتیں — ان کی تبلیغ تھی الفتیں، چاہتیں
زندہ کرتے رہے طاعتیں، سنتیں — بانٹتے ہی رہے عزتیں، جنتیں
امتیوں کو دیں عظمتیں، نسبتیں — عام دنیا میں کیں ہجرتیں، نصرتیں
باپ جمشید تھا، بیٹا خورشید ہے — دونوں اسلام کی وسعتیں، زینتیں
ربِ دشت و چمن کی رضا کے لیے — کردیں قربان سب خلوتیں، جلوتیں
ربِ فردوس کو جان و زر بیچ کر — کیں نچھاور سبھی راحتیں، دولتیں
سالہا سال تک پیش کرتے رہے — دعوتیں، خدمتیں، محنتیں، جراُتیں
پیار سے پیارے آقا کے پیاروں کو دیں — پیاری پیاری سبھی سیرتیں، صورتیں
ختم کرنے کی کرتے رہے کوششیں — بدعتیں، تہمتیں، نفرتیں، رشوتیں
دل کے امراض کی خوب تشخیص کی — غفلتیں، غیبتیں، شہوتیں، وحشتیں
حبِ دنیا سے رب کی طرف موڑ دیں — خصلتیں، عادتیں، فطرتیں، حالتیں
سَرسَری تو کہاں اور کہاں چار سو — حضرت استاد کی مدحتیں، نکہتیں

تبصرہ روزنامہ اِسلام کراچی

تبصرہ نگار: مولانا محمد اَحمد حافظ (نگران روزنامہ اِسلام اِسلامی صفحہ و مدیر ماہنامہ وِفاق المدارِس ملتان)۔

ماہنامہ دَارُالتقویٰ (خاص نمبر مولانا جمشید علی خان رحمہ اللہ)۔ مدیر: مولانا اُویس اَحمد۔ صفحات: ۳۱۲۔ طباعت عمدہ۔ قیمت لکھی نہیں۔ ملنے کا پتا: دَفتر ماہنامہ دَارُالتقویٰ متصل جامع مسجد الہلال، چوبرجی پارک، لاہور۔

ایک قارِی جب اَپنے اَکابر واَسلاف کی سوانح کا مطالعہ کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلک اہلِ حق کو کیسے جگمگاتے ہیروں سے نوازا ہے، تقویٰ و تدین، علم و عمل، عزم و عزیمت، فقر و غیرت، دَعوتِ دِین کی تڑپ، فرقِ باطلہ سے مبارزت.....غرض دیکھا جائے تو ہر لحاظ سے ہمارے اَکابر یکتا نظر آتے ہیں۔

زیر تبصرہ مجموعہ لاہور سے شائع ہونے وَالے ماہنامہ دَارُالتقویٰ کا خاص نمبر ہے جو حضرت مولانا جمشید علی خان رحمہ اللہ کی حیات و خدمات پر مشتمل ہے۔ مولانا جمشید علی خانؒ اَکابر تبلیغ میں سے تھے۔ گزشتہ برس ۳رنومبر ۲۰۱۴ء کو اُن کا اِنتقال ہوا۔ آپ تھانہ بھون کے قریب ایک قصبہ ''بھیسانی'' میں پیدا ہوئے، وَالد اور وَالدہ دونوں کا اِصلاحی تعلق حکیم الامت حضرت مولانا اَشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے تھا، اِس لیے کم سنی میں ہی مولانا جمشید صاحبؒ کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی مجالس میں بیٹھنے اور اُن کے بیانات کو سننے کا موقع ملا۔ بچہ ہونے کی حیثیت سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے حرم میں بھی آنا جانا تھا۔ چناں آپ کی تربیت میں جہاں وَالدین کی شفقت شامل تھی، وہیں حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور آپ کے اہلِ خانہ کی شفقتیں بھی شامل حال تھیں۔ اِبتدائی تعلیم مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں حضرت مولانا مسیح اللہ خان رحمہ اللہ کی سرپرستی میں حاصل کی، وہیں کچھ اَسباق اُستاذُ العلماء حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دَامت برکاتہم سے بھی پڑھے۔ دورۂ حدیث دَارُالعلوم دِیوبند سے کیا، جہاں حضرت مولانا سیّد

حسین اَحمد مدنی رحمہ اللہ، حضرت مولانا اِعزاز علی دِیوبندی رحمہ اللہ جیسے اَساتذہ کرام سے سلسلۂ تلمذ رہا۔ پاکستان آمد کے بعد کچھ عرصہ دَارُالعلوم ٹنڈو الہ یار میں پڑھایا، اسی دوران تبلیغ میں بھی وَقت لگانا شروع کیا۔ ۱۹۶۴ء کے بعد اَپنے آپ کو مکمل طور پر تبلیغ دِین کے لیے وَقف کر دِیا اور فنافی التبلیغ ہو گئے۔ تاحین حیات رَائے ونڈ تبلیغی مرکز میں مقیم رہے۔ رَائے ونڈ مرکز میں آپ نے ایک طرف مسند دَعوت و اِرشاد کو رونق بخشی تو دُوسری طرف مسند حدیث بھی آپ کے حصے میں آئی۔ جن لوگوں نے مولانا جمشید علی خان رحمہ اللہ کو دیکھا، سنا اور آپ سے پڑھا وہ گواہی دیتے ہیں کہ آپ فقید المثال خوبیوں کا مجموعہ تھے، دَاعی، وَاعظ، صاحب تقویٰ، صاحب عزیمت، غیور و نڈر عالم دِین تھے۔ اللہ پاک نے آپ کو بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔

ماہنامہ دَارُالتقویٰ کے اِس خاص نمبر میں مولانا جمشید علی خان رحمہ اللہ کی حیات، جو ''حیاتِ طیبہ'' کہلانے کی مستحق ہے، پر مضامین دِیئے گئے ہیں۔ لکھنے وَالوں میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان، مولانا مفتی سیّد عبدالقدوس ترمذی، مولانا شفیق اَحمد بستوی، مولانا محمد اَکرم کاشمیری، مولانا حافظ عرفان الحق، مولانا مفتی محمد رَاشد ڈَسکوی، مولانا اَحسن اَحمد عبدالشکور، مولانا مفتی اَسد اللہ خان اور مولانا فہیم صاحب کے نام شامل ہیں۔ محقق اہلِ سنت حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا عبدالقیوم حقانی اور مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروِی کے مکاتیب بھی شامل ہیں۔ اِس یادگار مجموعہ کا مطالعہ کرتے ہوئے جہاں مولانا جمشید علی خان رحمہ اللہ کی زِندگی پر روشنی پڑتی ہے، وہیں رَائے ونڈ تبلیغی مرکز کا اَندرُونی ماحول بھی بخوبی آشکارا ہوتا ہے۔ ایک ایسا نقشہ زِندگی سامنے آتا ہے جسے صحابہؓ وَالی زِندگی کے قریب تر کہا جاسکتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اِس مجموعہ کا مطالعہ بہتوں کے خیالات سنوارنے میں مدد دے گا۔ (روزنامہ اِسلام کراچی ۷ربیع الاوّل ۱۴۳۷ھ/۱۹ردِسمبر ۲۰۱۵ء)

روزنامہ جسارت کراچی

www.jasarat.com

تبلیغی مرکز رائے ونڈ کے نائب امیر مولانا جمشید علی خان انتقال کر گئے

پوری زندگی دعوت و تبلیغ کے لیے وقف تھی۔ انتقال پر صدر، وزیراعظم و دیگر کا اظہار افسوس

ABC CERTIFIED CPL.NO583

روزنامہ انصاف لاہور

چیف ایڈیٹر: جنید سلیم

ایڈیٹر: حافظ محمد اقبال

جلد نمبر 15 منگل 10 محرم الحرام 1436ھ 4 نومبر 2014ء، 21 کاتک 2071ب صفحات 12 قیمت 10 روپے شمارہ نمبر 338

تبلیغی جماعت کے بانی کارکن مولانا جمشید انتقال کر گئے

مولانا عرصہ سے علیل تھے، نماز جنازہ آج تبلیغی پنڈال میں ہوگی، وزیراعظم، وزیراعلیٰ کا اظہار افسوس

تبلیغی جماعت کے امیر بھی رہے، عمر 80 سال تھی، تبلیغ کیلئے گراں قدر خدمات انجام دیں

Tuesday, November 04, 2014

قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں، القرآن

اعلیٰ صحافتی اوصاف کا علمبردار

روزنامہ اوصاف اسلام آباد

DAILY AUSAF ISLAMABAD

E-mail:ausaf@dsl.net.pk

http://www.dailyausaf.com

چیف ایڈیٹر: مہتاب خان

جلد: 16 منگل 4 نومبر 2014ء، 10 محرم الحرام 1436ھ، 19 کاتک 2071ب صفحات 16 قیمت 12 روپے شمارہ: 344

رائیونڈ: نائب امیر تبلیغی جماعت مولانا جمشید علی انتقال کر گئے، نماز جنازہ آج ہوگی

مرحوم کی عمر 85 سال، عرصہ سے بیمار تھے، برین ہیمرج کے باعث مقامی ہسپتال میں دم توڑ گئے

روزنامہ اسلام کراچی

منگل، 10 محرم 1436ھ مطابق 4 نومبر 2014ء

تبلیغی جماعت کے بزرگ مولانا جمشید انتقال کر گئے، نماز جنازہ آج ہوگی

NAWAIWAQT.COM.PK

editor@nawaiwaqt.com.pk

DAILY NAWA-I-WAQT LAHORE

روزنامہ نوائے وقت

لاہور، کراچی، راولپنڈی/اسلام آباد اور ملتان سے بیک وقت شائع ہوتا ہے

تبلیغی جماعت کے نائب امیر مولانا جمشید مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے

www.jang.com.pk

پاکستان کا سب سے زیادہ اشاعت والا اخبار

THE DAILY JANG LAHORE

روزنامہ جنگ لاہور

بانی... میر خلیل الرحمٰن

جلد 36 نمبر 23

تبلیغی مرکز رائے ونڈ کے نائب امیر مولانا جمشید علی خاں انتقال کر گئے

مولانا جمشید کی عمر 80 سال تھی، چند دنوں سے جناح ہسپتال میں زیر علاج تھے

وزیراعظم، وزیراعلیٰ پنجاب و دیگر کا اظہار تعزیت، نماز جنازہ آج 2 بجے ادا کی جائے گی

www.express.com.pk

DAILY EXPRESS

روزنامہ ایکسپریس

پاکستان کے 11 شہروں سے بیک وقت شائع ہونے والا واحد اخبار

منگل 10 محرم الحرام 1436ھ 4 نومبر 2014ء صفحات 16 قیمت 12 روپے

DAILY DUNYA LAHORE

www.dunya.com.pk

روزنامہ دنیا لاہور

TUESDAY, NOVEMBER 4, 2014

تبلیغی جماعت کے بانی رکن مولانا جمشید انتقال کر گئے، صدر، وزیراعظم اور دیگر رہنماؤں کا اظہار تعزیت

روزنامہ پاکستان لاہور

THE DAILY PAKISTAN

جلد 25 منگل 10 محرم الحرام 1436ھ 4 نومبر 2014ء، 20 کاتک 2071ب، صفحات 16، قیمت 12 روپے شمارہ 247

تبلیغی جماعت کے رہنما اور ممتاز عالم دین مولانا جمشید انتقال کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا جمشید معروف مذہبی سکالر مولانا طارق جمیل سمیت متعدد علماء کے استاد بھی تھے، ان کی نماز جنازہ آج ادا کی جائے گی

تم وہ بہترین امت ہو جسے انسانوں (کی اصلاح) کے لئے میدان میں لایا گیا۔ (القرآن)

Daily UMMAT Karachi.

روزنامہ امت کراچی

تبلیغی جماعت کے بزرگ اور معروف عالم مولانا جمشید انتقال کر گئے

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں گذرا بچپن ولڑکپن، مسیح الامتؒ کے زیر تربیت عنفوان شباب، شیخ العرب والعجم کے ہاں علم کی تکمیل، ٹنڈو الہیار کی تدریس اور دعوت وتبلیغ کی محنت میں تن من دھن کی فنائیت۔۔۔۔

مجسم سادگی وتقوی، اصول پسندی وژرف نگاہی، حاضر جوابی وکلامی مہارت، دینی رعب، تصلب واعتماد، اکابر کی یادوں کی جھلکتی تصویر، ہندی کے ٹکسالی محاورات اور حکمت کے واقعات کا دائرۃ المعارف، قافلۂ تبلیغ کے حدی خواں۔۔۔ یہ سب جزئیات مل کر جو سراپا تشکیل دیتی ہیں، اسے دنیا مولانا جمشید صاحب رحمہ اللہ کے نام سے جانتی ہے۔

۳ نومبر ۲۰۱۴ء کو لاکھوں سوگواروں، ہزاروں متوسلین اور سینکڑوں شاگردوں کی ایک دنیا چھوڑ کر صرف ایک فرد ہی رخصت نہیں ہوا بلکہ اس عالمِ فانی سے مذکورہ متعدد متنوع صفات وخصوصیات بھی رخصت ہوئیں جو ایک پورے عہد کی جیتی جاگتی تصویر تھی ؎

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

زیر نظر نقوش اسی چمن سے چند ناتمام پھول چننے کی ادھوری سی کاوش ہے جس سے مولانا کی مہک آتی رہے گی ؎

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را